حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
ملفوظات
حکیم الامت
ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

الافاضات الیومیہ
من
الافادات القومیہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کی مجالس اور اسفار نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء عظام رحمہم اللہ کے تذکروں' عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات' دینِ برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر' ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا' ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا' ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق' نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی' عقلی' نقلی' معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے۔
جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان (061 4540513 4519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

نام کتاب............ملفوظات حکیم الامت جلد-9
تاریخ اشاعت............صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدارۂ تالیفاتِ اَشرَفِیہ چوک فوارہ ملتان
طباعت............سلامت اقبال پریس ملتان

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

اظہار مسرت و تحسین:

از حضرت اقدس مرشدی و مربی مولانا الحاج محمد شریف صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ ارشد: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں انہیں حضرت سے صرف محبت ہی نہیں محبت کا نشہ ہے. حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زر کثیر صرف کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انکی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور ان کے لئے سرمایہ آخرت بنادیں. دعا گو!

احقر محمد شریف عفی عنہٗ

مکتوب گرامی

حضرت اقدس ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی دامت برکاتہم

خلیفہ ارشد: مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

شفقی و مکرمی دامت برکاتہم ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عنایت نامہ باعث عزو شرف ہوا. آپ کے ادارہ تالیفات سے جو بھی مجموعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ یا ملفوظات شائع ہوتا ہے آپ از راہ کرم تحفۃً اس ناکارہ کو ارسال فرماتے رہتے ہیں. آپکی اس خیال فرمائی کا بہ دل ممنون ہوں. اور دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھیں اور مسلمانوں کو اس اشاعت علوم دینیہ سے زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمادیں. حضرت رحمۃ اللہ کے مواعظ اور ملفوظات کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حضرتؒ اس دور حاضر کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے ایسے ایسے علوم شرعیہ مسنونہ بیان فرمارہے ہیں جسکی تشنگی خواص و عوام اب بھی محسوس کر رہے ہیں. اسی سے حضرت رحمۃ اللہ کی شان مجددیت نمایاں ہوتی ہے. اللہ تعالیٰ آپ کے ادارہ کے جذبہ تبلیغ کو اور زیادہ قوت عطا فرمائے. اور مطبوعات کی اشاعت کو عالمگیر فروغ عطا فرمادیں. آمین!

احقر محمد عبد الحی عفی عنہٗ

فہرست عنوانات الافاضات الیومیہ جلد نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حضرت حکیم الامت کی احکام کی دقیق رعائتیں

فرمایا کہ آج ایک صاحب نے مد ختم میں دعاء کے لئے کچھ رقم بھیجی ہے اور کوپن پر پتہ صاف نہیں لکھا۔ میں نے اس کو واپس کر دیا۔ اس لئے کہ یہاں پر جو رقم آتی ہے اس میں صاحب رقم کا پورا پتہ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ درمیان میں صاحب رقم کی رائے بدل جائے یا جس مقصد کے لئے رقم بھیجی تھی وہ مقصد پورا ہو جائے اس وجہ سے پورا پتہ لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اس پتہ پر بقیہ رقم واپس کر دی جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب رقم کا انتقال ہو جائے تو اب یہ رقم اس کی ملک سے خارج ہو کر ورثہ کی ملک ہو جائے گی یہاں پر اطلاع ہونے کے ساتھ ہی وہ بقیہ رقم واپس کر دی جاتی ہے کیا یہ وہم کی باتیں ہیں جس میں حرام حلال جائز ناجائز کا سوال ہے ایک پیرجی یہاں پر بطور مہمان آئے ہوئے تھے ان کو احکام سے تو کوئی غرض ہوتی نہیں ان کے سامنے کسی صاحب رقم کے معاملہ کا ذکر ہوا اس لئے کہ صاحب رقم کا انتقال ہو گیا تھا۔ کہنے لگے کہ واپس کرنے کی ضرورت کیا ہے رقم کو رکھا جائے اور مردے کے واسطے دعاء مغفرت کرا دی جایا کرے، میں نے کہا کہ جی ہاں حلوائی کی دکان پر ناناجی کی فاتحہ ملک کسی کی دعاء کسی کے واسطے احکام کو یہ لوگ سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ احکام کی قید سے جو جی میں آئے وہ نہیں کر سکتے۔ اور یہاں پر بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے احکام کے خلاف ایک انچ بھی کوئی کام نہیں ہوتا یہ ایک بہت بڑا فضل ہے اور بڑی زبردست نعمت اور دولت ہے کہ ہر چیز اپنی حد پر ہے۔

(۲) اضطراب میں حکم خداوندی

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جنہوں نے اضطراب کی شکایت کی تھی فرمایا کہ ضرورت ہی کون ہے سکون کی اگر سکون ساری عمر بھی نصیب نہ ہو تو ضرر کیا ہوا اس لئے کہ اضطراب بھی خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس میں بھی حکمتیں ہیں

(۳) طرفین کی راحت کا طریق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس ہی لئے آنے والوں کے متعلق میری رائے ہے کہ

چند روز خلو ذہن اور بند ذہن کے ساتھ یہاں پر رہیں مجلس میں خاموش بیٹھ کر جو میں بیان کروں سنتے رہیں۔ اس کے بعد اگر میں پسند ہوں اور میرا طرز اور مسلک پسند ہو رجوع کریں ورنہ سلامتی کے ساتھ اپنے وطن کو واپس ہو جائیں اسی میں طرفین کی راحت ہے ورنہ سوائے بے لطفی اور کشمکش کے کوئی امید نفع کی نہیں۔

(۴) شیخ اور طالب کے فرائض

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ مجھ کو بیعت کر لیجئے۔ میں نے لکھا کہ بیعت ضروری نہیں۔ اس پر لکھا کہ بہت ضروری ہے۔ میں نے لکھا کہ جب تم خود محقق ہو تو غیر محقق سے کیوں رجوع کرتے ہو دوسرے اس اختلاف میں یا تو میں ضروری کو غیر ضروری سمجھ رہا ہوں۔ یا تم غیر ضروری کو ضروری سمجھ رہے ہو۔ اس صورت میں یا تو میں جاہل ہوں یا تم جاہل ہو۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ حضرت میں ہی جاہل ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ میں بھی متفق ہوں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ واقعی بیعت ضروری نہیں۔

اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک شخص نے لکھا تھا کہ مجھ کو بھی اپنی فرزندی میں داخل کر لو۔ میں نے لکھا کہ شریعت میں دو شخصوں کا فرزند ہونا جائز نہیں اپنے باپ کے تو فرزند ہو ہی دوسرے کے کیسے ہو سکتے ہو۔ میرے اس لکھنے اور کہنے سے مقصود یہ ہے کہ ایسے تکلیف کے الفاظ سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے یہ سب رسمی پیروں کے یہاں کے الفاظ ہیں اور وہ ایسے الفاظ سے خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جس کے یہ الفاظ ہیں اچھی طرح ہمارے پھندے اور جال میں پھنس چکا ہے خوب شکار بنا۔ مجھ کو ایسے الفاظ سے وحشت ہوتی ہے جیسے کوئی کسی کو بنایا کرتا ہے۔ یہاں رسمی باتوں کی بحمد اللہ گنجائش نہیں جو بات ہو صاف ہو سیدھی ہو۔ بے لوث ہو۔ ان باتوں اور لفظوں میں رکھا کیا ہے۔ کام کی بات ہے مصلح کی طرف سے تعلیم اور طالب کی طرف سے اتباع بس چھٹی ہوئی مگر اس کو ضابطہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خشک بات ہے مگر اتنی تربات کس کام کی جس میں ڈوب ہی مرو۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ نہ تم میرا اتباع کرو اور نہ میں تمہارا اتباع کروں۔ تم بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرو اور میں بھی یعنی میں تعلیم کروں اور تم اس پر عمل کرو۔ ان فضولیات اور عبث کو چھوڑو۔ کیوں عمر عزیز اور قیمتی وقت کو لایعنی باتوں میں پڑ کر خراب اور برباد کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں۔

(۵) داخل سلسلہ کرنے کی درخواست کا جواب

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو بھی داخل سلسلہ کر لیا جائے میں نے لکھا ہے کہ کس فائدہ کے لئے اور کیا وہ فائدہ بدون داخل سلسلہ ہوئے نہیں ہو سکتا یہ سب تعلیم ہے خدانخواستہ کوئی مواخذہ یا مطالبہ تھوڑا ہی ہے یہاں تو ہر صورت میں پہلے ہی سے تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

(۶) میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص یہاں سے خفا ہو کر جاتا ہے یا میں کسی حرکت پر ناراض ہو جاتا ہوں اور نکال دیتا ہوں وہ بھی محروم نہیں جاتا۔ خواجہ صاحب کا ایک شعر ہے اس کا ایک مصرع یہ ہے۔ ع۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ سب مجھ سے راضی رہیں۔ نہیں ناراض رہیں مگر کچھ لے لیں۔

(۷) نیچریت کا اثر

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بلا ابھی پھیلی ہے پہلے کہیں بھی یہ تکلفات نہیں تھے۔ نہ کوئی شیخ التفسیر کہلاتا تھا اور نہ شیخ الحدیث حتی کہ اکثر اکابر کو مولانا تک بھی نہ کہتے تھے صرف مولوی صاحب۔ اور اب تو شیخ التفسیر شیخ الحدیث امام الشریعت امام الہند۔ شیخ الہند۔ یہ شیخ الہند کا لقب حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تجویز کیا گیا یہ حضرت مولانا کی قدر کی کہ شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں۔ یہ مدعیان محبت ہیں۔ یہ سب نیچریت کا اثر ہے۔ ایک دوسری قسم کے القاب بھی نکلے ہیں جن کی نسبت میں کہا کرتا ہوں کہ آدمی ہو کر جانوروں کے نام اختیار کئے گئے کوئی بلبل ہند ہے۔ کوئی شیر پنجاب ہے کوئی طوطی ہند ہے۔ اب آگے کوئی گرگ ہند ہو گا کوئی اسپ ہند۔ کوئی فیل ہند۔ کوئی خر ہند۔ کیا خرافات ہیں۔ اپنے بزرگوں کی سادہ روش کو لوگوں نے قطعاً نظر انداز ہی کر دیا۔ اسی طرح یہ ہاتھ چومنے کی رسم اب ہو گئی ہے۔ اگر دس بیس کا مجمع ہو تو اس میں اچھا خاصہ وقت صرف ہو تا ہے خواہ اس غریب مخدوم کو پیشاب ہی کا تقاضا ہو۔

(۸) سنت کا مفہوم

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایک وعظ میں بیان کیا تھا کہ سنت اس کو نہیں کہتے کہ جو حضورؐ سے محض ثابت ہو بلکہ سنت اس کو کہتے ہیں جو حضورؐ کی عادت غالبہ ہو پھر وہ غلبہ خواہ حکمی ہو یا حسی ہو جیسے تراویح کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے اور تاکد دوام پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس پر دوام حسی نہیں ہوا مگر حضورؐ کے ایک خاص عارض یعنی خوف فرضیت کا عذر ظاہر فرما دینے سے دوام کا مطلوب ہونا معلوم ہوا یہ دوام حکمی ہے۔

(۹) ہر چیز کے حدود

ایک صاحب نے حضرت والا کے لئے کچھ دعائیہ الفاظ کہے۔ فرمایا کہ یہ مجھ کو کیوں سنایا خواہ مخواہ رشوت کا شبہ ہوتا ہے چپکے سے دعاء کر لیتے۔ ہر چیز کے حدود ہیں۔ جو چیز حد سے گزرے گی وہی ناپسند ہے میں یہی حدود بتلاتا ہوں ان کا حصول موقوف ہے طالب کے عمل پر محض شیخ کی تعلیم اس میں کافی نہیں۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ یہ طبی مسئلہ ہے کہ عورت کے نطفہ سے بچہ بنتا ہے اور مرد کے نطفہ سے اس میں اس کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی کام کرنے والے کے کام کرنے ہی سے کچھ حاصل ہوتا ہے اور شیخ کی تعلیم سے اس میں برکت اور اعانت ہوتی ہے۔ لوگوں کو اس میں غلو ہو گیا ہے جو ایک درجہ میں عقائد کی خرابی ہے یعنی اور جگہ اس کے خلاف تعلیم ہے کہ شیخ ہی کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی بدولت لوگ سمجھنے لگے کہ شیخ ہی کچھ سینے میں سے دے تو لیں اور نہ خود کچھ نہیں کرتے۔ میں ضرورت سمجھ کر حقائق کو ظاہر کرتا ہوں۔

۲۳ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

(۱۰) بزرگوں کی صحبت میں نفع ہی نفع ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے میں کسی خاص نیت کی ضرورت ہے فرمایا کہ یہی نیت کافی ہے کہ ہم کو نفع ہو۔ اب وہ نفع عام ہے جس قسم کا بھی نفع ہو جائے۔ علمی عملی حالی۔ اور بزرگوں کی صحبت میں تو نفع ہی نفع ہے نقصان کا تو بحمد اللہ وہاں نام بھی نہیں۔

(۱۱) اعمال مامور بہا طریق ہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ صوفیہ سے جو بعض خشک مزاجوں کو وحشت ہے اس وحشت کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ذکر و شغل کرتے ہیں مجاہدات ریاضات کرتے ہیں ان چیزوں کی تو اصل نصوص میں ہے بلکہ وجہ وحشت کی یہ ہے کہ اس جماعت کا نام صوفیہ رکھ دیا گیا بس اس سے لوگوں کو وحشت ہے اس لقب سے اس کا ایہام ہوتا ہے کہ یہ جماعت علماء کی جماعت کے علاوہ کوئی جماعت ہے اور ان کے مقابل ہے اس جماعت کا نام بھی علماء ہی ہوتا تو اچھا ہوتا ایک تو لوگوں کو وحشت نہ ہوتی دوسرے علماء میں ان کا درجہ اعلیٰ شمار ہوتا اس لئے کہ طریق احکام سے کوئی جدا چیز نہیں بس طریق کے عالم احکام ہی کے عالم ہیں اس لئے ان کا لقب علماء نہایت صحیح ہوتا اور دونوں کے جدا نہ ہونے کا بیان یہ ہے کہ یہی نماز روزہ حج وزکوۃ وغیرہ تصوف ہیں ان ہی کی تکمیل کے لئے ذکر و شغل کرایا جاتا ہے۔ میں نے تو قرآن وحدیث سے بحمداللہ مسائل تصوف کو ثابت کر دیا ہے اور یہ دکھلا دیا ہے کہ یہی اعمال مامور بہا طریق ہیں اور رضاء حق مقصود ہے اس کے علاوہ تیسری کوئی چیز نہیں۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو خاص طریق کی تعلیم ہوتی ہے وہ سب تدابیر کے درجہ میں ہیں مقصود نہیں ہاں مقصود کی معین ہیں۔ غرض قرآن وحدیث تمام تصوف سے پر ہیں البتہ سمجھنے کے لئے فہم کی ضرورت ہے۔

(۱۲) ہر امر کے قواعد و اصول

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بحمد اللہ یہاں پر ہر کام اور ہر بات کا قاعدہ ہے بدوں قاعدہ کوئی کام نہیں اور نہ بے قاعدہ کوئی تعلیم ہوتی ہے۔ پہلے قاعدہ کی پھر اور چیزوں کی تعلیم ہوتی ہے حتی کہ میرے یہاں اس کا بھی قاعدہ اور قانون ہے کہ اگر کہیں سے مثلاً" کھانا پکا ہوا آئے یا دودھ وغیرہ آئے سو اگر لانے والا شناسا اور معتمد ہے تو لیا جاتا ہے اگر غیر شناسا ہے نہیں لیا جاتا اب ان قواعد پر کوئی اعتراض کرے تو اس کا کیا علاج۔

(۱۳) تمام دین خود نظم ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ بھی ایک رسم ہے جو نہایت گندی رسم ہے کہ مشائخ کے یہاں گھروں پر مریدین براہ راست ہدیہ بھیج دیتے ہیں پیر صاحب کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بعض کے یہاں تو خدام ایسے ہیں کہ چیز آئی اور فوراً" اٹھا کر بھاگے اور پیر صاحب کے

مکان میں پہنچائی۔ پیر صاحب کو خبر تک بھی نہیں ہوتی یہ خدام تکتے رہتے ہیں اگر ان جزئیات پر پیر صاحب کی نظر نہ ہو اور ضروری تحقیق نہ کی جاوے تو بعض اوقات حرام سے پیٹ بھرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ نظم کو دین سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ تمام دین خود نظم ہی نظم ہے دیکھئے قربات مقصودہ میں سے نماز روزہ ہے مگر وہ بھی سراسر نظم ہے۔ صرف ایک چیز ہے جس میں بظاہر کوئی قید نہیں معلوم ہوتی اور وہ ذکر اللہ ہے مگر وہاں بھی قیدیں ہیں مثلاً" حدیث میں ہے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو تو ذکر چھوڑ دو یا نجاسات کے موقع پر احتیاط رکھو۔

(۱۴) حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کا خلوص

ایک مولوی صاحب غیر مقلدین کی علمی بد استعدادی اور عدم قابلیت کا ذکر کر رہے تھے حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ پہلے غیر مقلد جامع ہوتے تھے اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے جامع ہوتے تھے پھر غیر مقلد ہوتے تھے اس لئے جامع ہوتے تھے۔ غیر مقلد ہو کر کوئی جامع نہیں ہو سکتا ہاں جامے سے باہر ہو سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں آمین بالجہر پر کسی مسجد میں کسی مسافر شخص پر سختی کی گئی۔ حضرت مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا کہ مجھ کو کوئی روکے میرے ساتھ سختی کرے لوگوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ مولانا اسمٰعیل صاحب کو منع کر دیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر منع کرنے پر انہوں نے حدیث پیش کر دی تو میں کیا کروں گا تم میرے سامنے ان سے گفتگو کرو۔ میں غالب کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ ان سے کون گفتگو کرتا۔ پھر یہی شکایت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے کی۔ شاہ عبدالقادرؒ نے حضرت مولانا شہیدؒ سے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے عوام میں شورش ہوتی ہے۔ مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جو مردہ سنت کو زندہ کرے سو شہیدوں کا ثواب ہے چونکہ یہ سنت مردہ ہو چکی ہے میں اس کو زندہ کرتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو جو جواب دیا ہے میں اس جواب پر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بے حد معتقد ہو گیا۔ عجیب ہی جواب ہے۔ یہ فرمایا کہ اسمٰعیل ہم تو سمجھے تھے کہ تم مولوی ہو گئے مگر معلوم ہوا کہ سمجھ کچھ نہیں آئی۔ حدیث اس سنت کے باب میں ہے جس کے مقابلہ میں بدعت ہو اور جس کے مقابلہ میں بھی دوسری سنت

ہو وہ حدیث میں مراد نہیں تو ایک سنت کا بھی زندہ رہنا سنت کا زندہ رہنا ہے چونکہ وہ حضرات مناظر نہ تھے حضرت مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مان لیا جی کو یہ بات لگ گئی قیل وقال کرنا ہوتا تو بہت گنجائش تھی گو عمل کا تبدیل کرنا تو نہیں سنا مگر جواب کچھ نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا ہر کام خلوص پر مبنی تھا اب یہ باتیں کہاں۔

(۱۵) نماز ذات ہے اور روح اس کی صفت ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو جہلاء کی باتیں ہیں کہ ہم کو نماز کی روح حاصل ہے اس لئے ہم کو نماز کی صورت سے کیا لینا ہم ظاہر پرست نہیں ہم کو اعمال ظاہرہ سے کیا لینا۔ ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کی ایسی اٹرنگ بڑنگ جہلا ہانکا کرتے ہیں جس کا نام انہوں نے روح رکھا ہے وہ تو نماز کی صفت ہے اور نماز ذات اور ذات اہم اور اصل ہوتی ہے اور صفت اس کی تابع۔ دوسرے روح جو مقصود ہے وہ خاص وہ روح ہے جو اسی ہیئت میں پائی جاتی ہے جیسے انسان کہ اس کا جزو اعظم روح ہے مگر اس شرط سے کہ وہ اس خاص قالب سے متعلق ہو ورنہ یہی روح کسی بندر کے قالب میں ہو تو اس میں انسانی شرف نہ ہوگا۔

(۱۶) اجتہادی اختلاف کی مثال

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اجتہادی اختلاف کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نوکر سے یہ کہا جائے کہ گلاس میں پانی لاؤ۔ اب دو نوکروں میں اختلاف ہوا ایک یہ سمجھا کہ اصل مقصود پانی منگانا ہے اور گلاس کی قید اتفاقی ہے گلاس نہ ملا تو کٹورے میں لے آیا۔ دوسرا یہ سمجھا کہ وہ قید بھی مقصود ہے اس لئے وہ گلاس ہی ڈھونڈتا پھرتا ہے

(۱۷) ذوقی اور وجدانی چیزوں کا انکشاف مشاہدہ پر موقوف ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ذوقی اور وجدانی چیزیں جن کی حقیقت کا انکشاف مشاہدہ پر موقوف ہے محض تحریر اور تقریر سے کیسے سمجھ میں آسکتی ہیں نہ ان کے بیان پر قدرت ہوتی ہے جیسے ایک نامرد کو ہمبستری کی حقیقت کوئی نہیں بتلا سکتا۔

(۱۸) شیخ سے بے تکلفی میں ضرورت اعتدال

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ سے بے تکلفی کا درجہ مطلوب اور مفید ہے جو درجہ بے حجابی تک ہو مطلب یہ کہ حجاب نہ رہے۔ نہ کہ ایسی بے تکلفی کہ گستاخی اور بے ادبی تک نوبت پہنچ جائے ہر چیز کے حدود اور آداب ہیں اور یہ سب باتیں چند روز صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہیں ۔

۲۳ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(۱۹) بد نگاہی کے مرض کا علاج

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ میں بد نگاہی کا مرض ہے اس کا علاج فرمائیں۔ میں نے لکھا ہے کہ اس سے بچنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری اب اگر لکھیں گے کہ اختیاری ہے تو لکھوں گا کہ بچو اور اگر لکھیں گے کہ غیر اختیاری ہے تو میں لکھوں گا کہ پھر گناہ ہی نہیں فکر کیوں ہے۔ کچھ جواب نہ بن پڑے گا۔ اور واقع میں چونکہ اختیاری ہے تو بجز اس کے کچھ علاج نہیں کہ ہمت سے کام لے۔

(۲۰) ایک حکیمانہ سوال

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اپنے ایک دوست کے متعلق لکھا ہے کہ باوجودیکہ ان کو زنا سے نفرت ہے اور ہر ممکن ذریعہ سے بچنے کا طریق اختیار کر چکے مگر اس وقت تک نہیں رک سکے اب ان کو اس کی فکر ہے کہ پہلی بیعت باقی رہی یا تجدید بیعت کی ضرورت ہے۔ اب اگر لکھتا ہوں کہ بیعت باقی ہے تو جرات بڑھتی ہے اگر لکھتا ہوں کہ باقی نہیں رہی تو غلط ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے اس پوچھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ بیعت کی حقیقت کیا سمجھے ہوئے ہیں اس سے ان کو یہ سمجھ لینا بھی آسان ہو گا کہ وہ حقیقت باقی رہی یا نہیں۔ میری تصریح کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲۴ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۲۱) نماز میں آنکھیں بند کرنا خلاف سنت امر ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر نماز میں ذات بحت کا تصور ہو اور معانی

کی طرف بھی توجہ ہو تو اس حالت میں یہ ہوتا ہے کہ اگر اس طرف خیال ہوتا ہے تو یہ نہیں رہتا اور اس طرف خیال ہوتا ہے تو وہ نہیں رہتا فرمایا کہ ایک ہی ہو سکتا ہے جس سے زیادہ دلچسپی ہو اسی ایک کو اختیار کرلے عرض کیا کہ اگر سجدہ کی جگہ پر نظر رکھی جاتی ہے تو نیند کا غلبہ ہوتا ہے فرمایا کہ یہ ایک شغل ہے اور شغل میں یکسوئی ہوتی ہے اس لئے نیند کا غلبہ ہوتا ہے کچھ مضر نہیں۔ عرض کیا کہ اگر نماز میں آنکھ بند کرلے۔ فرمایا کہ خلاف سنت ہے مگر جائز ہے اور جائز بھی بلا کراہت۔ عرض کیا کہ اکثر صاحب حال کو دیکھا ہے کہ ان کے اعمال میں کمی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ وہ حال کے غلبہ کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ باقی اعمال ہی زیادہ قیمتی ہیں حال سے عرض کیا کہ خشوع میں جو اختیار سے یکسوئی ہوگی کیا اس کو خشوع کہیں گے۔ فرمایا کہ خشوع اسی یکسوئی کو کہیں گے جو اختیار سے ہو۔

(۲۲) تکثیر عبادت کی ممانعت کا اصل مفہوم

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں تکثیر عبادت سے جو حدیث میں ممانعت ہے اس کے متعلق محققین نے لکھا ہے کہ تکثیر عبادت سے ممانعت فی الحقیقت...... تقلیل عبادت سے ممانعت ہے اس لئے کہ عبادت کی تکثیر مفرط بوجہ ملال وکلال مفضی ہو جاتی ہے اس کی تقلیل کی طرف ورنہ تکثیر عبادت فی نفسہ مطلوب ہے۔ ممانعت کی چیز نہیں اور ہر چیز میں یہی حالت ہے کہ کثرت کرنا کسی چیز کا سبب ہو جاتی ہے۔ اس کی قلت کا۔ بعض طلباء ہر وقت کتاب میں مشغول رہتے ہیں مگر بعد چند روز کے جتنا کام کرنا ضروری تھا اس سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چاہیے کہ جتنا شوق ہو اس سے بھی کام کچھ کم کرے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مثال بیان فرمائی ہوئی یاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے لڑکے چکئی کو پھینکتے ہیں تو پھر واپس لوٹانے کے لئے کچھ ڈورا پلٹا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر بھوک رکھ کر کھایا جائے تو دوسرے وقت خوب اشتہا ہوتی ہے۔ ان ہی باتوں کی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر چیز میں شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ اب شربت بنتے ہیں۔ خمیرے بنتے ہیں۔ آگ کا انداز کہ چاشنی نہ بگڑ جائے جیسے اس کو دواساز سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح باطن کی چاشنی کو ماہر فن شیخ کامل محقق ہی سمجھ سکتا ہے اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مردے کاملے پامال شو

(۲۳) آخرت کے معاملات کا کسی کو علم نہیں

ایک مولوی صاحب نے ایک شخص کی عملی حالت بیان کر کے اس پر اخروی مواخذہ کا حکم لگا دیا۔ حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ وہاں ہمارے فتووں پر تھوڑا ہی فیصلہ ہو گا۔ بعض بات ایسی ہوتی ہے کہ خود صاحب عمل کو بھی محسوس نہیں ہوتی اور وہ نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے کہ بات تو وہ بظاہر چھوٹی ہوتی ہے مگر وہ ایسے خلوص کے ساتھ ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑی ہو جاتی ہے اور وہ سبب بن جاتی ہے نجات کا۔ کسی کو کیا خبر کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور دوسروں کی تو کیا خبر ہوتی خود اپنی ہی خبر نہیں۔

(۲۴) ظاہری صورت کے حقوق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل تو گڑبڑ ہے درویشوں کی صورت بناتے ہیں حالانکہ درویش نہیں بلکہ صورت بنانے کی طرح صورت بھی نہیں بناتے کیونکہ صورت بنانا بھی کوئی آسان چیز تو نہیں اس لئے کہ ظاہر کے بھی تو حقوق ہیں اس کو نبھانا بھی بڑا کام ہے معمولی کام نہیں اور صورت بنانے پر جو ملامت کی جاتی ہے یہ ملامت اس نقل پر ہے کہ جو محض لوگوں کی نظر میں اس جماعت میں شمار ہونے کی نیت سے ہو اور اگر اس قصد سے ہو کہ اس صورت کی برکت سے مجھ میں بھی حقیقت کا اثر آجاوے تو پھر کچھ ملامت نہیں۔

(۲۵) اوراد و وظائف کو مقصود سمجھنا غلط ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ اس میں کہیں مناجات مقبول کی اجازت چاہی ہے اور کہیں حزب البحر کی اجازت لی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ امید ہے کہ حضور میرے ان مقاصد پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ تمہاری مرضی کے موافق یا اپنی مرضی کے موافق اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے خمیرہ عنبر اور خمیرہ مروارید خود تجویز کر کے اور طبیب سے محض برکت کے لئے اجازت چاہے۔ تجویز تو اپنی اور توجہ اور برکت دوسروں کی۔ یہ حالت ہے آج کل لوگوں کی کسی چیز کی بھی خبر نہیں اول تو وظائف اور اوراد کو مقصود لذاتہ سمجھتے

ہیں۔ پھر اس کو بھی اپنی رائے سے تجویز کر کے دوسروں کو اپنا تابع بناتے ہیں

(۲۶) اعتقاد عدم اہلیت کے ساتھ امامت کا کوئی حرج نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں جس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں لوگ مجھ کو امامت کے لئے کہتے ہیں۔ میں اس مہتم بالشان کام کی اپنے اندر اہلیت نہیں پاتا اس خیال سے اگر کبھی تاخیر کر کے مسجد جاتا ہوں تو ترک جماعت کا افسوس ہوتا ہے۔ میری رہبری فرمائیے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر اعتقاد عدم اہلیت کے ساتھ امامت کی جاوے کچھ حرج نہیں۔ اس پر فرمایا کہ اس جواب سے نہ تو اپنے کو اہل سمجھیں گے اور نہ ترک جماعت کی نوبت آئے گی دونوں باتوں کی رعایت سے جواب لکھا ہے اس لئے بھی رعایت کی کہ کہیں اہل سمجھ کر عجب نہ پیدا ہو جاوے۔

(۲۷) ایک شخص کا جاہلانہ مکتوب

فرمایا کہ ریاست بہاولپور سے ایک صاحب کا خط ایک تعویذ کی درخواست میں آیا ہے اس میں ایک بزرگ کی کرامت تمہید میں لکھی ہے کہ پانی کا گھی ہو گیا تھا اس ہی لئے آپ سے تعویذ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی ایسی برکات ہوتی ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ آپ نے ان بزرگ کی کرامت لکھ کر میرے لئے عذر کو آسان کر دیا وہ یہ کہ میں ایسی برکت اور کرامت والا نہیں تو میرے تعویذ سے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ شخص کیسے جہل میں مبتلا ہے اب مروجہ اخلاق اگر اختیار کروں تو اس کا اقتضا تو یہی تھا کہ تعویذ لکھ دیتا مگر یہ غریب تو ساری عمر جہل میں مبتلا رہتا۔

(۲۸) حسن صورت بھی ایک نعمت ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حسن صورت بھی ایک نعمت ہے مقاصد حسنہ میں حدیث ہے اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن صورت اکثر حسن سیرت کی علامت ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی کو لکھا ہے

گنہ عفو کرد آل یعقوب را ۔۔۔ کہ معنی بود صورت خوب را

۲۵ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ۔

(۲۹) مصائب میں حکمتیں پوشیدہ ہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مصائب میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اگر بندہ کو معلوم ہو جائیں تو وہ مصائب کی تمنائیں کرے اور دعائیں کرے جب اس میں حکمت ہے تو ہر مصیبت میں یہ استحضار کرے کہ اس میں میرے لئے حکمت ہے۔ اب رہا یہ کہ وہ حکمت کیا ہے اس کی کاوش فضول ہے کیونکہ وہ حکمت بھی ایک واقعہ ہو گا تو پھر اس حکمت کی حکمت کے معلوم کرنے کا سوال ہو گا اس کے بعد پھر اس حکمت کی حکمت کی ضرورت سمجھی جاوے گی تو اس سلسلہ کا منقطع ہونا محال ہو گا۔ یہ سلسلہ صرف یوں منقطع ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے تو ان کے کسی تصرف میں کسی سوال کا وسوسہ بھی نہ ہو گا اب یہ بات رہ گئی کہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا ہو اس کا طریق یہ ہے کہ اللہ والوں سے تعلق پیدا کرو۔ اور یہی ایک ذریعہ ہے تعلق مع اللہ کا اور یہ تعلق مع اللہ ہی اس سلسلہ کو منقطع کر سکتا ہے۔

(۳۰) نفس کا کید

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفس بری بلا ہے اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے عجیب بات ہے کہ جس قدر انسان ریاضات مجاہدات عبادات میں مشغول ہوتا ہے اسی قدر اس کے اندر بھی ایک لطافت اور اک کی پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس لطافت سے اس کے کید بھی نہایت لطیف صورت میں پیدا ہونے لگتے ہیں اس لئے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ اور اس کا علاج بجز قوت اور ہمت کے کچھ نہیں شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے مگر یہ ظالم بجز مقابلہ کے اور وہ بھی ہمت اور قوت سے ہو قبضہ میں نہیں آتا اور ایک چیز سے تو یہ بالخاصہ بہت جلد پھول کر گدھا بن جاتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی مدح کی جاتی ہے اس لئے بزرگوں نے اس مدح سے بچنے کی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کوشش کی ہے۔ مدح سے اس میں فرعونیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فرعون ہو جاتا ہے۔ نفس اور شیطان کے فرق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى جس سے نفس کی قوت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے لئے کف اور ضبط کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اور شیطان کے حق میں فرماتے ہیں اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا اس کے لئے ضعف کو ثابت کیا ہے۔ اور نفس کی یہ

خاصیت کہ یہ مدح سے فرعون ہو جاتا ہے۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

نفس ازبس مدح ہا فرعون شد　　کن ذلیل النفس ہونا" لاتسد

(۳۱) اول ملاقات میں مناسبت نہیں ہوتی

ایک صاحب نے کسی درخواست کے لئے پرچہ پیش کیا۔ حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ ایسی درخواستوں کے لئے میں جس درجہ کا اطمینان چاہتا ہوں وہ یہاں کی محدود موجودگی پھر وہ بھی اول ملاقات میں میسر نہیں ہو سکتا۔ یہاں آنا تو صرف ملاقات کے لئے ہونا چاہئے اور دوسری باتیں اس میں کھپتی نہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جب آنکھیں سامنے ہوتی ہیں آزادی سے کچھ کہنا ذرا مشکل ہوتا ہے اور اکثر ضرورت ہوتی ہے کہنے کی۔ اور جب سامنے نہ ہوں تو بے حیا بن کر جو وہ چاہے لکھ دے جو میں چاہوں لکھ دوں اور اصل بات یہ ہے کہ اول ملاقات میں نہ مناسبت ہوتی ہے نہ موانست اس لئے نفع ہو نہیں سکتا۔ یہ سب تجربات کی بناء پر عرض کر رہا ہوں۔

(۳۲) مصلح کے جامع بین الاضداد ہونے کی ضرورت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بے اصول کہاں کام چلا سکتا ہے نفع میں ضرورت اس کی ہے کہ مصلح جامع بین الاضداد ہو وہی اصلاح کر سکتا ہے مثلاً" دل میں تواضع ہو اور برتاؤ میں صورت تکبر کی ہو۔ ان دونوں چیزوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہے بدوں اس کے انتظام ہو نہیں سکتا۔ انتظام میں ان ہی چیزوں کی ضرورت ہے سچ تو یہ ہے کہ حکومت کرنا بھی صوفیہ ہی کا کام ہے آج کل زیادہ خرابیاں اسی وجہ سے ہو رہی ہیں کہ نااہل حکومت کر رہے ہیں۔

(۳۳) غیر متقی کا شیخ ہونا ممکن ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر متقی کا شیخ ہونا ممکن ہے جیسے بد پرہیز کا طبیب ہونا ممکن ہے کیونکہ شیخ کہتے ہیں ماہر فن کو اس میں متقی ہونے کی قید نہیں۔ ہاں متقی اور غیر متقی میں یہ فرق ضرور ہو گا کہ شیخ اگر متقی ہے تو اس کی تعلیم میں برکت ہو گی اور غیر متقی شیخ کی تعلیم میں برکت نہ ہو گی متقی کا ایک جملہ کہہ دینا ساری عمر کی رہبری کے لئے

کافی ہو گا۔ متقی اور غیر متقی کے اس فرق پر یاد آیا۔ ایک بزرگ کے پاس ایک بچہ کو لایا گیا اور عرض کیا کہ یہ گڑ بہت کھاتا ہے اس کو منع فرما دیجئے کہ یہ گڑ کھانا چھوڑ دے بزرگ نے فرمایا کہ اس کو کل لانا اگلے روز لایا گیا آپ نے اس بچہ کو گڑ کھانے سے منع فرمایا کہ میاں گڑ زیادہ نہیں کھایا کرتے بچہ پر اثر ہو گیا کھانا چھوڑ دیا۔ بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کل ہی منع فرما دیتے تو کیا بات تھی۔ فرمایا کہ کل تک میں بھی کھایا کرتا تھا میں نے بھی کل سے نہیں کھایا خود چھوڑ کر کہنے کا اثر ہوا اور جس طرح تقوی شرط برکت ہے شیخ کے لئے اسی طرح اور بھی بعض چیزیں اسی برکت کی شرط ہیں مثلاً شیخ کا کوئی وقت خلوت کا معمول نہ ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہ ہو گی۔ حق تعالی فرماتے ہیں اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحاً طَوِیْلاً وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً تبتل سے پہلے اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحاً طَوِیْلاً فرمایا یعنی دن میں کام زیادہ رہتا ہے اور اس وجہ سے ذکر و تبتل کے لئے فراغ نہیں ہوتا اس لئے شب کا وقت اس کے واسطے تجویز کیا گیا اور اس کا راز یہ ہے کہ برکت تعلیم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور نور پیدا ہوتا ہے ذکر کامل سے اور ذکر کامل کے لئے ضرورت ہے خلوت کی۔ اس لئے بزرگوں نے یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ قلب کو بجز ذات واحد کے کسی طرف متوجہ نہ کرنا چاہئے اور وہ ذات حق تعالی کی ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

دلارا میکہ داری دل دروبند   دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(۳۴) شیخ کے انقباض کا ایک سبب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو شیخ کو طالب کی کسی حرکت پر تکدر یا انقباض ہو جاتا ہے کیا وہ حرکت معصیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے فیض بند ہو جاتا ہے فرمایا کہ یہی کیا ضرور ہے کہ معصیت ہی پر شیخ کی طبیعت منقبض ہو اور بہت سی باتیں ہیں جن سے انقباض اور تکدر ہو جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس حرکت سے انقباض اور تکدر پیدا ہوا ہے وہ حرکت مشابہ معصیت کے ہوتی ہے تو طالب کو چاہئے کو جو حرکت مشابہ معصیت کے ہے اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرے اور احتیاطاً خدا کی جناب میں استغفار کرے۔

(۳۵) زیادت معرفت کے حقوق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا مرض ہے کہ جب

اپنے متعلق کامل ہونے کا شبہ ہوا اور اپنے کو اصلاح و مجاہدہ سے فارغ اور مستغنی سمجھنے لگتا ہے یہ سخت غلطی ہے اس کو تو اور زیادہ ضرورت ہے اعمال ظاہری و باطنی کے اہتمام کی اور مشغول مع اللہ ہونے کی۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کی معرفت زیادہ ہے اور زیادت معرفت سے حقوق میں زیادتی ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔

(۳۶) (متعلق ملفوظ سوم سابق) کچھ وقت خلوت کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا نے ابھی فرمایا کہ تعلیم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور نور کے لئے ضرورت ہے ذکر کی اور ذکر کے لئے ضرورت ہے خلوت کی تو خلوت کے لئے اگر شب و روز میں کچھ وقت معتد بہ مقرر کرلیا جائے وہ خلوت کافی ہوگی۔ فرمایا کہ جی ہاں کافی ہوگی جیسے کہ کنواں کہ ہر وقت پانی کھینچنے سے پانی ٹوٹ جاتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ کچھ دیر بند رکھا جائے تاکہ چشمہ آب سے پر ہو جائے طویل مدت کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی شیخ کو ضرورت ہے کہ تعلیم اور ارشاد سے فارغ ہو کر کچھ وقت خلوت کا مقرر کرلے۔

(۳۷) مختلف الاحوال بزرگوں سے ملنے میں نفع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہے تو نئی سی بات مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ بزرگوں سے بھی نہیں ملنا چاہئے۔ اس میں بڑی گڑبڑ ہو جاتی ہے اس لئے کہ بزرگ بھی مختلف الاحوال ہوتے ہیں۔ سب احوال کے جمع کرنے سے کچھ بھی نہیں بنتا آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو جاتا ہے۔ بعض کو عادت ہوتی ہے یہاں گئے وہاں گئے ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔

لختے برداز دل گذرد ہر کہ ز پیشم — من قاش فروش دل صدپارہ خویشم

(۳۸) حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہر عیب سے پاک رکھنے کا سبب

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے شیخ کو انفع سمجھے افضل سمجھنا ضروری نہیں۔ یہ کس کو معلوم ہے کہ خدا کے نزدیک کون افضل ہے اور کون مفضول۔ عرض کیا کہ اپنے کو اکمل سمجھنا کیسا ہے فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو پندرہ پارے یاد ہیں اور پچاس جگہ بھولتا ہے۔ اور ہم کو

سارا قرآن پاک یاد ہے اور پچاس برس تک بھی ہم پچاس جگہ نہیں بھولے تو ہم اپنے مقابلہ میں اس بھولنے والے کو اکمل کیسے سمجھیں گے بلکہ اپنے ہی کو سمجھیں گے ہاں احتمالا" افضل سمجھیں گے باعتبار مآل کے۔ اور یہ بہت ہی سہل ہے یعنی یہ سمجھے کہ ممکن ہے میرے انجام سے اس کا انجام بہتر ہو اور باعتبار حال کے بھی اس طرح زیادہ مستبعد نہیں کہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس سے خدا کے نزدیک یہ زیادہ مقبول اور پسندیدہ ہو اور مجھ میں وہ خوبی نہ ہو یہ عنوان فہم اور عمل میں بہت سہل ہے۔

(۳۹) اپنے شیخ کو سب سے افضل سمجھنا ضروری نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایسی چیز سے بھی منزہ رکھا جاتا ہے جو عرفا" عیب ہو اس لئے کہ ان کے سپرد تبلیغ ہے اور اس کے موثر ہونے کے لئے مبلغ کی عظمت کی ضرورت ہے اور ایسے عیب سے عظمت نہیں رہتی۔ اسی کی ایک فرع ہے کہ بیوی کا فحش بھی عرفا" عیب ہے اس لئے اس سے بھی انبیاء کو پاک رکھا گیا اور کفر عرفا" عیب نہیں اس لئے بعض انبیاء کی بیویاں مومن نہ تھیں۔

(۴۰) بدعتیوں سے ملنا اچھا نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بدعتیوں سے ملنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اچھا نہیں۔ کانپور کے بدعتیوں کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ سے کوئی خفا نہ تھا سب محبت کرتے تھے اور مالی خدمت بھی کرتے تھے۔ میں قبول کر لیتا تھا اور یہ جو میں نے کانپور کے بدعتیوں کا ذکر کیا ہے وہ ایسے بدعتی تھے جیسے ایک شخص کا گدھا کھویا گیا تھا وہ اس کی تلاش میں پھر رہا تھا ایک شخص سے پوچھا کہ تم نے گدھا تو نہیں دیکھا اس نے کہا کہ ایک گدھی تو دیکھی ہے کہنے لگا کہ وہی ہو گی اس نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ گدھا ہے کہنے لگا کہ ایسا زیادہ گدھا بھی نہیں تھا۔

(۴۱) بزرگوں کی تربیت کا اثر

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں جس وقت کانپور کے مدرسہ فیض عام میں مدرس ہو کر گیا ہوں تقریبا" بیس برس کی عمر تھی مجھ سے کہا گیا کہ آپ وعظ میں

مدرسہ کے چندہ کی ترغیب دیا کریں۔ میں نے کہا کہ نقل کے تو خلاف ہے ہی مگر عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ اگر میں وعظ میں ترغیب دیکر مہینہ میں دو سو روپیہ جمع کروں تو پونے دو سو تو تم کو دیدوں اور پچیس روپیہ میں لیا کروں۔ اگر یہ کام کروں تو خود ہی دو سو کیوں نہ رکھوں۔ مجھ کو بحمد اللہ اس متعارف چندہ کے کام سے شروع ہی سے وحشت ہے میں نے اپنے بزرگوں کی آغوش میں پرورش پائی ہے ان کی تربیت کا اثر ہے۔

(۴۲) حضرت حکیم الامت کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی بشارت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت اور توجہ سے علم کی ہر ضروری چیز قلب میں بقدر ضرورت اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہ ان کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک مرتبہ زمانہ طالب علمی میں ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے۔ خیر خالی تو نہیں دیکھا مگر مثل خالی کے دیکھا جہاں گئے مخالف مغلوب ہی رہے۔

(۴۳) حضرت حاجی صاحب کا اپنی مدح کی تاویل فرمانا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی بزرگ مشائخ میں سے آتے اور حضرت کی تعریف کرتے ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستاری ہے کہ اہل نظر کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں کیسی شان ہے ان حضرات کی بالکل ہی فانی محض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے رہنے والے ہی نہ تھے ہر وقت اسی طرف کا استغراق اسی طرف کا دھیان دل میں رچا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ اہل بصیرت کی مدح سے کمال کا گمان ہوتا خود مدح کی تاویل فرماتے تھے۔

(۴۴) حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم کی عجیب شان

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علوم عالی اور عنوان سہل یہ انبیاء ہی کو عطا ہوا ہے اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم ایسے عالی نہ ہوتے تو افلاطون اور ارسطو کو نبوت عطا ہوتی مگر حق تعالیٰ کو تو علم تھا کہ افلاطون اور ارسطو انبیاء کے سامنے ہیں کیا بلا۔ فی الحقیقت

انبیاء کے سامنے یہ سب گرد تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تو انبیاء کو بنا لیتے۔ انبیاء کے حقیقی علوم کے سامنے فلاسفہ کی رسمی و لفظی تحقیقات میں کیا رکھا ہے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ایک شخص ہے اس کو مٹھائی کی پوری فہرست یاد ہے اور ایک کے پاس مٹھائی ہر قسم کی ہے یہاں سے اٹھائی کھالی وہاں سے اٹھائی کھالی مگر مٹھائیوں کے نام اس کو یاد نہیں تو اب قابل غور یہ بات ہے کہ آیا مٹھائیوں کا مالک محتاج ہے نام والے کا یا نام والا محتاج ہے مٹھائی والے کا اسی طرح جس پر حق تعالیٰ اپنے حبیب کی امت میں سے اپنا فضل فرماتے ہیں اس کو بھی مشابہ انبیاء علیہم السلام کے علوم عطاء فرما دیتے ہیں۔ دیکھ لیجئے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ان سے خادمیت کا تعلق خود بتلا رہا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں کوئی چیز تو ضرور تھی کہ جس کی وجہ سے اور جس کی طلب میں ان حضرات نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے تعلق پیدا کیا۔ بات یہ ہے کہ ہم اہل الفاظ ہیں اور حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اہل معنی ہیں۔ الفاظ سے سکون نہیں ہوا کرتا سکون تو حقیقت پر پہنچنے سے ہوتا ہے جب علماء ظاہر اور اولیاء اللہ کے علوم میں اس قدر فرق ہے تو انبیاء علیہم السلام تو کیا کچھ ہوں گے۔

(۴۵) غرض کی قیمت

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے نہ طلب کا اظہار۔ نہ مطلوب کی غایت۔ نہ اپنی ضروری حالات کا تعارف۔ نہ پہلی کبھی ملاقات جس سے اجمالی حالات کی اجمالی اطلاع ہو بس ایک دم سے لکھ دیا کہ مجھ کو بیعت کر لو۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ خواہ مخواہ۔ کیونکہ اسی خشک درخواست کا یہی جواب ہے۔ اس پر فرمایا کہ اپنی غرض کے پورا کرنے کو لوگ اصل سمجھتے ہیں اور جس سے غرض کا تعلق ہے اس کی کسی بات کی بھی رعایت نہیں کرتے کہ اس پر ہمارے اس طرز کا کیا اثر ہو گا اس کو محض اپنا تابع سمجھتے ہیں۔ اس غرض پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ کانپور میں مدرسہ کے لئے ایک زمین خریدنا تھی جس وقت سودا ہوا تو مالک زمین نے دو ہزار روپیہ کہے میں نے کہا کہ زمین کی قیمت تو دو ہزار نہیں۔ البتہ غرض کی قیمت ہے دو ہزار مہتمم صاحب نے کہا کہ غرض کے عدد بھی اتفاق سے دو ہی ہزار ہیں۔

(۴۶) پہلے امراء کا ادب

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر امرا میں اب کچھ عرصہ سے یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ ان کی نظر میں دین اور اہل دین کی وقعت اور عظمت نہیں رہی اور اس کا اصلی سبب یہ انگریزیت نیچریت ہے۔ اس منحوس نے تو اچھے خاصے لکھے پڑھے اور شریف خاندان کے لوگوں کو تباہ اور برباد کر دیا پہلے امراء کی یہ حالت نہ تھی ان کے قلب میں دین کی وقعت اور عظمت ہوتی تھی اور امراء تو بے چارے کس شمار میں ہیں سلاطین کی بھی یہی حالت تھی نواب ٹونک نے اپنے آرام اور راحت کے لئے کوٹھی بنوائی اس میں معمار نے نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کسی اونچے مقام پر کوٹھی میں لفظ اللہ لکھ دیا کوٹھی تیار ہو جانے پر نواب صاحب نے آکر ملاحظہ کیا نہایت خوشنما و آرام دہ بنی تھی۔ بہت خوش ہوئے دفعتہ "لفظ اللہ پر نظر پڑی رائے بدل گئی اور کہا کہ اب یہ سونے کا مقام نہیں سونا خلاف ادب ہے اس کو عبادت گاہ قرار دیا اور آرام کے لئے دوسری کوٹھی بنانے کا حکم دیا۔

۲۵ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۴۷) حضرت حکیم الامت تھانوی کا مدعی محبت سے معاملہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اول ایسا معاملہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بعد جو برتاؤ ہو وہ نرم ہی نرم نظر آوے جیسے نزع کے وقت سختی ہو پھر جنت ہو۔ اور اگر نزع کے وقت تو نرمی ہو پھر بعد میں دوزخ یہ بہت سخت بات ہے اسی کو کوئی تجربہ کار بعنوان فریب فرماتے ہیں۔

چوں نبینم کسے کز کوئے تو دل شادی آید
فریبے کز تو اول خوردہ بودم یادی آید

نیز اگر کوئی شخص محض ملاقات کے لئے آتا ہے اس کے ساتھ تو اور برتاؤ ہوتا ہے اور جہاں اس نے محبت کا دعوی کیا میرا فورا" رنگ بدل جاتا ہے۔

(۴۸) آج کل کی حالت پر اظہار افسوس

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو یہ حالت ہو رہی ہے ایک صاحب نے جانماز

بھیجی کہ اس پر چالیس روز تہجد کی نماز پڑھ دیں میں نے کہلا کر بھیجا کہ پہلے اس کی تو تحقیق کر لی ہوتی کہ میں تہجد پڑھتا بھی ہوں اور اگر پڑھتا بھی ہوں تو اس طرح کہ چالیس دن میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہو اور اگر ایسی توفیق بھی ہو تو کیا اس کو ظاہر کروں بڑی غیرت کی بات ہے۔

(۴۹) حضرت حکیم الامت کے ہاں ہر بات کا صاف ہونا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب میں بیعت بہت کم کرتا ہوں الانادرا" اور یہ سب قواعد تجربوں کے بعد تجویز کئے ہیں۔ ایک شخص ہیں گنگوہ کے رہنے والے ہیں مولوی بھی ہیں وہ مجھ سے بیعت ہوئے۔ ایک خط لکھا جس میں جہالت کی باتیں لکھی تھیں پھر ملنے آئے تو میں نے ان کو ڈانٹا کہ جب ایسی باتیں کرتے ہو تو تم کو بیعت سے کیا فائدہ ہوا۔ کہا کہ سچ بات تو یہ ہے کہ مجھ کو اعتقاد تو تھا نہیں۔ بیعت محض اس وجہ سے ہو گیا تھا کہ میں اس وقت بیمار تھا میں یہ سمجھا کہ بیعت کی برکت سے اچھا ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ سچ کہہ دیا اور سچ کا بدلا سچ ہے اب میں بھی سچ کہتا ہوں کہ تم تمام عمر اپنی صورت مت دکھانا۔ الحمد للہ مجھ پر تعلق کی تو کچھ گرانی ہوتی ہے اور ترک تعلق کی بالکل گرانی نہیں ہوتی۔ اس لئے قطع تعلق کر کے ہلکا ہو گیا۔ اچھا ہوا کہ وہ مجھ سے چھٹا اور میں اس سے چھٹا۔ اور میرے یہاں ہر بات صاف ہے میں اخفا نہیں کرتا میری جو حالت ہے وہ ظاہر ہے پرکھ لو پر کھالو۔ دیکھ لو دکھلا لو اگر پسند ہوں تعلق رکھو ورنہ چلتے بنو۔ بلانے کون جاتا ہے خود ہی دعوی لے کر کرتے ہیں۔ اور پھر خود ہی یہ گڑبڑ کرتے ہیں۔ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔

(۵۰) ملامتی کا مفہوم

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ متقدمین کی اصطلاح میں اخفاء اعمال کرنے والے کو ملامتی کہتے ہیں۔ اور تقلیل اعمال کرنے والے کو قلندر کہتے ہیں۔ متاخرین نے دونوں اصطلاحیں بدل دیں۔

(۵۱) بجائے ناز کے ضرورت نیاز

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کا مذاق ایسا خراب ہوا ہے کہ غرض تو لے کر آتے ہیں اپنی اور دوسروں پر نخرے بکھارتے ہیں طالب بن کر نہیں آتے ہیں ناز لیکر آتے ہیں یہ سب

آتے ہیں اس کی ہیں کہ طلب صادق نہیں اگر بجائے ناز کے نیاز لے کر آویں تو سب کچھ ہے ورنہ اس کے عکس میں محروم جائے گا ایسے متکبروں کے تکبر توڑنے کو اور ناز مٹادینے کو جی چاہتا ہے۔

(۵۲) اپنی فکر مقدم ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسروں کی فکر میں آدمی کیوں پڑے پہلے اپنی فکر مقدم ہے اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا انجام ہو حق تعالی ایمان پر خاتمہ فرمادیں یہ بڑی دولت ہے بطور ظرافت کے فرمایا کہ لیکن خاتمہ بالخیر میں خیر سے پہلے بل ہے۔ آج کل اس کی ضرورت ہے کہ ایک بل یعنی گوشہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کئے جائے اس ہی میں عافیت ہے بڑا ہی پر فتن زمانہ ہے اس وقت درجات و مقامات تو کیا حاصل ہوتے ایمان کے لالے پڑ رہے ہیں ہروقت متوجہ الی الحق رہنا چاہئے توبہ استغفار کرتا رہے اور سلامتی ایمان کی دعاء کرتا رہے ہزاروں لاکھوں روپ میں دجال ایمان اور دین پر ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا آکھڑا ہوتا ہے حق تعالی ہی محافظ اور حافظ ہیں وہی اپنی رحمت سے دستگیری فرمائیں گے۔

(۵۳) اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ تو مناسب اور غیر مناسب ہی کو لئے پھرتے ہیں۔ میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے جیسے نماز۔ روزہ وغیرہ فرض عین ہیں اس لئے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہو گا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد .بفضلہ تعالی کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

۲۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم یک شنبہ

(۵۴) مطالعہ تربیت السالک کے ساتھ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت السالک ایک جگہ جمع ہو کر چھپ گئی اب تو صرف اتنی ضرورت ہے کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرلے اور مناسبت ہو جانے کے بعد کچھ تھوڑی سی تعلیم حاصل کرکے اس کو لے کر بیٹھ جائے پھر ضرورت نہیں کسی کی اس میں سب کچھ ہے۔

(۵۵) حضرات چشتیہ اور نقشبندیہ کے ذوق میں فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسالہ السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ کے لکھنے کے سلسلہ میں جو کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ایک فرق چشتیوں اور نقشبندیوں میں معلوم ہوا وہ یہ کہ نقشبندیوں میں تو اکثر علم کا غلبہ رہا اور چشتیوں میں عمل کا اور چشتیہ میں جو کہیں عمل میں لغزش ہو گئی ہے وہ غلبہ حال کی وجہ سے ہو گئی جس میں وہ معذور تھے ورنہ حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ حضرات کے افعال اور اقوال نقشبندیہ حضرات سے اتباع سنت کے باب میں کسی طرح کم نہیں بلکہ بہت جگہ بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر کچھ بدنام ہی ہو گئے ہیں کہ متبع سنت نہ تھے اور ان حضرات کی یہ بدنامی ایسی ہے جیسے حنفی بدنام ہیں کہ یہ متبع سنت نہیں حالانکہ امام صاحب کا جو اجتہاد ہے اور جسقدر مسائل استنباط کئے ہیں سب کتاب و سنت کے موافق ہیں اس کے متعلق میں نے ایک کتاب تیار کرائی ہے اس کا نام ہے اعلاء السنن۔ اس میں ہر مسئلہ پر حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے اس سے پہلے مذہب احناف کی نصرت میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ متن عربی میں ہے اور عوام کی سہولت کے لئے بعض حصوں میں حاشیہ پر اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بہت ہی جامع اور مانع کتاب ہے۔

(۵۶) امر توجیہات فضول نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ رسالہ السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ میں ایک مقام سخت ہے وہ یہ کہ بعض بزرگوں سے تلبس بالمسکرات منقول ہے۔ میں نے اس کا ایک مستقل باب بنا دیا ہے اور اس کا ایک نام بھی رکھ دیا ہے یعنی سراب الشراب۔ اس باب میں عجیب عجیب توجیہات کر دی گئی ہیں۔ ایک اور مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عنوان ایسا تجویز فرماتے ہیں کہ پھر کسی مضمون کے دیکھنے کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی مثلاً" حضرت نے اسی کا نام رکھا ہے سراب الشراب اس میں خود ہی

جواب موجود ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ شکی ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ توجیہات ہی ہیں۔ فرمایا کہ کیا قرآن میں توجیہات نہیں۔ حدیث میں توجیہات نہیں کیا توجیہات امر فضول ہے۔ دوسرے یہ کہ ساری دنیا کی ذمہ داری تھوڑا ہی ہے۔ کفار بھی یہی کہہ کر قرآن و حدیث کی تکذیب کرتے تھے اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اس کا کیا علاج۔

(۵۷) قادیانیوں کے کفر کی حقیقت

ایک مولوی صاحب نے قادیانی فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ بعض مسلمان بھی قادیانیوں کو کافر نہیں سمجھتے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ فرمایا کہ نہ سمجھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ان کے یہ عقائد ہی نہیں جن کی بنا پر ان کو کافر کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ یہ عقائد ہیں مگر پھر بھی وہ کافر نہیں تو اب ایسا سمجھنے والا شخص بھی کافر ہے جو کفر کو کفر نہ کہے مگر احکام قضا میں کافر ہے باقی احکام دیانت میں خدا کو معلوم ہے شاید اس کے ذہن میں کوئی وجہ بعید ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق مجھ سے سوال کیا میں نے کہا کہ کافر قطعی کے متعلق بھی یہی بات ہے کہ وہ احکام قضاء میں کافر ہے۔ حقیقت تو یہی ہے مگر ان فرقوں میں اور کفار کی دوسری جماعتوں میں فرق یہ ہے کہ شیعہ اور قادیانی اپنے کو کفر کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اور دوسری جماعتیں اپنے کو کفر کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق اہل فتوی پر اعتراض لکھا ہے کہ اتنے لوگوں کو کافر بنایا جاتا ہے میں نے لکھا کہ بنایا نہیں جاتا بتایا جاتا ہے۔ ایک نقطہ کا فرق ہے یعنی کافر تو وہ خود بنے ہیں۔ صرف بتلا دیا جاتا ہے۔

(۵۸) صوفیاء اعمال کی تکمیل کرتے ہیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا بڑا مہتم بالشان کام ہے اسی کو حضرت والا نے انجام فرمایا۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہ مہتم بالشان اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اور جگہ یہ کام نہیں ہو رہا ورنہ حقیقت کے اعتبار سے تو یہ بات ہے کہ میں علماء کی منصبی خدمات کو بہ نسبت صوفیہ کی خدمت کے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ علماء شعائر کے خادم ہیں اس لئے میں ہمیشہ صوفیہ سے علماء ہی کو افضل سمجھتا ہوں اور ان کی ہی

خدمت کو اعلیٰ سمجھتا ہوں۔ صوفیہ کی خدمت کی حقیقت علماء کی خدمت کے سامنے یہ ہے کہ
جیسے وضو میں کسی شخص نے بجائے تین مرتبہ پانی ڈالنے کے دو مرتبہ ڈالا۔ کسی صوفی نے پہنچ کر ایک مرتبہ اور ڈلوادیا تین مرتبہ ہو گیا یعنی صوفیہ اعمال کی تکمیل کرتے ہیں۔ باقی اصل خدمت علماء ہی کی ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ کو اول محبت محدثین سے ہے، دوسرے درجہ میں فقہاء سے، تیسرے درجہ میں صوفیہ سے۔ میں نے لکھا کہ مجھ کو اول صوفیہ سے دوسرے درجہ میں فقہاء سے تیسرے درجہ میں محدثین سے۔ اپنا اپنا ذوق ہے مگر یہ ترتیب محبت میں ہے اور عظمت و جلالت میں صوفیہ کا درجہ سب کے بعد ہے

(۵۹) بزرگوں کی دعا کی برکت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ الحمدللہ مجھ کو کسی کے عدم تعلق سے گرانی نہیں ہوتی اور یہ سب بزرگوں کی دعاء کی برکت ہے کہ ہلکا پھلکا رہتا ہوں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے جس قدر زیادہ مقتدی ہوں گے اس کو پریشانی بڑھے گی اس لئے کہ اگر دس ہزار مقتدی ہوئے اور نماز میں کوئی غلطی یاد آئی تو یہ شخص ساری عمر مصیبت ہی میں رہے گا اطلاع کرتا پھرے گا اور اگر دو چار مقتدی ہوئے تو بہت آسانی سے اطلاع کر دی اور سبکدوش ہو گئے۔

(۶۰) شیخ سے تعلق محبت کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنا اپنا مذاق ہے لوگ تو اس کی کوشش کرتے ہیں کہ لوگ معتقد ہوں۔ اور جو معتقد ہیں وہ غیر معتقد نہ ہوں میں اس کو اچھی خاصی مخلوق پرستی سمجھتا ہوں یا اپنی پرستش کرانا ہے۔ مجھ پر تو اعتقاد سے بار ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی محبت کرے اس سے جی خوش ہوتا ہے کیونکہ اعتقاد میں تو جب تک اعتقاد کی بات ہے اس وقت تک اعتقاد رہتا ہے ورنہ جاتا رہتا ہے اور محبت میں کیسی ہی حالت ہو محبت جا ہی نہیں سکتی۔ استاد شاگرد کا تعلق باپ بیٹے کا سا محبت کا ہے۔ مرید اور پیر کا تعلق بادشاہ اور رعیت کا سا ہے کہ محبت ضروری نہیں اس ہی لئے مجھ کو ان صاحبوں سے زیادہ تعلق ہے جنہوں نے مجھ سے پڑھا ہے اس تعلق میں غالب محبت ہوتی ہے۔

۲۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۶۱) خوش ہونے کی بات

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ جو پہلے حالت تھی وہی ہے (مطلب یہ تھا کہ ترقی نہیں ہوئی) میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر کسی کی نگاہ جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی ہے تو یہ خوشی کی بات ہے یا رنج کی۔ ہاں ایک شبہ اس پر ہو سکتا ہے اگر لکھیں گے تو جواب دوں گا وہ یہ کہ پہلے ہی نظر کم تھی ویسی ہی اب بھی کم ہے۔ میں لکھوں گا اس کا کیا ثبوت ہے کہ کم تھی بقدر ضرورت تھی وہ اب بھی ہے جس کو وہ کمی کہے گا حقیقت میں کمی نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص کہے کہ کل جس قدر قد تھا آج بھی اسی قدر ہے اس پر افسوس ہے۔ یہ افسوس کا محل نہیں بلکہ خوش ہونے کا محل ہے اس لئے کہ کمی تو نہیں ہوئی۔ جیسے ایک مالدار کہے کہ کل جس قدر مالدار تھا آج بھی اسی قدر مالدار ہوں تو یہ خوش ہونے کی بات ہے یا رنج کی ظاہر ہے کہ خوشی ہونے کی بات ہے کہ کمی تو کچھ نہیں ہوئی۔

(۶۲) بدفہموں کے تعلق کی مثال

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے یہاں سے وطن جا کر لکھا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی اخلاق تھے ان کی بعض غلطیوں پر میں نے روک ٹوک اور مواخذہ کیا تھا۔ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ میرے اخلاق برے ہیں تو مجھ کو چھوڑ دو جن کے اخلاق اچھے ہوں ان سے تعلق کر لو۔ اس پر آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضور کا غلام ہوں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا اگر کوئی بندوق میں گولی بھر کر اور مجھ کو سامنے بٹھلا کر یہ کہے کہ تو حضرت مولانا تھانوی کو چھوڑ دے ورنہ گولی سے مار دیا جائے گا تو یہ غلام مارے جانے کو گوارا کر لے گا اور تعلق کے چھوڑنے کو گوارا نہ کرے گا اس لئے کہ حضور سے محبت شدید پڑ گئی ہے کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ محبت تو ہے مگر ریچھ کی سی۔ اس لئے اس سے بچنا چاہئے اس پر فرمایا کہ یہ ہے بدفہموں کے تعلق کی حقیقت کیا ایسے کوڑ مغزوں سے تعلق رکھ کر جی خوش ہو۔

(۶۳) بجلی کی روشنی میں ذکر

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ بجلی کی روشنی میں ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ اندھیرے میں ذکر کرتے ہوئے طبیعت گھبراتی ہے (مطلب یہ کہ یہ نقص ہے) میں نے لکھ دیا کہ کیا حرج ہے روشنی تو اچھی چیز ہے اگر تجلی نہیں تو بجلی ہی سہی۔

(۶۴) ذکر میں توجہ کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بات نہیں جو آپ سمجھے کہ ذکر خالی جاتا ہے مگر ہر چیز کے شرائط ہوتے ہیں لوگ توجہ سے ذکر نہیں کرتے جو ذکر کی برکت کی شرط ہے اور توجہ عام ہے چاہے مذکر کا تصور کرے یا ذکر کا تصور کرے یا ذاکر یعنی قلب کا۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم دو شنبہ

(۶۵) اہل حق کو بشارت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل فرق باطلہ کی ہر جگہ ترقی ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں سب ہی کو ترقی ہو رہی ہے اور اہل حق بیچارے دبتے چلے جاتے ہیں قلیل بھی ہوتے جاتے ہیں اور ذلیل بھی ہوتے جاتے ہیں قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ کے مصداق ہو رہے ہیں کوئی یار مددگار نہیں سوائے خدا کی ذات کے۔ لیکن ہو تا کیا ہے اگر فرعون نے خدائی کا دعوی کیا اور بنی اسرائیل کی قوم کو ذلیل و خوار سمجھا فرعون اور اس کی قوم قبطی کا جو حشر ہوا ساری دنیا کو معلوم ہے ذلیل سمجھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن یہی جلیل ہوں گے اور ان کی امداد حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(۶۶) اپنی فکر اصلاح کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک خود آدمی اپنی اصلاح نہ چاہے اصلاح نہیں ہو سکتی۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دو شنبہ

(۶۷) حضرت حکیم الامت کے سفر سندھ فرمانے کی اصل

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ اب دل اکثر لوگوں سے ملتا نہیں۔ مذاق ہی بدل گیا۔ نئی چیزوں کا لوگوں کے قلوب پر اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ دیکھ دیکھ کر وحشت معلوم ہوتی ہے اور زیادہ تر وجہ سفر بند کرنے کی یہ بھی ہے باقی اللہ تعالیٰ نے بظاہر عذر کرنے کے لئے یہ مرض آنت اترنے کا دیدیا ہے جس کو میں عین فضل خداوندی اور رحمت خداوندی سمجھتا ہوں کہ تکلیف بحمد اللہ کچھ نہیں اور عذر ہے۔

(۶۸) آنا اور آنہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں بحمد اللہ ہر چیز اپنی حد پر ہے ایک صاحب نے لکھا تھا کہ حاضری کو بے حد دل چاہ رہا تھا مگر والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے حاضری سے معذور ہوں جس کا بے حد قلق ہے۔ اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ یہاں کا آنا تو آنہ ہی تھا اور وہاں رہنا اشرفی ہے۔

(۶۹) ایک کام کی بات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مبتدی کو اس کی ضرورت ہے کہ جس قدر چیزیں قلب کو مشوش اور پریشان کرنے والی ہیں ان سے حتی الامکان اجتناب کرے۔ حاصل یہ ہے کہ اختیار سے اپنے قلب کو ایسی باتوں میں نہ پھنسائے۔ یہ میں نے تجربہ کی بناء پر عرض کیا ہے کام کی بات ہے۔

(۷۰) تہجد نہ چھوٹنے کی دعا

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دعا فرمائیں کہ تہجد نہ چھوٹے میں نے لکھا ہے کہ نہ چھوٹنے کی دعا یا نہ چھوڑنے کی۔

۲۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

(۷۱) کسی کافر کے مسلمان ہونے پر زیادہ اظہار خوشی مذموم ہے

ایک صاحب نے ایک راجہ کے مسلمان ہونے کا ذکر حضرت والا سے ایسے طریق سے کیا کہ جس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کے لئے ان کا مسلمان ہونا باعث فخر ہے۔

حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ جو کافر ہو اور وہ مسلمان ہو جاوے تو اس پر ہرگز مسلمانوں کو فخر نہیں کرنا چاہئے خواہ مخواہ اس کا دماغ خراب کرنا ہے۔

(۷۲) آج کل فہموں میں کجی کا اثر ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہاں پر آنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جیسے چھلنی میں چھن کر چوکر الگ اور آٹا الگ ایسے ہی یہاں پر چھنٹ کر بادی بلغم الگ معاملہ ادھر یا ادھر وجہ اس کی یہ ہے کہ آج کل فہموں میں کجی پیدا ہو گئی ہے کسی کی رعایت اگر کی جائے یہ نہ سمجھے گا کہ یہ شفقت کی بناء پر ہے بلکہ یہ سمجھے گا کہ ایسا کرنا کسی غرض پر مبنی ہے۔ بس سب سے اچھا رنگ مجذوب کا ہے جب کوئی پاس آیا اینٹ ماری پھینک کر۔

(۷۳) نفع کا مدار نیت پر ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفع تو ہوتا ہے مگر اس کے کچھ شرائط ہیں منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ نفع کا مدار نیت پر ہے حتیٰ کہ شعائرِ اسلام تک تو بدوں نیت کے ہوتے ہی نہیں اور تو کیا کام ہو گا۔ دیکھئے نماز بدوں نیت کے نہیں ہو سکتی روزہ بدوں نیت کے نہیں ہو سکتا۔ زکوۃ بدوں نیت کے ادا نہیں ہو سکتی ایمان جو سب کی جڑ ہے بدوں نیت کے نہیں ہو سکتا۔ غرض نیت اعظم شرائط میں سے ہے نفع کے لئے اس لئے ضرورت ہے کہ نیت نفع کی کرے پھر انشاء اللہ نفع ہو ہی گا۔

(۷۴) شاگردی کے حقوق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگردی کا علاقہ بیعت سے زیادہ ہے اس کے زیادہ حقوق ہیں اور عام طور سے مشہور یہ ہے کہ پیر کا حق استاد سے زیادہ ہے۔

(۷۵) متواضع اور متکبر میں فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا جو متواضع ہو اور اپنے متواضع ہونے پر اس کو نظر ہو وہ متواضع نہیں متکبر ہے۔

(۷۶) متعارف طرزِ مناظرہ بے سود ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں مناظرہ اس سے کرتا ہوں جو مناظرہ کرنا نہ چاہے بلکہ سمجھنا چاہے تو میں بھی اس وقت سمجھنا چاہتا ہوں۔ باقی یہ متعارف طرز مناظرہ کا یہ محض ضد اضدی نفسانفسی اور ردو کد ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میری ہیٹی نہ ہو وہ کہتا ہے میری سبکی نہ ہو۔

(۷۷) معاشرت کی تعلیم پر ضرورت عمل

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل معاشرت کو تو دین کی فہرست ہی سے نکال دیا اس کی کوئی اصل ہی نہیں سمجھتے حالانکہ آحادیث میں ابواب کے ابواب معاشرت کی تعلیم میں مدون ہیں بات یہ ہے کہ کوئی کہنے والا کان کھولنے والا ہی نہ تھا یہ تو مدتوں کے بعد حق تعالیٰ نے اصلاح اور تربیت کا باب کھولا ہے۔

(۷۸) طریقہ پر عمل کے لئے سلیقہ کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریقہ تو ہر چیز کا ہے مگر اس کے لئے سلیقہ ہونا چاہئے۔ اور ہوا کرتا ہے توجہ اور فکر سے اور لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے دیکھئے حدیث مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد دولت خانہ میں تشریف لا کر سلام تو اس لئے کرتے تھے کہ شاید لیٹنے والے جاگتے ہوں اور آواز ایسی پست ہوتی تھی کہ اگر سوتے ہوں تو جاگیں نہیں تکلیف نہ ہو تو حضور اس قدر تعب اٹھاتے تھے اسی طرح بولنے کا بھی ادب ہے۔ اسی طرح ہر چیز کا طریقہ ہے۔

(۷۹) ہر چہ گیرد علتی ملت شود کا مفہوم

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی شرح نقل فرمائی۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　کفر گیرد کاملے ملت شود

وہ شرح یہ ہے کہ منافق علتی ہے اس نے کلمہ توحید پڑھا مگر اس کا اثر یہ ہوا اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کامل تھے اور انہوں نے اکراہ کی حالت میں تلفظ با لکفر کیا اور اس پر آیت نازل ہوئی مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ الى عَذَابٌ عَظِيْمٌ جس سے مسئلہ اکراہ ایک

ملت یعنی قانون بن گیا۔

۲۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(۸۰) ساری جدوجہد کا حاصل

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ساری کوششوں اور جدوجہد سے حاصل یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ میں رسوخ کامل ہو جائے اور اخلاق رذیلہ کا امالہ ہو جائے ازالہ مقصود نہیں اس لئے کہ رذائل اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں جیسے مثلاً بخل ہے بغض ہے شہوت ہے۔ عداوت وغیرہ وغیرہ اپنی ذات کے اعتبار سے سب محمود ہیں لیکن حدود سے گذر کر جب غیر محل میں ان کا استعمال ہوتا ہے اس وقت مذموم ہو جاتے ہیں۔

(۸۱) امراض باطنہ کی تشخیص و تدبیر شیخ کا کام ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کے متعلق جو کام ہیں وہ یہ تھوڑا ہی ہیں کہ کتاب پڑھا دی یا حقیقت بیان کر دی۔ یہ کام تو استاد کا ہے۔ امراض باطنہ رذیلہ کی تشخیص کرنا اس کی تدبیر کا تجویز کرنا یہ کام شیخ کا ہے۔ غرضکہ استاد سناتے ہیں سمجھاتے ہیں اور شیخ دکھلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ تمہاری منزل مقصود ہے اس لئے علوم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں جانا چاہئے اور جس طرح سات برس یا دس برس تعلیم ظاہری میں صرف کئے ہیں کم از کم ایک سال تو اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے نکال لئے جاویں مگر اس کی طرف مطلقاً" کسی کو توجہ نہیں۔ اور یہ شرط ساتھ ساتھ لازم ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل ایسا بن جائے جس کو فرماتے ہیں۔

در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجان
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(۸۲) خاموش بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ اجازت ہے خوشی سے تشریف لائیے۔ مگر فیض کے متعلق یہ ہے کہ نہ میں وعدہ کرتا ہوں اور نہ نفی کرتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ یہ بھی

ممکن ہے کہ فیض ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو مجھے کیا خبر۔ باقی آنے والوں کے لئے رائے میری وہی ہے کہ یہاں پر زمانہ قیام میں مجلس کے اندر خاموش بیٹھے رہیں۔ مکاتبت۔ مخاطبت کچھ نہ کریں انشاء اللہ اس سے غالب نفع کی امید ہے۔

۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۸۳) شیطان خاصان حق سے خود ڈرتا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیطان کا کید تو اس درجہ کا نہیں جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا اہل اللہ خاصان حق سے تو خود ہی یہ ڈرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہزار عابد سے ایک فقیہ شیطان پر گراں اور بھاری ہے وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے کید اور مکر سے خود بھی واقف ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک روز شیطان نے دھوکا دینا چاہا ایک روشنی آپ کو نظر آئی آپ نے لاحول پڑھی وہ روشنی گم ہوگئی اور یہ کہتا ہوا شیطان بھاگا کہ جا عبدالقادر تجھ کو تیرے علم نے بچالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جا مردود یہ دوسرا دھوکا ہے کہ علم نے بچالیا۔ علم بے چارا کیا چیز ہے جو بچالے۔ اللہ نے بچالیا۔

(۸۴) مسئلہ قضاوقدر محل خوض نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ مسئلہ قضاو قدر محل خوض نہیں۔ پس مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ انسان افعال میں مختار ہے۔ اختیار میں مجبور ہے۔ ایک معترض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے فرمایا کہ زمین سے ایک پیر اٹھاؤ۔ اٹھالیا فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھاؤ نہیں اٹھا سکا فرمایا کہ بس یہ اختیار ہے اور یہ جبر ہے۔

(۸۵) ادراک با لکنہ محال ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سر قدر وہ چیز ہے کہ جنت میں بھی معلوم نہ ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ذات وصفات سے ہے اور اس کا ادراک با لکنہ محال ہے

البتہ فرق یہ ہو گا کہ یہاں بعض کو خلجان ہے اور وہاں اطمینان ہو گا اور جس کو یہاں ہی اطمینان میسر ہو جائے وہ گویا جنت ہی میں ہے یہ کلام تو کنہ میں ہے باقی اجمالی علم کے لئے اور بہت سی تمثیلات ہیں مثلاً" آنکھ کھولنے پر جو کہ اختیاری ہے کیا نہ دیکھنے پر قدرت ہے عرض کیا گیا کہ نہیں فرمایا بس اس کو مجبوری کہتے ہیں تو جبرو اختیار جمع ہو گئے غرض اس علم اجمالی سے ہمارے پاس مسکت جواب تو ہیں مگر کنہ معلوم نہ ہونے سے مسقط نہیں۔

(۸۶) تمنا اور ارادہ میں فرق

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ کا خوف بندہ کے لئے زیادہ انفع ہے یا محبت فرمایا کہ اس کا کوئی حکم کلی نہیں کسی کے لئے محبت انفع ہے اور کسی کے لئے خوف۔ کسی کے لئے شوق ہر شخص کا خدا تعالیٰ سے جدا معاملہ ہے باقی اکثر کے لئے جو چیز زیادہ نافع ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ اس کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں یعنی اپنی محبوبیت کا مراقبہ۔ یہ تو نفعیت میں کلام ہے باقی کچھ کچھ سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے کوئی ایک چیز کافی نہیں جیسے کھانا پکانے کے لئے آگ کی بھی ضرورت ہے۔ پانی کی بھی ضرورت ہے ایسے ہی محبت اور خوف دونوں کی ضرورت ہے غلبہ میں تفصیل ہے اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ سے تو ہر ایمان والا تعلق رکھنا چاہتا ہے تو محبت عام ہوئی۔ فرمایا کہ چاہنے کے دو ترجمہ ہیں ایک تمنا اور ایک ارادہ اگر محض تمنا ہے تو اس کے معنی تو جی چاہنے کے ہوئے اور مطلق جی چاہنا کام نہیں آسکتا اور ایک یہ کہ جی چاہنے پر اس مقصود کے اسباب کو شروع کر دیا اس کو ارادہ کہتے ہیں۔ کام بنانے والی چیز یہ ہے اور محبت مطلوبہ یہی ہے اور آج کل اکثر میں محض تمنا ہی تمنا ہے اور طریق میں یہ محبت مطلوبہ نہیں۔ بعضے بدبخت اس تمنا سے بھی محروم ہیں ان سے تمنا ہی والے محبت سے قریب ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت چاہنے کے حضرت والا نے دو ترجمہ فرمائے ایک تمنا اور ایک ارادہ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا ارادہ سے چلتا ہے تو ارادہ کس طرح کرے۔ فرمایا کہ ارادہ فعل اختیاری ہے جیسے اس کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کر کے دیکھئے اور کیجئے عرض کیا کہ ارادہ کے سہل ہونے کی کیا صورت ہے۔ فرمایا کہ یہ مراقبات سے سہل ہو جاتا ہے۔ عرض کیا کہ کس چیز کا مراقبہ۔ فرمایا کہ مختلف طبائع کے

لئے مختلف مراقبات ہیں۔ بعض کو حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بعض کو اس کا مراقبہ کہ ہم نیک کام کریں گے تو وہ خوش ہوں گے۔ بعض کو رحمت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اب اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کے سرپر ہو جو اس کی حالت کے مطابق اس کو تعلیم کرے بدوں کسی کے سرپر ہوئے محض اپنی رائے سے تجویز کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یار باید راہ راتنہا مرو　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

اسی سلسلہ میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محض مطلق تعلق بدوں عمل کیا کام دے سکتا ہے اس تعلق کی بالکل ایسی مثال ہو گی کہ نکاح تو کرلے اور اولاد کی تمنا بھی ہو لیکن مباشرت کا نام نہ لے تو اولاد ہو چکی۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جاوے۔

۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۸۷) علاج کے لئے حسب ضرورت وقت ہر چیز کی ہے

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ علاج کے لئے حسب اقتضائے وقت ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپریشن کی بھی مرہم کی بھی۔ دبا دبا کر مادہ نکالنے کی بھی۔ انگلیاں ڈال کر اندر سے مادہ نکالنے کی بھی۔ نرے مرہم پٹی سے کیا ہوتا ہے مگر اس وقت صرف مرہم ہی کو کافی سمجھ کر آپریشن سے گھبراتے ہیں اور اکثر منشا غلطیوں کا یہی ہے۔

(۸۸) مخلوق کی ہر محبت مذموم نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مخلوق کی ہر محبت مذموم تھوڑا ہی ہے مثلاً" بھوک ہوتی ہے تو کیا کھانے سے محبت نہیں ہوتی پیاس ہوتی ہے تو کیا پانی سے محبت نہیں ہوتی تو کیا یہ مذموم ہے تو زہد یہ نہیں کہ ان چیزوں کی رغبت نہ ہو بلکہ باوجود رغبت کے پھر حد سے نہ نکلے یہی مجاہدہ ہے جس پر اجر ہے غرض زہد وہ ہے جس میں جہد ہو ورنہ دیوار ہے جو مستحق اجر نہیں دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اموال مغنومہ دیکھ کر یہ آیت پڑھی زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الخ اور عرض کیا کہ اے اللہ آپ نے ان چیزوں کی رغبت پیدا کی ہے ہم اس کا ازالہ نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی رغبت اور

محبت آپ کی محبت کا سبب ہو جاوے اس میں حضرت عمرؓ نے زین کا فاعل حق تعالیٰ کو قرار دیا اور دعا کی کہ ان چیزوں کو معین بنا دیجئے آخرت کا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است   کہ ازو حمام تقوے روشن است

شہوت و غضب جو انسان میں پایا جاتا ہے ان ہی کی وجہ سے تو تقوی انسان کے لئے باعث قرب اور سبب درجات بلند ہونے کا بنتا ہے۔ لوگ ان موانع کو اجر کے کم ہونے کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ اجر کا سبب انسان کے لئے یہی موانع ہیں کیونکہ ان ہی کی بدولت تو مجاہدہ کا تحقق ہوا جو روح ہے اجر کی۔ اسی طرح ایک غلطی اس کے جانب مقابل میں ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کے بعد اجر نہ ہو گا کیونکہ مجاہدہ تو نہ رہا جو روح تھی اجر کی۔ جواب یہ ہے کہ جو مجاہدہ اصلاح کے لئے کیا گیا تھا اس کا اثر حکماً" آخر تک باقی رہے گا جیسے مشی کے قبل قصد و ارادہ جو ہوتا ہے اس کا اثر ختم مشی تک ممتد ہوتا ہے گو ہر قدم پر جدید قصد نہیں ہو گا۔

(۸۹) جذب بڑی نعمت ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جذب کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے بدوں جذب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شیطان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ محض سالک تھا اس میں جذب نہ تھا اس ہی لئے گمراہ ہوا۔ جذب کی قدر کرنا چاہئے اور جو ذریعہ ہے جذب کے پیدا ہونے کا اس کی بھی قدر اور احترام کرنا چاہیے اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے ان کی صحبت کی برکت سے جذب حق پیدا ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل وصول جذب ہی سے ہوتا ہے اور ایسا واصل پھر راجع نہیں ہوتا۔ مولانا نے عجیب مثال لکھی ہے کہ جیسے بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا شیطان واصل ہی نہ تھا کیونکہ اس میں جذب نہ تھا اسی وجہ سے گمراہ ہوا۔

(۹۰) حزب البحر کی اجازت سے زیادہ نافع دعا ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ برکت کے لئے حزب البحر کی اجازت فرما دیجئے میں نے لکھ دیا ہے کہ اس اجازت سے زیادہ نافع دعا ہے تو دعا و برکت کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ بعضے لوگ لکھتے ہیں کہ حزب البحر کی اجازت دیدو۔ میں پوچھتا ہوں کہ حزب البحر

کیوں پڑھتے ہو کر لکھتے ہیں کہ قرب حق کے لئے میں لکھتا ہوں کہ جب حزب البحر نہ تھی اس وقت قرب حق کس چیز سے ہوتا تھا اس پر خفا ہوتے ہیں مقصود ان چیزوں کا انکار نہیں بلکہ غلو سے روکنا ہے۔

(۹۱) مسلمان دوزخ میں تطہیر کے لئے جائیں گے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمان بھی دوزخ میں جاویں گے لیکن مسلمانوں کا جانا اور وجہ سے ہے اور کفار کا جانا اور وجہ سے ہے۔ مسلمان دوزخ میں تہذیب یعنی تطہیر کے لئے جاویں گے اور کفار تعزیب کے لئے۔ خاتمہ۔ الحمدللہ آج شب جمعہ ۱۷ ربیع الاول کو ان ملفوظات ضبط کردہ حافظ صغیر احمد مرحوم پر نظر اصلاحی سے فراغ ہوا اور آج میری عمر سترہ دن کم اناسی سال کی ہوئی کیونکہ میری ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کی ہے۔ اے اللہ بقیہ عمر کو اپنی مرضیات میں صرف فرما اور عمر گذشتہ کی کوتاہیوں سے درگذر فرما لطیفہ۔ ان ملفوظات کا خاتمہ تبشیر و انذار پر اس کے مشابہ ہو جیسا آیات قرآنیہ کا خاتمہ تبشیر و انذار کی اس آیت پر ہوا وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ والحمدللہ اولا و آخرا و باطنا و ظاہرا وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد طیبا و طاہرا و علی آلہ وصحبہ ومن تبعہ الی یوم القیمۃ وسلم سلاما تتابعا متواترا۔ فقط اشرف علی تھانوی عفی عنہ۔

ملفوظات جمع کردہ جناب مولوی حافظ جلیل احمد صاحب علیگڑھی ملقب بہ القول الجلیل حصہ سوم

(۹۲) تکبر اور دعوی کا علاج

فرمایا یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں کے اکثر لوگ بیوقوف ہوتے ہیں اور بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ اکثر عاقل ہوتے ہیں مگر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس مقام کے لوگ بیوقوف ہیں وہاں تمول ہے یعنی وہ لوگ گو بیوقوف ہیں مگر خوب کھاتے پیتے ہیں۔ اور جن مقامات کے لوگ عاقل ہوتے ہیں وہاں اکثر افلاس دیکھا جاتا ہے کہ عاقل تو

ہیں مگر ہیں مفلس تو گو حقیقت میں فی نفسہ یہ افلاس عقل کا اثر نہیں مگر ایک عارض کی وجہ سے ایک صورت ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ اس صورت میں خود عقل سبب بن جائے نحوست اور افلاس کا وہ صورت یہ ہے کہ ممکن ہے ان عقلاء کے اندر ایک صورت دعوی کی پیدا ہو گئی ہو کہ وہ اپنے کو عقلمند دیکھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے ہوں۔ لہٰذا اس تکبر کی ان کو یہ سزا دی گئی ہو کہ ان کو مفلس کر دیا گیا اب رہی یہ بات کہ پھر اس مرض تکبر اور دعوی کا علاج کیا ہے اور وہ کیا تدبیر ہے کہ کمال کے حصول کے بعد بھی دعوی نہ پیدا ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بزرگوں کی یعنی (اولیاء اللہ کی ۱۲) جوتیاں سیدھی کی جائیں اور ان کی صحبت میں رہا جائے تو پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ کمال تو بڑھتا جاتا ہے مگر دعوی گھٹتا جاتا ہے۔ اور بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے دعوی کے فنا ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی صحبت کی برکت سے اس شخص کی نظر کمال کی حقیقت تک یعنی کمال کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو چونکہ اس کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے اس لئے بجائے اس کے کہ وہ دوسروں سے اپنی حالت کا موازنہ کرے۔ اصل حقیقت سے اپنی حالت کا موازنہ کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ حقیقت کے مقابلہ میں میری حالت بالکل ہی ہیچ ہے لہٰذا وہ اپنے آپ کو بجائے اس کے کہ کامل سمجھے ناقص اور ہیچ در ہیچ سمجھنے لگتا ہے مثلاً" ایسے شخص کی نظر عقل کی حقیقت پر ہوتی ہے تو وہ جب اس حقیقت سے اپنی عقل کا موازنہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ عقل کی جو حقیقت ہے اس کے مقابلہ میں میری عقل کچھ بھی نہیں اس لئے بجائے اس کے کہ وہ اپنی عقل کا مدعی ہو اپنی عقل کو ہیچ سمجھتا ہے اسی طرح اس شخص کی نظر علم کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ تو علم کی جو حقیقت ہے اس سے جب وہ اپنے علم کا موازنہ کرتا ہے تو وہ اپنے علم کو بے انتہا گھٹا ہوا پاتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے علم کا مدعی ہو اپنے علم کو کالعدم سمجھنے لگتا ہے اور گو حقیقت میں اس کو علم و فضل کا اعلی درجہ حاصل ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے فضل و کمال کے معتقد بھی ہوتے ہیں مگر اس شخص کی یہ حالت ہوتی ہے کہ یہ شخص اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود الحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ ظاہر ہے کہ کتنے بڑے شخص تھے کہ علماء و فضلاء تک ان کے کمال کے معتقد ہیں مگر باوجود اس کے وہ اپنے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے کہ ساری عمر کے پڑھنے پڑھانے سے علم تو حاصل نہیں ہوا مگر یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اپنے جہل یعنی لاعلمی کا علم ہو

گیا۔

(۹۳) قاتل کی سزا

ایک صاحب جن سے کچھ غلطی ہو گئی تھی اور خیال تھا کہ اگر ان کی اس غلطی پر ان کو کچھ تنبیہ نہ کی گئی تو ان کی اصلاح نہ ہو گی اور آئندہ پھر یہ ایسی بلکہ اس سے بڑی غلطی کریں گے ان کے متعلق حضرت والا نے مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ان کا خط آیا ہے اور انہوں نے یہاں میرے پاس آنے کی اجازت مانگی ہے تو میں نے اس اجازت کی درخواست کے جواب میں صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ تمہاری سزا تو یہی ہے کہ تم کو آنے کی اجازت نہ دی جاوے۔ پھر حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ گو میں نے ان کو یہ لکھا ہے کہ تمہاری سزا یہی ہے مگر اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ سزا ان کو دی بھی جائے گی اور ان کو حاضری سے منع کر دیا جاوے گا بلکہ مقصود اس لکھنے سے میرا یہ ہے کہ تمہارے جرم اصلی کی سزا تو یہی ہے گو یہ سزا تم کو دونگا نہیں۔ پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہاں سے قرآن شریف کی ایک آیت کا مطلب بھی سمجھ میں آگیا ہو گا وہ آیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا الآیۃ کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو عمداً" بلاوجہ قتل کر دے تو قاتل کی سزا یہ ہے کہ وہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے گا تو اس کا مطلب بعض لوگوں نے تو یہی سمجھا ہے جو ظاہرا" آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ لیکن محققین نے دوسرا مطلب لیا ہے یعنی اسی آیت میں جو حق تعالیٰ نے فجزاءہ' فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یعنی اس قاتل کی فی نفسہ تو سزا یہی تھی کہ قاتل ہمیشہ دوزخ میں رہے لیکن یہ سزا دی نہیں جائے گی بلکہ اس سے ہلکی سزا دی جاوے گی کہ ایک عرصہ دراز تک قاتل کو جہنم میں رکھا جاوے گا۔ جیسے کہ دوسری نصوص قطعیہ میں تصریح ہے البتہ بقول مشہور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے قائل ہیں کہ قاتل عمد کو خلود ہو گا لیکن ان سے تاویل یا رجوع بھی منقول ہے یہ بات طالب علموں کے سمجھنے کی ہے۔

(۹۴) نقصان کے وقت صبر و رضا کے دھیان کی ضرورت

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میری یہ حالت ہے کہ جب میرا کوئی دنیوی نقصان ہو جاتا ہے تو اس نقصان کی وجہ سے میرے دل میں ایک فکر سی

پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے قلق اور صدمہ ہوتا ہے کہ دنیا کے نقصان کی وجہ سے فکر کیوں ہوئی لہٰذا احقر کی اس حالت کا علاج فرمایا جاوے تاکہ احقر کے اندر سے یہ بات دفع ہو جائے۔ اور مجھ کو دنیا کے نقصان سے کچھ رنج نہ ہوا کرے۔ میں نے ان کو جواب لکھا ہے کہ دنیا کے نقصان سے جو فکر ہو جاتی ہے اس فکر کا دفع ہونا کمال نہیں بلکہ اس فکر کے باقی رہتے ہوئے صبر و رضا سے کام لینا کمال یہ ہے لہٰذا صرف اس کا خیال رکھو کہ کوئی بات صبر و رضاء کے خلاف نہ ہو۔ باقی اس کی فکر میں نہ پڑو کہ دنیوی نقصان سے رنج کیوں ہوتا ہے۔ اس کی مصلحت مذکور ہو چکی ہے۔

(۹۵) طبعی چیز میں انسان معذور ہوتا ہے

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا وہ لکھتے ہیں کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے اس کی موت کے صدمہ سے میرے قلب پر ایک قسم کی گرانی رہتی ہے تو میری یہ حالت رضا بالقضاء کے خلاف تو نہیں اگر رضا بالقضاء کے خلاف ہو تو براہ کرم اس کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے اس کا جواب لکھا ہے کہ تمہاری یہ حالت ہرگز رضا بالقضاء کے خلاف نہیں اب رہی یہ بات کہ پھر اس کی موت سے قلب پر یہ گرانی اور ثقل کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثقل ضبط سے پیدا ہوا ہے (یہ قرائن قویہ سے معلوم ہو گیا تھا) یعنی اس کی موت سے جو تم کو صدمہ پہنچا تم نے اس صدمہ کو ضبط کیا اظہار نہیں کیا اس وجہ سے یہ گرانی پیدا ہوئی جو کہ ایک امر طبعی ہے اور جو چیز طبعی ہوتی ہے اس میں انسان معذور ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر ان صاحب کا خط آیا کہ بفضلہ تعالیٰ میری سمجھ میں آگیا کہ واقعی یہ ثقل ضبط ہی سے پیدا ہوا تھا اور کوئی سبب اس ثقل کا نہ تھا اور بفضلہ تعالیٰ اب وہ ثقل نہیں رہا۔ پھر حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر کسی اور جگہ یہ صاحب اپنی اس گرانی کی اطلاع کرتے تو جو جواب میں نے دیا کسی جگہ سے یہ جواب نہ جاتا بلکہ ہر شخص ان کی اس حالت کو رضا بالقضاء کے خلاف سمجھ کر اس حالت کے دفعیہ کے لئے ان کے پاس وظیفوں کی ایک فہرست لکھ کر بھیج دیتا جس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوتا کہ یہ شخص مجموعۃ الاوراد بن جاتا اور یہ گرانی اس کی پھر بھی باقی رہتی اور یہ ساری خرابی اس طالب کی حالت کی حقیقت نہ سمجھنے سے ہوتی۔ میں بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ ایک صالح شخص ہیں انہوں نے جتنا رونا اور رنج کرنا جائز ہے اس سے بھی پرہیز کیا ہو گا اس

وجہ سے ان کے قلب پر یہ گرانی ہو گئی ہے جو نہ رضا بالقضاء کے خلاف ہے اور نہ مذموم ہے کیونکہ یہ ایک امر طبعی اور غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ رضا بالقضاء کے خلاف ہو نہیں سکتے کیونکہ جو امور رضا بالقضاء کے خلاف ہیں وہ منہی عنہ ہیں اور امر و نہی کا تعلق صرف امور اختیاریہ سے ہوتا ہے نہ کہ غیر اختیاریہ سے۔

(۹۶) ایصال ثواب اور اس کا طریق

فرمایا ایک بار فلاں خان صاحب نے جو شاہجہانپور کے رہنے والے اور علیگڈھ کالج کے پرنسپل کے میر منشی تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ صاحب فاتحہ دلانا کیسا ہے اور وہ فاتحہ بہت دلایا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ ہے کہ جب کسی کو کچھ ثواب بخشنا ہوتا ہے تو اول کھانا پکواتے ہیں جب کھانا پک چکتا ہے تو اول اس میں سے تھوڑا سا کھانا الگ نکال کر جو شخص فاتحہ دیتا ہے اس شخص کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے تب وہ شخص فاتحہ دیتا ہے اس کے بعد اس تمام پکے ہوئے کھانے کو تقسیم کر دیا جاتا ہے تو اس طریقہ سے ہم لوگ فاتحہ دلاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے۔ اور وہ خان صاحب انگریزی پڑھے ہوئے تھے کوڑ مغز بھی نہ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بجائے اس کے کہ میں آپ کو اس کا حکم بتلاؤں اس کے متعلق آپ سے چند امور بطور مقدمات کے بیان کرتا ہوں جن کو سن کر آپ خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ ایسی فاتحہ کا کیا حکم ہے میں نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ جو فاتحہ دلاتے ہیں تو اس سے آپ کا مقصود ایصال ثواب ہے۔ کہنے لگے کہ جی ہاں۔ تو میں نے کہا کہ اول تو آپ یہ بتلایئے کہ ایصال ثواب کی حقیقت کیا ہے۔ کہنے لگے کہ ایصال ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ ایک نیک کام ہم نے کیا اس کا ثواب جو کچھ ہم کو ہوا اس کے متعلق حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کہ یہ ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیا جاوے میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور آپ نے جو ایصال ثواب کی حقیقت بیان کی اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی عمل کا ثواب اس عمل کے کرنے کے بعد پہنچایا جا سکتا ہے اس سے پہلے نہیں پہنچایا جا سکتا کیونکہ ثواب تو عمل کا ہوا ہے اور عمل سے قبل تو ثواب کا وجود ہی نہ تھا تو جب تک خود ہی کو ابھی ثواب نہ ملا تھا تو دوسرے کو کیا پہنچایا جا سکتا ہے کہنے لگے کہ جی ہاں درست ہے۔ میں نے کہا کہ اب یہ بتلایئے کہ یہ جو آپ نے اول کھانا پکایا اس کے بعد اس کو سامنے رکھ کر فاتحہ دی اور ثواب پہنچایا تو کس چیز کا اور کس عمل کا ثواب

پہنچایا کیونکہ کھانا تو کوئی عمل ہے نہیں جو اس کا ثواب آپ پہنچاتے۔ اصل عمل تو کھانا فقراء کو تقسیم کرنا ہے کہ اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے اور وہ ابھی تک ہوا نہیں بلکہ وہ کھانا ابھی تک آپ ہی کے یہاں جوں کا توں دیگ میں رکھا ہوا ہے تو جس عمل کے کرنے سے آپ کو ثواب ملتا وہ تو ابھی تک ہوا ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ ابھی تک خود آپ کو ہی ثواب نہیں ملا جب آپ کو ثواب نہیں ملا تو میت کو کیا پہنچا کیونکہ ثواب اول آپ کو ملتا تب اس کے بعد وہ ثواب آپ کی درخواست سے میت کو پہنچا دیا جاتا اسی کو ایصال ثواب کہتے ہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ گو اس وقت تک فقراء کو کھانا تقسیم نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد تو کر دیا گیا تو اس وقت تو ثواب ملا ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک جب وہ کھانا آپ نے فقراء کو تقسیم کر دیا تو اس وقت آپ کو ثواب مل گیا مگر اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ آپ کو ثواب مل گیا کیونکہ ایک نیک کام جو آپ نے کیا اس کا ثواب آپ کو ملنا چاہئے تھا تو مل گیا مگر اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ اس میت کو بھی ثواب پہنچ گیا کیونکہ جس وقت آپ نے وہ عمل کیا ہے یعنی کھانا فقراء کو تقسیم کیا ہے تو اس وقت آپ نے ثواب کا ایصال کہاں کیا۔ حاصل یہ کہ جب ایصال کیا تھا ثواب کا اس وقت تو ثواب کا وجود نہ تھا اور جب وجود ہوا ثواب کا تو آپ نے اس کا ایصال نہیں کیا۔ اور اگر کہا جاوے کہ کھانا تقسیم کرتے وقت گو ہم نے زبان سے ایصال ثواب نہیں کیا مگر دل میں تو ہمارے یہی نیت تھی کہ یہ کھانا ایصال ثواب کے لئے تقسیم کر رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایصال ثواب کے لئے اگر صرف دل میں نیت کر لینا کافی تھا تو اول بار یعنی کھانا تقسیم کرنے سے پہلے جب آپ نے ایصال ثواب کیا تھا تو اس وقت بھی دل میں نیت کر لینا کیوں نہ کافی سمجھا گیا تھا بلکہ اس کو ضروری قرار دیا گیا تھا کہ ہاتھ بھی اٹھائے جاویں اور سورہ فاتحہ بھی پڑھی جاوے اور پھر زبان سے ایصال ثواب کے الفاظ بھی ادا کئے جاویں ورنہ بغیر اس کے فاتحہ ہی نہ ہو گی۔ جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا عقیدہ ہے اور اگر اس وقت یعنی قبل تقسیم ایصال ثواب کی یہ خاص ہیئت ضروری تھی اور نیت کافی نہ تھی تو اب اس وقت یعنی بعد تقسیم کس دلیل سے اس کو غیر ضروری قرار دے لیا گیا۔ اب اس کے بعد اور سنئے یہ جو آپ دیگ میں سے تھوڑا سا کھانا نکال کر اپنے سامنے رکھ کر ثواب بخشتے ہیں تو اس کی کیا وجہ کیا حق تعالیٰ کو دکھلاتے ہیں کہ ملاحظہ فرمالیجئے یہ کھانا ہے جس کا ثواب ہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ جیسے ایک شخص جب جماعت کے

ساتھ نماز پڑھتا تھا تو نیت باندھنے کے وقت جب زبان سے کہتا تھا کہ پیچھے اس امام کے تو انگلی سے امام کی طرف اشارہ بھی کرتا تھا اور صرف اسی اشارہ پر بس نہ کرتا تھا بلکہ اشارہ کے وقت امام کو انگلی سے چھوتا بھی تھا کہ پیچھے اس امام کے۔ تب اس کا اطمینان ہوتا تھا اس کے بعد وہ تکبیر تحریمہ کہتا تھا۔ اور اگر کسی جاہل کا یہ عقیدہ ہو کہ ایصال ثواب کھانا سامنے رکھنے پر ہی موقوف ہے بغیر کھانا سامنے رکھے ثواب نہیں پہنچ سکتا تو میں اس سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا تو مقتضاء یہ تھا کہ کل دیگ سامنے رکھ کر ایصال ثواب کیا جاتا کیونکہ ثواب تو کل کھانے کا پہنچانا مقصود ہے اور ثواب پہنچنا اس کے نزدیک اس پر موقوف ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کیا جاوے تو کل دیگ کو سامنے رکھنا چاہئے تھا تاکہ کل کھانے کا ثواب پہنچتا اس کی کیا وجہ کہ تھوڑا سا کھانا تو سامنے رکھ لیا اور باقی اسی دیگ میں چھوڑ دیا کیونکہ اس صورت میں تو صرف اتنے ہی کھانے کا ثواب پہنچا جو فاتحہ دینے والے کے سامنے رکھا تھا اور باقی کھانا جو دیگ میں الگ رکھا ہوا ہے اس کا ثواب کہاں پہنچا اور اگر تمہارے نزدیک دیگ کے کھانے کا ثواب بغیر سامنے رکھے پہنچ گیا تو پھر اتنے ہی کھانے کو سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی کیا حق تعالیٰ کو نمونہ دکھلایا جاتا ہے کہ دیکھئے حضور ملاحظہ فرمایئے اس قسم کا وہ ہے کھانا جس کا ہم ثواب پہنچانا چاہتے ہیں۔ میری یہ تقریر سن کر ان خان صاحب نے ایک قہقہہ مارا اور کہا کہ واقعی نہایت بیہودہ حرکت ہے ہم تو اب ایسا کریں گے نہیں میں نے کہا کہ اس میں شک ہی کیا ہے۔

(۹۷) وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ کا مفہوم

ایک مشہور فاضل نے حضرت والا سے دریافت فرمایا کہ بعض لوگ اسی دعوی کی دلیل میں کہ یہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ تو کیا اس آیت سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں اس آیت کی اس امر پر کچھ بھی دلالت نہیں اس آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان ستاروں سے آسمان کو مزین کیا گیا ہے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ اجرام آسمان میں جڑے ہوئے ہیں کیونکہ کسی چیز کو اگر ہم کسی چیز سے مزین کریں تو یہ تھوڑا ہی ضروری

ہے کہ جس چیز سے مزین کریں اس کو اس میں جڑ بھی دیں بلکہ تزئین بغیر جڑے بھی حاصل ہو سکتی ہے جیسے کہ چھت کو قندیلوں سے مزین کیا کرتے ہیں سو اس تزئین کے لئے قندیلوں کو چھت کے اندر جڑا کب جاتا ہے بلکہ قندیلیں چھت سے بہت نیچے ہوتی ہیں اسی طرح ان اجرام سے گو آسمان کو مزین کیا گیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اجرام آسمان میں جڑے بھی ہوئے ہوں۔ لہٰذا اس آیت سے اس دعوی پر کہ تارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں استدلال کرنا بالکل غلط ہے اور مدت کے بعد ان ہی فاضل نے سورہ نوح کی آیت وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا" کے ظاہر سے قمر کے مرکوز فی السماء ہونے پر استدلال کیا لیکن اس کا جواب خود آیت میں ہے کیونکہ فیھن کی ضمیر سموات کی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ متعدد سموات میں مرکوز کے کوئی معنے نہیں۔ پس آیت مأول ہوگی اور تاویل جیسے فی مجموعھن سے محتمل ہے اسی طرح فی قربھن فی جھتھن سے محتمل ہے۔ اسی طرح ظرفیت باعتبار نور کے ہونا اور باعتبار جمع کے نہ ہونا ممکن ہے تو ان احتمالات کے ہوتے ہوئے رکز پر استدلال نہیں ہو سکتا جیسے اس کے خلاف پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں (یہ اضافی نظر ثانی کے وقت کیا گیا)

(۹۸) قوت خیالیہ کے کرشمے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے ذریعہ سے جب چاہیں مردہ کی روح کو بلا سکتے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے۔ فرمایا کہ بالکل غلط ہے۔ جس زمانہ میں میں کانپور میں تھا اس زمانہ میں طلسماتی انگوٹھیوں کا بہت چرچا ہو رہا تھا۔ میں نے ایک ایسے شخص سے جو ہر قسم کے جلسوں میں آتے جاتے تھے کہا کہ تم ان واقعات کی تحقیق کر کے مجھ سے بیان کرو۔ چنانچہ بعد تحقیق کے وہ آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ صاحب طلسماتی انگوٹھی سے بھی زیادہ عجیب بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے جس مردہ کی روح کو چاہیں بلا سکتے ہیں۔ مجھ کو سن کر بہت بڑی حیرت ہوئی اور خود دیکھنا چاہا۔ اس شخص نے کہا میں ان آدمیوں کو جو اس عمل کو کرتے ہیں بلا کر لاؤں گا اور آپ کے سامنے یہ عمل کراؤں گا۔ چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے یہ تین شخص تھے مگر ہم نے مدرسہ میں تو یہ شغل مناسب نہ سمجھا اس لئے ایک دوسری جگہ اس کام کے لئے تجویز کی اس مکان

میں صرف چھ شخص تھے تین تو وہ عامل اور ایک میں اور میرے ساتھ ایک مدرسہ کے مہتمم اور ایک مدرس عصر کے بعد یہ اجتماع ہوا۔ ان عاملوں نے ایک میز پر اس طرح وہ عمل کیا کہ دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر میز پر رکھا اور ادھر متوجہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خود بخود میز کا پایہ اٹھا انہوں نے کہا کہ لیجئے اب روح آگئی انہوں نے کہا کہ تمہارا کیا نام ہے معلوم ہوا کہ تجمل حسین۔ کوئی آواز نہ تھی کچھ اصطلاحیں مقرر تھی ان سے سوالات کے جوابات معلوم کرتے تھے اب لوگوں نے ایک مبتدع شخص کے لڑکے کی روح کو بلوایا اور اسی تجمل حسین کی روح کو مخاطب کر کے کہا کہ جاؤ اس شخص کی روح کو بلالاؤ اور جب جانے لگو تو فلاں پایہ کو اٹھا جانا اور جب تم اس کو لے کر آؤ تو اپنے آنے کی اطلاع اس طرح کرنا کہ اس پایہ کو پھر اٹھا دینا۔ چنانچہ فوراً پایہ اٹھا معلوم ہوا کہ روح کو لینے گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پایہ اٹھا معلوم ہوا کہ جس روح کو بلایا تھا وہ بھی آگئی۔ اب ایسی ہی اصطلاحوں میں اس لڑکے کی روح سے سوالات کرنا شروع کئے اور اس کی طرف سے ایسی ہی اصطلاحوں میں جوابات دیئے گئے۔ اب ہم ناواقف لوگ بڑی حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ اب آپ جس شخص کی روح کو بلوانا چاہیں تو ہم سے فرمائیں ہم اس شخص کی روح کو بلا دیں گے۔ چنانچہ میں نے حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کی روح کو بلوایا۔ وہی تجمل حسین سب روحوں کو بلا بلا کر لاتا تھا چنانچہ اسی طرح پایا پھر اٹھا معلوم ہوا کہ حضرت حافظ بھی تشریف لے آئے۔ میں نے کہا السلام علیکم اصطلاح میں جواب ملا وعلیکم السلام پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ کلام پڑھئے ان کی روح خوش ہوگی چنانچہ میں نے ان کی غزل الا یاایھا الساقی الخ پڑھی تو میز کا پایا بار بار اور جلدی جلدی اٹھنے لگا اس سے یہ سمجھا جانے لگا کہ گویا حافظ صاحب کی روح اپنا کلام سن کر خوش ہو رہی ہے اور وجد میں آ رہی ہے ہم لوگ بڑے تعجب میں تھے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا نماز پڑھنے کے لئے اٹھے ہم تینوں نے آپس میں گفتگو کی کہ یہ کیا بات ہے اخیر میں یہ رائے قرار پائی کہ یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے معلوم ہیں۔ اب اس کا یہ امتحان کرنا چاہیے کہ جب وہ لوگ عمل کرنے لگیں تو ہم تینوں یہ خیال کر کے بیٹھ جاویں کہ پایہ نہ اٹھے مہتمم صاحب بولے کہ وہ لوگ مشاق ہیں ہم لوگوں کی کوشش ان کے مقابلہ میں کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم ابھی سے ہمت نہ ہارو نہیں

تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا یہی سمجھنا چاہیے کہ ان کے خیال پر ہمارا خیال ضرور غالب آئے گا امتحان تو کرنا چاہیے چنانچہ ہم لوگ یہ مشورہ کر کے پھر بعد مغرب پہنچے اور ان لوگوں سے کہا کہ اس وقت پھر اپنا عمل دکھلاؤ انہوں نے پھر عمل کرنا شروع کیا ادھر ہم تینوں یہ خیال جما کر بیٹھ گئے کہ پایہ نہ اٹھے چنانچہ ان لوگوں نے بہت کوشش اور بہت زور لگایا کہ پایہ اٹھے مگر کچھ نہ ہو سکا وہ بڑے شرمندہ ہوئے اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ سب قوت خیالیہ کے کرشمے ہیں پھر اگلے روز ہم نے خود تجربہ کیا اور اسی طرح ہاتھ رگڑ کر میز پر رکھے اور ہم تینوں یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ فلاں پایہ اٹھے چنانچہ وہی پایہ اٹھا۔ پھر یہ سوچا کہ اب کی مرتبہ فلاں فلاں دو پائے اٹھیں چنانچہ وہ دونوں اٹھے پھر تیسرے پائے کا خیال کیا تو وہ بھی اٹھنے لگا لیکن ان دونوں میں سے جو پیشتر کے اٹھے ہوئے تھے ایک پایہ نیچے گر گیا۔ تینوں ایک ساتھ نہ اٹھ سکے اس کے لئے زیادہ قوت کی ضرورت تھی پھر ہم نے میز پر بجائے ہاتھ کے صرف ایک انگلی رکھ کر اسی طرح پائے اٹھائے پھر اس میز کے اوپر دوسری میز رکھی اور اس پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچ کر کھڑے ہو گئے کہ اوپر والی میز کا فلاں پایہ اور نیچے والی میز کا فلاں پایہ اٹھ جائے چنانچہ اسی طرح اٹھ گئے۔ غرض جس طرح چاہا اسی طرح پائے اٹھ اٹھ گئے۔ اب ہمیں پوری طرح اطمینان ہو گیا۔ پھر ہم نے اسی قاعدہ کے موافق میز کو یہ خطاب کیا کہ اگر تجھ میں کوئی روح آتی ہے تو ایک بار فلاں پایہ اٹھے اور اگر نہیں آتی تو دوبار اٹھے چنانچہ دوبار اٹھا۔ تو خود انہی کے قاعدہ سے روح کے آنے کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔ اصل بات یہی ہے کہ یہ سب تصرفات خیال کے ہیں۔ اور ہاتھ رگڑنے کی یہ مصلحت ہے کہ رگڑ سے قوت برقیہ منتعش و مشتعل ہوتی ہے اور وہ معین ہو جاتی ہے۔ ہاتھ یا انگلی اس لئے رکھی جاتی ہے کہ اس سے خیال کو بہت مدد ملتی ہے۔ اگر زیادہ مشق بڑھائی جاوے تو پھر ہاتھ یا انگلی رکھنے کی بھی ضرورت نہ رہے محض خیال کرنے سے پایا اٹھ سکتا ہے پھر تو یہ ہوا کہ ہم نے سب طالب علموں سے یہ عمل کرایا اب جو شخص ہاتھ رکھ کر بیٹھتا ہے اسی کے ہاتھ سے پایا اٹھ جاتا ہے۔ ساری حقیقت کھل گئی۔ ان سارے واقعات کے بعد اتفاق سے مدرسہ کا جلسہ فراغ تھا جس میں ظاہر تھا کہ معمول سے زیادہ آدمی آنے والے تھے مگر مقدار زیادتی کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا ہم نے کہا کہ لاؤ اس عمل سے یہ معلوم کریں کہ آج جامع مسجد میں جس میں جلسہ تھا کتنی صفیں ہونگی چنانچہ یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ جتنی

صفیں ہوں اتنی ہی بار پایہ اٹھ جائے۔ پایہ گیارہ بار قوت سے اٹھا اور بارہویں مرتبہ ہلکا سا اٹھا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ بارہویں مرتبہ تھوڑا اٹھ کر رہ گیا پھر خود ہی احتمال ہوا کہ شاید اس کا مطلب ہو کہ گیارہ صفیں تو پوری ہونگی اور بارہویں صف پوری نہ ہوگی۔ نماز ختم ہوتے ہی دعا مانگنے سے بھی پہلے میں نے اٹھ کر صفیں گنیں تو واقعی گیارہ صفیں پوری تھیں اور بارہویں صف پوری بھری ہوئی نہ تھی اس واقعہ سے بڑی حیرت ہوئی کہ اس صحیح جواب کی کیا بناء تھی دوسرا عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک قلمدان میں بہت سے قلم جن کی گنتی معلوم نہ تھی اور ایک پرکار رکھا ہوا تھا اس کی تعداد معلوم کرنے کے لئے عمل کیا تو اکیس مرتبہ پایہ اٹھا۔ گنے تو معلوم ہوا کہ انیس تو قلم تھے اور ایک پرکار تھا کل بیس عدد تھی۔ تعجب ہوا کہ ایک مرتبہ زیادہ اٹھا۔ سمجھ میں آیا کہ پرکار میں دو پھل ہوتے ہیں اس لئے ایک کے بجائے دو بار اٹھا۔ پھر فرمایا کہ صفوں کے اور قلمدان کے دو واقعے عجیب ہیں باقی سب واہیات مگر اس میں تھوڑے فلسفہ جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جیسے یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر کسی چیز کا علم حاصل ہو جائے تو اس علم کا علم بھی ہو جاوے بعض مرتبہ ایک چیز کا علم حاصل ہو جاتا ہے اس طرح کہ وہ چیز خزانہ خیال میں آجاتی ہے مگر آدمی کو اس چیز کا احساس نہیں ہوتا یعنی اس چیز کے علم کا علم نہیں ہوتا حالانکہ اس چیز کو قاعدہ کی روح سے معلومات میں داخل کیا جائے گا کیونکہ خزانہ خیال میں موجود ہے چنانچہ بعض مرتبہ انسان آئندہ ہونے والے بعض واقعات کے متعلق سوچتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک بات آجاتی ہے اور پھر بعد کو ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اس کے دماغ میں پہلے آچکا تھا کہ یوں ہوگا تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ چیز خزانہ خیال میں آچکی ہوتی ہے مگر اس کے خزانہ خیال میں آجانے کا اس کو ادراک اور اس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور یہ بھی کشف کی ایک قسم ہے کہ اصل علم ہو اور علم العلم نہ ہو۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسری بات یہ سمجھنا چاہیے کہ جب خزانہ خیال میں کوئی چیز آجاتی ہے تو اس کے آجانے کا اگرچہ علم نہ ہو مگر اس کا اثر بھی عامل کی متخیلہ کے ذریعہ سے معمول پر بعض مرتبہ ایسا ہی پڑتا ہے جیسا اس صورت میں ہوتا کہ جب عامل کو اس چیز کا ادراک یعنی علم العلم حاصل ہو جاتا بہرحال یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے ہیں اس میں کسی روح کا دخل نہیں ... عرض کرتا ہوں کہ ایک بار ایک

صاحب کا خط آیا جن کا دعوی تھا کہ مجھ کو ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اور سوالات کا جواب ارواح سے معلوم کرلیتا ہوں تو انہوں نے لکھا تھا کہ بعض مرتبہ کسی امر میں تردد ہوتا ہے اور اس کا جواب میں اسی عمل کے ذریعہ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو اس کا جواب کچھ نہیں معلوم ہوتا نہ نفی میں نہ اثبات میں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی دلیل ہے اس کی کہ اس عمل کے ذریعہ سے جو جواب معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں کوئی روح آکر جواب دیتی ہے بلکہ یہ سب اس عامل کی قوت متخیلہ کا اثر ہوتا ہے اس لئے جس بات میں تردد ہوتا ہے تو ایک خیال دوسرے کی تاثیر کو مانع ہو جاتا ہے اور اس وقت دونوں خیالوں میں سے کسی کا اثر بھی خارج میں نہیں پڑتا اس لئے جواب بھی کچھ نہیں آتا اور اگر وہ جواب روح کا ہوتا تو اس جواب پر اس عامل کے تردد کا کوئی اثر نہ پڑتا کیونکہ روح کے علم میں اس کے تردد کا کیا دخل بلکہ عین تردد کی حالت میں بھی اسی طرح جواب مل جاتا جیسے عدم تردد کی حالت میں ملتا۔ پھر فرمایا کہ یہی حال طلسماتی انگوٹھیوں کا بھی ہے کہ اس کے متعلق جو دعوی کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر چور کا پتہ چل جاتا ہے بالکل غلط ہے بلکہ یہ سب اسی قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے جو ہوتے ہیں انہی کی قوت خیالیہ کا اثر اس انگوٹھی کے دیکھنے والے پر پڑتا ہے چنانچہ ان پاس والوں کو جس شخص پر شبہ ہوتا ہے اس کی صورت اس انگوٹھی میں دیکھنے والے کو نظر آجاتی ہے پس سمجھ لیا جاتا ہے کہ انگوٹھی میں کوئی اثر یا قوت ہے جس سے چور کا پتہ لگ گیا حالانکہ وہ سب ان پاس بیٹھنے والوں کے متخیلہ کا عکس ہوتا ہے۔ ایک شخص کے متخیلہ کا دوسرے پر عکس پڑنے کی اگرچہ اس کا قصد بھی نہ ہو۔ ایسی مثال ہے کہ جیسے اگر کوئی شخص آئینہ کے پاس کھڑا ہو تو اس کی صورت کا عکس آئینہ پر پڑے گا اگرچہ اس شخص کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ میری صورت کا عکس آئینہ پر پڑ رہا ہے پس اسی طرح جب ایک ذہن کی محاذاۃ دوسرے ذہن سے ہوتی ہے تو ایک کا عکس دوسرے پر خود بخود پڑتا ہے کیونکہ جیسے آئینہ میں خاصیت ہے انعکاس کی اسی طرح حق تعالی نے اذہان کے اندر بھی خاصیت رکھی ہے انعکاس اور انطباع کی اور اسی خیال کی تقویت کے لئے اس انگوٹھی میں دیکھنے والا ایسا تجویز کیا جاتا ہے جو بچہ ہو کیونکہ بچہ کا متخیلہ مختلف خیالات سے خالی ہونے کے سبب اور سادگی کے سبب زیادہ اثر قبول کرتا ہے بہ نسبت کسی بڑے شخص کے جس کے ذہن میں سذاجت کم ہو اور یہی حکمت ہے اس میں کہ

اس انگوٹھی کا نگین علاوۃ" سیاہ رنگ کا رکھا جاتا ہے کیونکہ سیاہ رنگ کے اندر خاصیت ہے نظر کی شعاعوں کے مجتمع کرنے کی اور یہ اجتماع معین ہوتا ہے خیال کی یکسوئی میں اور یکسوئی کی حالت میں ذہن زیادہ کام کرتا ہے بخلاف سفید رنگ کے کہ اس سے شعاعوں کو انتشار ہوتا ہے جس کی وجہ سے معمول کا متخیلہ منتشر ہو کر پورے طور پر کام نہیں کرتا پھر فرمایا کہ توجہ متعارف اور تصرفات جن کو لوگ آج کل بزرگی میں داخل سمجھتے ہیں ان کا منشاء بھی یہی قوت خیالیہ ہے کہ شیخ کی قوت خیالیہ مرید کے اندر موثر ہوتی ہے اور چونکہ ان امور کا منشا قوت خیالیہ ہے نہ کہ قرب و قبول عند اللہ یعنی اس کام کو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کے خیال میں ایک گونہ قوت ہو خواہ وہ قوت اس نے مشق سے پیدا کی ہو یا اس کے اندر فطری ہو اس لئے ایسے امور کو ہمارے بزرگوں نے کبھی کمال نہیں سمجھا اور یہ بات نہ تھی کہ ایسے امور میں ہمارے بزرگوں کو دخل نہ تھا بلکہ خود ہم نے بعض حضرات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کو ایسے امور میں بھی کافی دسترس تھی چنانچہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب دہلی سے تشریف لائے تھے تو مولانا ان کو بعد مغرب توجہ دیا کرتے تھے اور وہ صاحب مچھلی کی طرح تڑپا کرتے تھے مولانا تو توجہ دے کر ان کو جدا کر دیتے تھے مگر ان صاحب پر مولانا کی اس توجہ کا بہت دیر تک برابر اثر رہتا تھا ہم لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں ان صاحب کے چوٹ نہ لگ جائے اس لئے ہم ان کو پکڑتے تھے تو مولانا نے ہم کو منع فرمایا کہ پکڑو مت ہاں اس کا خیال رکھو کہ یہ کہیں اونچے نیچے میں نہ جا پڑیں باقی رہی چوٹ جس کا تم کو اندیشہ ہے تو چوٹ تو ان کے لگ چکی ہے اب کیا لگے گی۔ پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اس عمل توجہ سے توجہ دینے والے کے قوی طبعیہ پر بہت اثر پڑتا ہے حتے کہ توجہ دینے والے کے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہو جاتا ہے چنانچہ مدرسہ دیوبند میں ہمارے قیام کے زمانہ میں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ مدرسہ کے طلبہ کو توجہ دیا کرتے تھے تو مولانا رفیع الدین صاحب بیمار پڑ گئے جب مولانا محمد یعقوب صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب کو ایسا نہ کرنا چاہیے یہ طلبہ یہاں مدرسہ میں پڑھنے آئے ہیں یا توجہ لینے آئے ہیں۔ پھر حضرت حکیم الامتہ نے جو اوپر عمل مذکور وغیرہ کے متعلق واقعات اور اپنے تجربے بیان فرمائے ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ ان لہو ولعب سے یہ فائدہ ہوا کہ یہ معلوم ہو گیا

کہ ان چیزوں میں کچھ نہیں محض دھوکہ اور واہیات ہے۔ اور گو ان چیزوں کا تجربہ جو میں نے کیا یہ فی نفسہ مباح تھا کوئی گناہ نہ تھا مگر چونکہ اہل باطل ہی ان اعمال کو کرتے ہیں اور ان کے یہاں ان اعمال کا خاص طور پر مشغلہ ہے اس لئے میں جو اس عمل میں ذرا دیر مشغول رہا تو اس مشغولی سے مجھ کو اس قدر ظلمت محسوس ہوئی کہ اس ظلمت کی مجھ کو برداشت نہ ہو سکی اور میں پریشان ہو گیا۔ آخر میں نے چاہا کہ کس طرح اس ظلمت کو دفع کروں تو سوچا کہ اس ظلمت کی وجہ محض یہ ہے کہ اہل باطل کے ایک عمل کے اندر مشغولی رہی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ العلاج بالضد تو اہل نور کی صحبت اس کا علاج ہے پس کچھ عرصہ اہل نور کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے تو اس وقت زندوں میں تو کوئی ایسا قریب موقع میں ملا نہیں کہ کچھ عرصہ تک اس کی صحبت اختیار کی جاتی لہٰذا پھر یہ کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر گیا چنانچہ وہاں تین کوس کے فاصلہ پر ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں گیا تب وہ ظلمت رفع ہوئی۔ ناقل ملفوظ مذکورہ بالا ایک واقعہ مناسب مبحث مذکور کے عرض کرتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر کا حال حضرت والا سے عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال زچہ خانہ ہی میں ہو گیا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آنول نال باہر نہ آئی تھی اب جو شخص ان کی والدہ کو خواب میں دیکھتا ہے تو اسی طرح کہ ان کے بچہ ہوا ہے مگر پاک وصاف ہیں۔ اب سے کوئی سات ماہ کے قریب ہوئے میرے گھر میں بھی یہی خواب دیکھا اپنے متعلق کہ وہ زچہ خانہ میں ہیں اور آنول نال نہیں آئی اور پاک صاف ہیں اب آج صبح کا قصہ ہے کہ میری بھاوج نے بھی جو آج کل میرے گھر کے پاس ہی ہیں میرے گھر میں کے متعلق یہی خواب دیکھا کہ وضع حمل میں گو بہت آسانی ہوئی ہے مگر آنول نال نہیں آئی ہے اور پاک صاف ہیں اور آج ہی دوپہر کا قصہ ہے کہ چونکہ احقر کے گھر میں وضع حمل قریب ہے اس لئے جو دائی بلائی ہوئی آئی اس نے بھی خواب میں دیکھا کہ آنول نال آدھا آیا ہے باقی ٹوٹ کر اندر رہ گیا ہے پھر بقیہ بھی آگیا ہے اور احقر کے گھر میں اس خواب کا تذکرہ نہ اپنی بھاوج سے کیا نہ اس دائی سے اور ان بھاوج نے بھی اپنے خواب کا تذکرہ دائی سے نہ کیا تھا اور نہ دائی کو میرے گھر میں کی والدہ کا قصہ مذکورہ بالا معلوم تھا چونکہ ان خوابوں سے احقر کے گھر میں کے دل پر اثر ہے اس لئے عرض کئے گئے۔

حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کا ایک ضروری حصہ

ذیل میں نقل ہے۔ اگر تمہارے گھر میں کی بھلوج کو تمہاری والدہ کا وہ قصہ نہ بھی معلوم ہو تب بھی یہ خاص اس فن کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر دو شخص ایک جگہ جمع ہوں تو ایک کے ذہن میں جو خیال ہوتا ہے وہ دوسرے کے ذہن میں پہنچ جاتا ہے اس لئے میرے نزدیک یہ خواب نہیں بلکہ محض خیال ہے اور بے اصل ہے اور بے اثر ہے انشاء اللہ تعالیٰ بالکل تسلی رکھو۔ ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد اس شخص کے گھر میں وضع حمل ہوا اور بفضلہ تعالیٰ آنول نال بخوبی نکل آئی اور ہر طرح خیریت رہی اور سب خیالات جن کو خواب سمجھا گیا تھا غلط نکلے۔ احقر ناقل ملفوظ مرقومہ بالا عرض کرتا ہے کہ اسی قوت متخیلہ کے افعال و آثار کے متعلق رسالہ القول الجلیل حصہ دوم صفحہ ۲۷ مطبوعہ دہلی میں بھی ایک ملفوظ لکھا جا چکا ہے اس میں اس باب کے متعلق دوسری عجیب تحقیقات بیان فرمائی گئی ہیں ۱۲۔

(۹۹) ایک طالب اصلاح کو لاکھوں روپیوں کا ایک نسخہ

ایک صاحب کو اپنی اصلاح باطنی کی طرف توجہ ہوئی اور انہوں نے یہ چاہا کہ میرے اخلاق کی اصلاح ہو جائے تو انہوں نے ایک بار اپنا حال ایک عریضہ میں لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں ارسال کیا۔ حضرت والا نے اس عریضہ کو ملاحظہ فرمایا اور جب جواب اس عریضہ کا تحریر فرمایا تو بلا اظہار نام کاتب عریضہ کے حاضرین سے اس عریضہ کے متعلق فرمایا کہ ایک صاحب نے تحریر کیا ہے کہ جب مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے کہ جس کے متعلق مجھ کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ عادت تو تیری مذموم ہے تجھ کو چاہئے کہ اپنی اس مذموم عادت کی اصلاح کرے تو فوراً میرا نفس اس کا ایک ایسا جواب دیتا ہے جس سے مجھ کو اس فعل کے مذموم ہونے میں شبہ پڑ جاتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ جب یہ فعل مذموم نہیں تو پھر اس کی اصلاح کی تجھ کو کیا ضرورت ہے مثلاً اگر مجھ کو کسی پر غصہ آتا ہے تو نفس یہ کہتا ہے کہ یہ غصہ تجھ کو اپنے نفس کے لئے تھوڑا ہی آیا ہے بلکہ یہ غصہ تو تیرا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اور جو غصہ کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے لہٰذا تجھ کو اپنے اس فعل کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے اپنے کسی کمال کا اظہار کرنے لگتا ہوں اور بعد کو مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہوتی ہے اور مجھ کو اپنے اندر کبر و عجب کا شبہ ہوتا ہے اور میں اپنی اس حالت کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں تو فوراً میرا نفس

مجھ کو جواب دیتا ہے کہ یہ جو تو نے اظہار کمال کیا اس کا منشا خوش پسندی اور عجب نہ تھا بلکہ اس میں ایک مصلحت تھی وہ یہ کہ جن لوگوں کے سامنے تو نے اس اپنے کمال کا اظہار کیا ہے تو چونکہ وہ لوگ تیرے معتقد ہیں اور تیرے متعلق ان کو حسن ظن ہے اور تجھ کو نیک سمجھتے ہیں لہٰذا تیری یہ بات سن کر ان کو شوق ہو گا کہ ہم بھی اس فعل میں اس کی اقتداء کریں تو یہ تیرا اظہار کمال سبب ہو جائے گا ایک فعل خیر کی طرف ان کی رغبت ہو جانے کا لہٰذا یہ تیرا فعل مذموم نہیں جس کی اصلاح کی ضرورت ہو بلکہ محمود ہے غرض میرا نفس اپنے ہر ایک عیب کو خوبی میں داخل کر دیتا ہے مگر ساتھ ہی مجھ کو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ کہیں یہ تیرے نفس کا کید نہ ہو کہ اس طرح تیرا نفس تیرے عیوب پر پردہ ڈالنا چاہتا ہو لہٰذا مجھ کو کوئی ایسی علمی بات ارشاد فرمائی جاوے کہ جس سے مجھ کو اپنے ہر فعل کی حقیقت واضح ہو جائے اور میں اپنے نفس کے کید میں نہ آؤں انتہی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر یہ خط کسی مدقق کے پاس جاتا تو اس کے جواب میں وہ یہ کرتا کہ وہ ہر عیب کی حقیقت اور تعریف لکھ کر بھیج دیتا۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہ تھا اس لئے کہ کتابوں کے اندر یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن وہ جواب جب اس طالب کے پاس جاتا اور وہ اس کے اندر غور کرتا تو اس کو ان حقائق اور تعریفات پر شبہات پیدا ہوتے جیسا کہ ایک طالب علم کو استاذ کی تقریر پر شبہات پیش آیا کرتے ہیں پھر وہ ان شبہات کو لکھ کر ان مصلح صاحب کے پاس بھیجتا اور پھر وہ مصلح صاحب ان شبہات کا جواب لکھ کر اس طالب کے پاس بھیجتے تو اس سوال و جواب کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان طالب صاحب میں اور ان کے مرشد میں ایک مناظرہ چھڑ جاتا اور معالجہ جو کہ مقصود تھا اس کا نام و نشان بھی نہ رہتا۔ اس لئے میں نے ان صاحب کے جواب میں ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے ان صاحب کو ایک ایسا مختصر جواب لکھا ہے کہ جو لاکھوں روپے کا ہے اور وہ ایسا جواب ہے جو صرف ان ہی صاحب کے لئے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے کہ جس کی ایسی ہی حالت ہو جو ان صاحب کی ہے نہایت مفید ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ تم احتمال حقیقت کو بھی حقیقت سمجھو اور اسی کو ایک علمی تحقیق سمجھ کر عمل شروع کر دو۔ پھر ان طالب صاحب کاتب خط کی اس حالت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بزرگوں نے نفس و شیطان کے ساتھ مناظرہ

کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک مرتبہ یہ شخص اگر اس مناظرہ کے اندر جیت بھی گیا تو یہ نہیں ہو تا کہ پھر وہ مناظرہ ختم ہو کر بات ایک طرف ہو جائے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ مناظرہ شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور کہیں اس کی انتہا نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اسی کے اندر مشغولی رہتی ہے اور جو مقصود ہے یعنی عمل اس سے آدمی رہ جاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ صاحب جن کا یہ خط ہے کوئی مولوی معلوم ہوتے ہیں مگر میں ان کو جانتا نہیں کہ یہ کون شخص ہیں۔

(۱۰۰) ہر عالم کا سیاست میں ماہر ہونا ضروری نہیں

آج کل بعض علماء جو سیاسیات میں بہت کودتے پھاندتے ہیں اور چند واقعات و جزئیات معلوم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے سیاست دان ہیں وہ دوسرے اپنے ہم عصر علماء پر جو یکسوئی کے ساتھ قوم کی خالص مذہبی دینی خدمات میں مشغول ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیاسیات میں کیوں مشغول نہیں ہوتے اور ایسے سیاسی لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ ہر مولوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سیاسیات میں دخل دے اور اس کے اندر مہارت حاصل کرے۔ اور اس کے اندر مشغول ہو حالانکہ ان لوگوں کے پاس ان کے اس دعوی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن پاک کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعوی کہ ہر مولوی کو سیاسیات کے اندر مشغول ہونا ضروری ہے غلط ہے چنانچہ دوسرے پارہ کے آخر میں بنی اسرائیل کا قصہ مذکور ہے کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ

جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل حق تعالی کے احکام کی مخالفت اور نافرمانی کرنے لگے تو حق تعالی نے کفار عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا چنانچہ جالوت کافر جو قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا وہ ان بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم کیا کرتا تھا یہاں تک کہ اس بادشاہ نے بنی اسرائیل کے کئی صوبے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر لئے تھے جب بنی اسرائیل اس کے مظالم سے بہت تنگ آ گئے تو سب نے اکٹھے ہو کر اپنے اس زمانہ کے نبی سے جن کا نام حضرت شمویل تھا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چونکہ کفار کے مظالم اب بہت بڑھ گئے ہیں اور اب ہم ان کے ان مظالم کی تاب نہیں لا سکتے

لہٰذا ہم اس پر تیار ہو گئے ہیں کہ اس سے جہاد کریں لہٰذا آپ سے ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ ہمارے اوپر کسی شخص کو سردار اور بادشاہ مقرر فرمادیں تاکہ ہم سب اس کے زیر کمان اس جہاد کے کام کو انجام دیں تو حضرت شمویل نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر فرمایا ہے بنی اسرائیل نے جب طالوت کا نام سنا تو عرض کیا کہ حضرت ہمارے اوپر ہمارے ہوتے ہوئے اس کو بادشاہ بنانا مناسب نہیں معلوم ہوتا اس سے زیادہ تو ہم مستحق ہیں بادشاہی کے ان کے پاس کچھ مالی وسعت بھی نہیں ہے بلکہ وہ ایک غریب آدمی ہیں لہٰذا ہم میں سے کسی کو آپ بادشاہ مقرر فرمادیں تو بہتر ہے اس پر حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ اول تو حق تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں اس کو منتخب فرمایا ہے اور انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اور دوسرے علم (سیاست) اور جسامت میں اس کو تم سب پر تفوق دیا ہے اور بادشاہ ہونے کے لئے اس علم کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں معنی مناسب ہے کہ موافق و مخالف کے قلوب میں اس کی وقعت وہیبت ہو۔ اور تیسرے اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور چوتھے اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں ان کو کسی کو مال دے دینا کیا مشکل ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ خیال کہ وہ تم پر بادشاہ بنائے جانے کا مستحق نہیں بالکل غلط ہے چنانچہ بنی اسرائیل نے آخر کار حضرت طالوت ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور جملہ ملکی اور سیاسی انتظامات انہیں کے سپرد کر دئے گئے اور حضرت شمویل علیہ السلام بدستور سابق اپنے منصب نبوت کے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے تو اب اس قصہ کے اندر غور کیجئے کہ بنی اسرائیل نے باوجود اس کے کہ ان کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام ان کے اندر موجود تھے مگر اپنے نبی سے اس کی درخواست نہیں کی کہ آپ ہمارے بادشاہ بنئے اور ہمارے جملہ سیاسی امور کا انتظام کیجئے بلکہ ان کی درخواست پر بجائے نبی کے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ بنایا جانا تجویز کیا تو معلوم ہوا کہ ان کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ نبی کے لئے سیاسیات میں دخل دینا ضروری نہیں اور اگر کہا جاوے کہ بنی اسرائیل نے غلطی کی کہ نبی کے ہوتے ہوئے غیر نبی سے یہ کام لینا چاہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بنی اسرائیل نے غلطی کی تو ان کے نبی کے فعل کو تو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا اگر بنی اسرائیل نے غلطی کی تھی کہ نبی کے ہوتے ہوئے غیر نبی

سے یہ کام لینا چاہا تھا اور یہ مذموم تھا تو حضرت شمویل کو چاہئے تھا کہ ان کو ان کی اس غلطی پر متنبہ فرماتے کہ میرے موجود ہوتے ہوئے ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے کو بادشاہ بنایا جاوے بلکہ میں ہی تمہارے تمام سیاسی اور ملکی کام انجام دوں گا۔ اور اگر نبی نے بنی اسرائیل کو ان کی اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا تھا تو اللہ میاں نے اپنے نبی کو اس غلطی پر کیوں نہ متنبہ فرمادیا کہ شمویل تم جو دوسرے شخص کو بادشاہ بنا رہے ہو تو تم کیسے ہو تم خود جا کر ان کا یہ کام کیوں نہیں انجام دیتے کیا تم اپنی جان بچاتے ہو بلکہ ——— بنی اسرائیل کی اس تجویز کی کہ نبی اپنے نبوت کے فرائض انجام دے اور سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے کسی دوسرے شخص کو ہمارے لئے بادشاہ تجویز کر دیا جاوے حق تعالیٰ نے موافقت فرمائی اور قبول فرمایا اور حضرت شمویل کے ہوتے ہوئے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کی یہ تجویز کہ نبی اپنی نبوت کے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے اور سیاسی امور کی انجام دہی کسی دوسرے شخص کے سپرد کی جاوے حق تعالیٰ نے بھی پسند فرمائی پس خود قرآن سے ثابت ہو گیا کہ نبوت کے لئے سیاست لازم نہیں اگر کہا جاوے کہ گو اس خاص واقعہ میں حضرت شمویل علیہ السلام کے ایسا کیا گیا کہ سیاست کو اور نبوت کو الگ الگ رکھا گیا مگر اکثر تو اس کے خلاف ہی ہوا ہے کہ جو نبی ہوا ہے وہی بادشاہ بھی ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں جو جامع تھے نبوت اور سلطنت کے جیسے ہمارے حضورؐ کہ آپ کو حق تعالیٰ نے جیسے کمالات نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اسی طرح آپ کو سلطنت بھی عطا فرمائی تھی مگر یہ بات کہ اکثر ایسا ہی ہوا ہو کہ جو نبی ہوا وہی اس قوم کا بادشاہ بھی ہوا ہو تو اول تو یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے بلکہ بنی اسرائیل کے باب میں تو بعض مفسرین نے اس کے خلاف کی تصریح کی ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ نبی کو سیاسیات سے الگ رکھا جاتا تھا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس قوم کا ایک بادشاہ بھی ہوا کرتا تھا وہ نبی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ فرماتے تھے اور وہ بادشاہ ان احکام کو نافذ کرتا تھا كذا في الجزء الثاني من تفسير ابن جرير ص ۲۸۱ مطبوعہ مصر۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ اکثر ایسا ہی ہوا کہ جو نبی ہوا ہے وہی اس قوم کا بادشاہ بھی ہوا ہے اور اس کے خلاف کا وقوع کم ہوا ہے تو یہ ہمارے دعویٰ

کے لئے مضر نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ نبوت اور سیاست میں تلازم نہیں بلکہ بعض نبی ایسے بھی ہوئے ہیں کہ وہ صرف نبوت کے فرائض کو انجام دیتے تھے اور بادشاہ نہ تھے تو اس دعویٰ کی صحت کے لئے ہم کو صرف اتنا کافی ہے کہ ہم کوئی ایک واقعہ بھی ایسا ثابت کر دیں کہ جس کے اندر نبی کو سیاسیات سے الگ رکھا گیا ہو اگرچہ وہ واقعہ عدد میں ایک ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام کا واقعہ جو کہ قرآن کے اندر موجود ہے ہمارے دعویٰ کے اثبات کے لئے کافی ہے ۱۲) الغرض یہ امر کہ نبوت اور سیاست میں تلازم نہیں۔ خود قرآن سے ثابت ہو گیا۔ پس جبکہ نبوت کے لئے سیاست لازم نہ ہوئی تو مولویت کے لئے سیاست کیسے لازم ہو گی اور ہر مولوی پر یہ کیسے ضروری ہو گا کہ وہ سیاسیات میں مشغول ہو جاوے لہٰذا ثابت ہوا کہ علماء پر یہ اعتراض کرنا کہ سیاسیات میں کیوں مشغول نہیں ہوتے بالکل لغو اور بیجا ہے اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا نقلی ثبوت تھا اس بات کا کہ مولویت کے لئے سیاست لازم نہیں اور اگر عقلی ثبوت کی ضرورت ہو تو وہ یہ ہے کہ جیسے تمدن کا یہ مسئلہ ہے کہ تقسیم عمل ضروری ہے اسی طرح اہل تمدن نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ ہر شخص کے سپرد وہ کام کرنا چاہئے کہ جس سے اس کو مناسبت اور اس میں اس کو مہارت ہو۔ اگر اس کے خلاف کیا۔ مثلاً" کسی شخص کے سپرد وہ کام کیا گیا کہ جس سے اس کو مناسبت نہ تھی تو وہ شخص اس کام میں کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ مثلاً" ایک شخص ایک مکان بنوانا چاہتا ہے تو اس مکان کی تعمیر کے لئے جیسے اس کی ضرورت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں جو معماری کا کام کریں اسی طرح اس کی بھی ضرورت ہو گی کہ کچھ لوگوں سے نجاری کا کام لیا جاوے اسی طرح یہ ضروری ہو گا کہ کچھ لوگوں سے لوہار کا کام لیا جاوے مگر اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان کارکنوں میں سے ہر ایک کے سپرد وہ کام کیا جاوے جس سے اس کو مناسبت نہ ہو اور اس کام کو وہ جانتا نہ ہو جیسے معمار کے سپرد نجاری کا کام کر دیا جاوے اور نجار کے سپرد معمار کا کام کر دیا جاوے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اپنا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا اور اس مکان کی تعمیر ہی دشوار ہو جائے گی۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان کارکنوں میں سے ہر ایک کے سپرد وہ کام کیا گیا کہ جس سے اس کو کافی مناسبت تھی مثلاً" لوہار کے سپرد لوہار کا کام کیا گیا اور معمار کے سپرد معمار کا اور

نجار کے سپرد نجار کا تو اس صورت میں ہر شخص اپنے کام میں بہت جلد ترقی کرے گا اور مکان بہت جلد اور بسہولت تعمیر ہو جائے گا۔ جب تمدنی حیثیت سے یہ ضروری ہوا کہ ہر شخص کے سپرد وہ کام کیا جاوے کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ہر فن سے مناسبت ہونا ضروری نہیں کسی کو کسی فن سے مناسبت ہوتی ہے کسی کو کسی فن سے اور بعض فنون سے مناسبت نہ ہونا کوئی نقص بھی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے کام میں بہت بڑا کامل ہو مگر اس کو دوسرے فن سے مناسبت نہ ہو۔

اب ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے بڑھ کر ظاہر ہے کہ کون کامل ہو سکتا ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر مگر باوجود اس کے آپ کو فن کاشتکاری سے مناسبت نہ تھی چنانچہ آپ نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم شان ورود اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ جب ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں زیادہ تر لوگ کاشتکاری کرتے ہیں اور کھجور کے باغات بہت ہیں اور اس کے اندر وہ لوگ عمل تابیر کیا کرتے ہیں یہاں قریب میں ایک قصبہ ہے وہاں کچھ لوگ کھجور کے درخت میں یہ عمل تابیر کیا کرتے ہیں ان سے میں نے اس عمل کو مفصل معلوم کیا کہ وہ کیا ہے تو انہوں نے بیان کیا کہ کھجور دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو نر کہلاتی ہے جس پر صرف پھول آتا ہے اور ایک مادہ ہوتی ہے کہ اس پر پھول کے ساتھ پھل بھی آتا ہے تو ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہم یہ کرتے ہیں کہ جب اس کا موسم آتا ہے تو مادہ کھجور کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر نر کھجور کو اس طرح اچھالتے ہیں کہ وہ مادہ کی شاخوں سے مس کرتا ہوا نیچے گر پڑتا ہے اب جب یہ مس ہو گیا تو گویا مادہ کو حمل رہ گیا یہ ہے فعل تابیر۔ اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس عمل سے پھل بہت آتا ہے تو مدینہ کے لوگ زیادہ تر کاشتکار ہی تھے اور وہاں یہ کھجوروں کے درخت زیادہ تھے تو وہاں عام طور پر لوگ اس فعل تابیر کو کیا کرتے تھے ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جب اس عمل تابیر کو ملاحظہ فرمایا تو اول اول آپ کو یہ عمل پسند نہ آیا کیونکہ آپ کو یہ شبہ ہوا کہ ممکن ہے یہ کوئی ٹونا یا شگون ہو اور لوگ اس کو بطور شگون کے کرتے ہوں کیونکہ حضورؐ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس عمل کا یہ خاصہ ہے اس وجہ سے آپ نے صحابہؓ کو نرمی سے بطور مشورہ کے منع فرما دیا کہ یہ عمل نہ

کیا جاوے تو اچھا ہے تو صحابہؓ تو جان نثار تھے انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس سال یہ عمل نہ کیا لیکن جب فصل آئی تو پھل بہت کم آیا۔ ہمارے حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا کہ اس سال پھل بہت کم آیا ہے تو اس وقت وہ شبہ جو شگون کا تھا رفع ہو گیا اور اطمینان ہو گیا کہ یہ کوئی ٹونکا نہیں بلکہ یہ ایک طبعی فعل ہے جس کے اندر حق تعالیٰ نے ایک خاصیت رکھی ہے زیادتی پیداوار کی لہٰذا اس میں کچھ برائی نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہمارے حضورؐ نے سب لوگوں کو اس کی اجازت دیدی اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو اگر میں تم کو کسی دین کی بات کا حکم دوں تب تو تم پر اس کا امتثال واجب ہے اور اگر کوئی حکم نہ دوں بلکہ تم سے تمہارے دنیوی امور کے متعلق بطور مشورہ کے کوئی بات کہوں تو انتم اعلم بامور دنیاکم تو گو ہمارے حضورؐ کو فن کاشتکاری سے مناسبت نہ تھی مگر نعوذ باللہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کوئی نقص آگیا۔ کیا انبیاء پر یہ بھی ضرور ہے کہ وہ کاشتکاری سے واقف ہوں۔ کیا ایک ویسرائے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ جوتے گانٹھنا جانتا ہو۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کا احکام سے واقف ہونا ضروری ہے سو احکام کا علم ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکمالہ حاصل تھا اب رہے بعض دوسرے دنیوی امور مثلاً فن کاشتکاری سو فن کاشتکاری کا نہ حضور کے منصب سے کوئی تعلق تھا اور نہ اس سے ناواقفی حضور کے لئے موجب نقص ہو سکتی ہے یا جیسے حضرت شمویل کو سیاست سے مناسبت نہ تھی اور اسی وجہ سے حضرت شمویل کو سیاسیات سے الگ رکھا گیا اور بنی اسرائیل پر بادشاہ نہ بنایا گیا باوجودیکہ حضرت شمویل کی بادشاہت میں کسی کو اختلاف بھی نہ ہوتا تھا اور بجائے حضرت شمویل کے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا حالانکہ طالوت کے بادشاہ بنائے جانے کے بارہ میں بنی اسرائیل کا اختلاف بھی ظاہر ہو گیا چنانچہ ان کا مقولہ طالوت کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ مگر بنی اسرائیل کے اس اختلاف کی بھی پروا نہ کی گئی اور طالوت کو ہی بادشاہ تجویز کیا گیا۔ غرض ہر شخص کو ہر فن سے مناسبت ہونا ضروری نہیں اسی طرح ہر نبی اور ہر مولوی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو سیاست سے مناسبت ہو اور اصول تمدن کی رو سے یہ ضروری قرار پاچکا ہے کہ ہر شخص کے سپرد وہ کام کیا جانا چاہئے جس سے اس کو مناسبت ہو تو اب اگر ہر مولوی کے لئے سیاسیات میں دخل دینا ضروری قرار دیا جاوے گا تو لازم آئے گا کہ ان کے سپرد

ایسا کام کیا گیا جس سے ان کو مناسبت نہ تھی اور یہ اصول تمدن کے بھی بالکل خلاف ہے۔ غرض ثابت ہو گیا کہ نبوت اور اسی طرح مولویت کے لئے سیاست کو لازمی قرار دینا جیسے نقلاً" باطل ہے اسی طرح عقلاً" مذموم ہے اور علماء پر یہ اعتراض کہ وہ سیاسیات میں کیوں شرکت نہیں کرتے شرعی اور تمدنی دونوں حیثیت سے لغو ہے اور افسوس ہے کہ علماء کے لئے سیاسیات میں شرکت تو ضروری قرار دی جاتی ہے مگر جو کام کہ علماء کے فرائض منصبی میں داخل ہے وہ کام علماء سے لیا نہیں جاتا۔ اور وہ کام یہ ہے کہ قانون شریعت میں حق تعالی کے اوامر و نواہی کا تعلق جیسے عبادات سے ہے اسی طرح سیاسیات سے بھی ہے اور جیسے عبادات کے اندر بعض امور جائز ہیں اور بعض ناجائز مثلاً" نماز فرض ہے مگر بلا وضو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح سیاسیات کے اندر بعض امور جائز ہیں بعض ناجائز تو جو لوگ سیاسیات میں مشغول ہیں ان پر یہ ضروری ہے کہ جب وہ کوئی نیا کام کریں تو اول علماء سے استفتاء لے کر کیا کریں کہ یہ کام مذہب کے تو خلاف نہیں۔ پھر جب کہ علماء سے ایسا استفتاء کیا جائے تو اب علماء کا کام یہ ہے کہ مذہبی کتابوں میں غور و فکر کر کے ان جزئیات کا حکم معلوم کریں اور ان استفتوں کا جواب دیں تاکہ جو تدابیر سیاسی جائز ہوں ان پر عمل کیا جا سکے اور جو تدابیر سیاسی خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہوں ان سے بچا جا سکے۔ اور اسی سلسلے میں حدیث انتم اعلم بامور دنیا کم کی شرح کے ذیل میں فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ دنیوی فنون کے اندر ہو سکتا ہے کہ غیر نبی، نبی سے اعلم ہو جائے اور امور دنیا کے اندر جیسے فن کاشتکاری داخل ہے اسی طرح فن سیاست بھی۔ تو جیسے غیر نبی فن کاشتکاری میں نبی سے اعلم ہو سکتا ہے اسی طرح فن سیاست میں ممکن ہے کہ غیر نبی نبی سے اعلم ہو جائے اور جیسے اگر کوئی کاشتکار فن کاشتکاری میں نبی سے اعلم ہو تو یہ بات اس نبی کے لئے موجب نقص نہ ہو گی۔ کیونکہ فن کاشتکاری کوئی کمالات نبوت میں سے نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص فن سیاست میں نبی سے اعلم ہو جائے تو اس سے بھی نبی کے کمالات میں کچھ نقص نہ آئے گا پس جبکہ فن سیاست میں غیر نبی اعلم ہو سکتا ہے نبی سے اور اس سے اس نبی کی فضیلت میں کچھ کمی نہ ہو گی تو ایک عالم کے لئے تو یہ امر بدرجہ اولی ممکن ہے کہ فن سیاست میں کوئی غیر عالم اس سے بڑھ جائے اور اس سے اس عالم کی فضیلت میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ (اور اگر اس استدلال پر یہ شبہ ہو کہ ہمارا مستدل قصہ جو قرآن میں مذکور ہے یہ شرائع من قبلنا میں داخل ہے اور شرائع من قبلنا ہمارے اوپر حجت نہیں تو جواب اس

کا یہ ہے کہ شرائع من قبلنا کو اگر ذکر فرما کر ان پر نکیر نہ فرمائی گئی ہو تو وہ ہمارے لئے بھی حجت ہیں لہٰذا یہ قصہ جو ہمارا مستدل ہے ہمارے لئے بھی حجت ہے لہٰذا اس قصہ سے استدلال کرنا صحیح ہے۔

نوٹ:۔ یہ بحث صاحب ملفوظات کے ایک رسالہ میں مبسوط بیان کی گئی ہے اور اس رسالہ کا نام دفع بعض الشبہات عن السیاسیات ہے

(۱۰۱) محبت کی دو قسمیں

فرمایا کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ محبت جو ماں کو ہوتی ہے اپنی اولاد کے ساتھ اور ایک وہ محبت جو باپ کو ہوتی ہے اپنی اولاد کے ساتھ۔ ماں کی محبت کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ بچے کی موجودہ خوشی کے حاصل کرنے کے پیچھے اس کی آئندہ کی بڑی بڑی مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتی ہے بخلاف باپ کی محبت کے کہ اس کی محبت کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی کوئی ایسی درخواست منظور نہیں کرتا جو اس اولاد کی مصلحت کے خلاف ہو بلکہ وہی کام کرتا ہے کہ جو سراسر اس کی اولاد کے لئے کار آمد اور مفید ہو اگرچہ وہ بات اس کی اولاد کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو وہ ان کے مصالح کی رعایت کو ان کی خوشنودی پر ترجیح دیتا ہے تو محبت تو ماں باپ دونوں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے مگر اولاد کے لئے جو مفید ہوتی ہے وہ باپ ہی کی محبت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہی کی محبت میں اولاد کے مصالح کی پوری پوری رعایت ہوتی ہے۔ پس اسی طرح شیوخ کو بھی طالبین کے ساتھ مختلف رنگ کی محبت ہوتی ہے بعض شیوخ کو تو طالبین کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے جیسے ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے کہ وہ حضرات بوجہ غلبہ شفقت طالب کی ہر فرمائش کو پورا کر دیتے ہیں اگرچہ وہ فرمائش اس طالب کی اصلاح یا اخلاق کے لئے مضر ہی کیوں نہ ہو۔ اور بعض شیوخ کو طالبین کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ جیسے باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے کہ وہ طالب کی ہر خواہش کی پیروی نہیں کرتے بلکہ ہر طالب کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے ہیں جس میں اس کی ظاہری اور باطنی مصالح کی پوری پوری رعایت ہو اگرچہ وہ برتاؤ اس طالب کو بظاہر خشک ہی کیوں نہ معلوم ہو اور اس طالب کو اس برتاؤ سے قدرے ناگواری ہی کیوں نہ ہو اور ہماری جماعت کے اندر بھی یہی دونوں رنگ دیکھے جاتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ ہماری جماعت میں ایسے تھے کہ جب ان کے یہاں کوئی مہمان آجاتا سردی کا زمانہ

ہوتا وہ مہمان اپنے ہمراہ اپنے کپڑے نہ لاتا تو وہ بزرگ اپنا بچھونا اپنا لحاف وغیرہ سب مہمان کو دے دیتے اور خود سردی میں بلا گرم کپڑوں کے لیٹ کر رات بسر کردیتے بخلاف مولانا رشید احمد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہ ان کی یہ شان تھی کہ ان کے یہاں ایک بار سردی کا زمانہ تھا ایک مہمان آیا مولانا نے اپنے کسی خادم سے فرمایا کہ جاؤ ان مہمان سے شب کے سونے کے متعلق دریافت کر آؤ چنانچہ وہ خادم ان مہمان کے پاس گئے اور دریافت کر کے واپس آئے اور مولانا کے سوال کا جواب عرض کر کے یہ بھی کہا کہ حضرت میں نے ان مہمان سے یہ بھی دریافت کر لیا تھا کہ تمہارے پاس لحاف بچھونا ہے یا نہیں مولانا یہ سن کر خفا ہوئے اور فرمایا کہ یہ تم سے کس نے کہا تھا کہ تم ان سے لحاف بچھونے کے متعلق بھی دریافت کرنا۔ تم کو تو یہ چاہئے تھا کہ جو بات میں نے دریافت کرائی تھی بس وہ ان سے معلوم کر لیتے اس بات کے دریافت کی تم کو کیا ضرورت تھی۔ اچھا تم نے جو ان سے لحاف بچھونے کے متعلق دریافت کیا تو اگر وہ مہمان اس کے جواب میں یوں کہہ دیتے کہ میرے پاس لحاف بچھونا نہیں ہے تو تم ان کو لحاف بچھونا کہاں سے دیتے۔ خبردار جو آئندہ سے ایسی حرکت کی۔ تو دیکھئے ایک بزرگ نے تو اپنا لحاف بچھونا سب مہمان کو دے دیا اور مولانا رشید احمد صاحب نے لحاف بچھونا دینا تو درکنار اس کے متعلق سوال کرنے پر بھی ناگواری کا اظہار فرمایا تو اب اگر ان بزرگوں کے یہ دونوں واقعے کسی جاہل کے سامنے بیان کئے جاویں اور یہ نہ بتلایا جاوے کہ یہ واقعہ فلاں کا ہے اور یہ واقعہ فلاں کا تو وہ جاہل کس بزرگ کی تعریف کرے گا ظاہر ہے کہ انہیں بزرگ کی تعریف کرے گا کہ جنہوں نے اپنا لحاف بچھونا تو مہمان کو دے دیا اور خود سردی میں رات بسر کی حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو مرتبہ کے اعتبار سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کا فعل بڑھا ہوا ہے کیونکہ مولانا رشید احمد صاحب نے جو اس شخص کے ساتھ یہ برتاؤ کیا اس کا یہ اثر ہوا کہ مولانا خود بھی تکلیف سے بچے اور دوسروں کو بھی اس کی تکلیف سے بچایا کیونکہ مولانا نے جو اس شخص کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اس کو اپنا لحاف بچھونا نہیں دیا تو اب اس برتاؤ کے بعد وہ شخص مہمان بھی جاوے گا اپنے کپڑے ساتھ لے کر جائے گا کیونکہ اب اس کو احتمال ہوگا کہ جیسے مجھ کو یہاں کپڑے نہیں ملے ممکن ہے دوسری جگہ بھی نہ ملیں۔

بخلاف ان دوسرے بزرگ کے فعل کے کہ انہوں نے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کر کے

خود بھی تکلیف اٹھائی اور دوسروں کو بھی تکلیف سے بچانے کا انتظام نہیں فرمایا۔ گو قلت و کثرت اجر کا فیصلہ ہمارے علم سے بالاتر ہے مگر باعتبار مصالح کے ترجیح میں گفتگو ہے۔

احقر ناقل ملفوظ ہٰذا عرض کرتا ہے کہ ایک بار ایک صاحب مقام گیا سے حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کس غرض سے آنا ہوا کہا کہ مجھ کو ایک تعویذ کی ضرورت ہے اس غرض سے خدمت میں حاضر ہوا ہوں فرمایا کہ کیا صرف تعویذ کی غرض سے آپ نے اتنا بڑا سفر کیا۔ عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا بڑے افسوس کی بات ہے کہ جو کام ایک آنہ کے لفافہ سے نکل سکتا تھا اس کے لئے آپ نے اتنا روپیہ ضائع کیا اور اتنا وقت ضائع کیا۔ بجائے اس کے اگر آپ میرے پاس ایک لفافہ بھیج دیتے اور اس کے اندر ایک لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر رکھ دیتے تو میں اس ایک آنہ والے لفافہ میں رکھ کر آپ کے پاس تعویذ بھیج دیتا نہ آپ کا اتنا روپیہ ضائع ہوتا نہ وقت ضائع ہوتا اول تو مسلمانوں کے پاس روپیہ پیسہ ہے ہی نہیں اور جتنا کچھ ہے بھی اس کو اس طرح برباد کیا جاتا ہے کیا وقت اور پیسے کا اس طرح برباد کرنا مذموم نہیں اور کیا فعل مذموم قابل اصلاح نہیں لہٰذا اب میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ اب میں یہاں آپ کو تعویذ نہ دونگا بلکہ جب آپ اپنے گھر پر پہنچ کر میرے پاس سے بذریعہ ڈاک کے تعویذ منگائیں گے تو اس وقت میں آپ کے پاس تعویذ بھیج دوں گا چنانچہ اس وقت حضرت والا نے ان کو تعویذ نہیں دیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے جو ان کو اس وقت تعویذ نہیں دیا بلکہ آئندہ کے لئے ملتوی کر دیا تو اس میں میری کوئی مصلحت نہ تھی بلکہ خود ان کی مصلحت نے مجھ کو اس پر مجبور کیا کہ اس وقت ان کو تعویذ نہ دوں کیونکہ اگر اس وقت میں ان کو تعویذ دیدیتا تو ان کو تنبیہ نہ ہوتی اور آئندہ پھر یہ ایسی ہی حرکت کرتے کیونکہ تجربہ ہے کہ اس وقت نری قولی تنبیہہ کافی نہیں ہوتی بلکہ آدمی اس کو بھول جاتا ہے جبتک کہ عملی تنبیہہ نہ کی جاوے لہٰذا میں نے ان کو عملی تنبیہ کی ہے کہ ان کو اس وقت تعویذ نہیں دیا جس کا یہ اثر ہو گا کہ یہ اس واقعہ کو بھولیں گے نہیں اور ہمیشہ میری یہ تنبیہ ان کو یاد رہے گی اور آئندہ پھر کبھی ایسی حرکت کر کے اپنا پیسہ اور وقت ضائع نہ کریں گے اور صرف یہی نہیں کہ میری اس عملی تنبیہہ سے ان کو نفع پہنچا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ ہو گا وہ اس طرح کہ اب یہ صاحب اس واقعہ کو دوسروں سے بھی بیان کریں گے تو جس جس شخص سے یہ

واقعہ بیان کریں گے وہ تمام لوگ بھی اس واقعہ کو سن کر ایسے فعل سے بچیں گے اور اس طرح دوسرے لوگوں کا بھی وقت اور پیسہ برباد ہونے سے محفوظ رہے گا تو اب میرے اس برتاؤ سے گو میری نیک نامی اور تعریف نہ کی جاوے گی مگر دوسروں کو تو نفع پہنچے گا بخلاف اس صورت کے جب میں ان کی فرمائش اسی وقت پوری کر دیتا کہ اس صورت میں گو میری تعریف ہوتی کہ بڑے خوش اخلاق ہیں مگر اس سے دوسروں کو نفع نہ ہوتا۔

(۱۰۲) حضرت لقمان علیہ السلام کے نبوت قبول نہ کرنے کا سبب

ایک صاحب جو جوان صالح اور مدرسہ عربیہ دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل ایک مقام پر تدریس علم دین میں مشغول ہیں ان کی طالب علمی کے زمانہ کا واقعہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ صاحب طالب علمی میں مشغول تھے تو ایک مرتبہ ان کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ ان کو کشف ہونے لگا تھا الہام ہونے لگا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ان کے گھر والے دو فریق ہو گئے بعض ان کے معتقد ہو گئے اور بعض ان کے مخالف ہو گئے تھے حتی کہ ایک بار ان کو الہام ہوا اور ایک آواز آنا شروع ہوئی کہ تم کو اہل خدمت بنایا جاوے گا اب وہ حیران ہوئے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے اور اس کا میں کیا جواب دوں منظور کروں یا نہیں چنانچہ وہ دیوبند سے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا اور دریافت کیا کہ مجھ کو اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے اگر جناب کے نزدیک یہ کام میرے لئے مناسب نہ ہو تو ارشاد فرمایا جاوے تو رائے تو میری شروع سے یہی تھی کہ یہ اس خدمت سے باز رہیں کیونکہ ان کے لئے اس خدمت کا قبول کر لینا خطرناک تھا اور یہ استفسار جو بصورت اخبار ہے ابتلاء ہے۔ مگر اول اول میری ہمت نہ ہوئی کہ اس کے متعلق ان کو رائے دوں بلکہ ڈر معلوم ہوا اور خیال گذرا کہ کہیں یہ ان کو ولایت سے روکنا نہ ہو مگر جب میں نے اصول شرعیہ پر نظر کی اور حضرت لقمان علیہ السلام کا وہ قصہ دیکھا جو سیر کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو پھر مجھ کو جرات ہو گئی اور وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بذریعہ الہام دو چیزیں پیش کی گئی تھیں۔ ایک نبوت دوسرے حکمت اور رامم سابقہ میں وحی نہ ہونے کی صورت میں الہام حجت تھا اور ارشاد ہوا تھا کہ ان دونوں میں سے تم جس کو چاہو اپنے لئے منظور کر لو سو نبوت کے اندر چونکہ ذمہ داری بڑی تھی جس کا تحمل حضرت لقمان نے اپنی قدرت سے باہر سمجھا اس کو نبوت کے قبول کرنے میں اپنے لئے خطرہ

محسوس ہوا اس وجہ سے انہوں نے نبوت کو منظور نہیں کیا بلکہ بجائے اس کے حکمت کو منظور فرمایا چنانچہ ان کو حکمت کامل طور پر عطا فرمادی گئی۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت لقمان کو تو خطرہ تھا اس وجہ سے انہوں نے نبوت سے انکار کر دیا اور یہاں اہل خدمت بننے میں کیا خطرہ تھا جو عذر کیا گیا تو وہ خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ اس خدمت کو منظور کر لیتے تو احتمال قریب تھا کہ ان کو جنون ہو جاتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کے سپرد مثل بعض ملائکہ کے امور تکوینیہ ہوتے ہیں اور اس تکوینی خدمت کے سلسلہ میں ان میں سے اکثر حضرات کو بعض مرتبہ ایسے کام انجام دینے ہوتے ہیں کہ جن کی اجازت ایک صحیح العقل اور مکلف انسان کو شرعاً ہو نہیں سکتی اس لئے اکثر ان لوگوں پر کسی باطنی حالت کو اس درجہ غالب کر دیا جاتا ہے کہ ان کے قوی طبعیہ اس کا تحمل نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ سے ان کی عقل مختل ہو جاتی ہے اور اس طرح ان کو غیر مکلف بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان امور کی انجام دہی میں معذور ہو جاتے ہیں۔ تو اگر یہ بھی اس خدمت کو منظور کر لیتے تو ان پر بھی کسی ایسی ہی باطنی حالت کو غالب کر دیا جاتا جس کی وجہ سے ان کی عقل میں فتور آجاتا جس کے معنی یہ تھے کہ یہ پاگل اور مجنوں ہو جاتے جس میں دنیا کا نقصان تو ظاہر ہے اور دین کے کام سے یوں محروم رہتے کہ دین کی ترقی کا مدار ہے اعمال پر اور اعمال موقوف ہیں سلامت عقل پر جب عقل صحیح نہ رہی اور انسان پاگل ہو گیا تو اس کے اعمال بھی موقوف ہو گئے جن پر دین کی ترقی موقوف تھی تو دینی ترقی کا دروازہ مسدود ہو گیا اور کم از کم ان کی موجودہ حالت میں اتنا تنزل تو ضرور ہوتا کہ یہ علم دین سے جس میں فی الحال مشغول تھے محروم ہو جاتے کیونکہ پھر اس کام میں مشغول ہو جانے کے بعد تحصیل علم کی کہاں فرصت ملتی اور علم دین کے مقابلہ میں یہ خدمت ایسی تھی جیسے وزارت کے مقابلہ میں خدمت گاری تو اس خدمت کی منظوری میں ان کی دین و دنیا دونوں کا خطرہ تھا اور اگر یہ شبہ ہو کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو تو اس کی گنجائش تھی کہ وہ نبوت سے عذر کر دیتے اس لئے کہ ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ نبوت و حکمت میں سے جس کو چاہو منظور کرو اور جس سے چاہو عذر کر دو مگر یہاں ان طالب علم کو کیا موقعہ تھا عذر کا۔ کیونکہ ان کو تو اختیار نہیں دیا گیا تھا تکوینی خدمت کے قبول و عدم قبول کا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں اختیار نہیں دیا گیا تھا اس کی شرح یہ ہے کہ قواعد شرعیہ سے ثابت ہے کہ کشف

والہام کوئی حجت نہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ کشف والہام کے خلاف کرنا ہر وقت جائز ہے تو یہاں تو کشف والہام کے خلاف کرنے کا شروع ہی سے اختیار دیدیا گیا تھا اس لئے ہر موقعہ پر اب جدید اجازت اختیار کی ضرورت نہ رہی تھی بخلاف امم سابقہ کے کہ ان کے لئے کشف والہام جبکہ وہ وحی کے خلاف نہ ہو حجت تھا اس لئے وہاں اجازت کے ہر موقعہ پر جدید اجازت کی ضرورت تھی اس لئے حضرت لقمان سے تو اس موقعہ پر کہہ دیا گیا کہ تم کو ان دونوں میں سے ایک سے عذر کر دینے کی اجازت ہے اور یہاں ان طالب علم کے لئے اجازت کلیہ سابقہ ہی کافی سمجھی گئی بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو یہاں ان طالب علم کو عذر کا زیادہ موقع تھا بہ نسبت حضرت لقمان علیہ السلام کے کیونکہ حضرت لقمان کو تو نبوت پیش کی گئی تھی کہ حکمت تو کیا چیز ہے اس کے درجہ کو کوئی چیز بھی نہیں پہنچ سکتی تو اس کے عطا نہ ہونے سے درجات میں جو کمی رہتی تو اس کی تلافی کوئی دوسری چیز کر ہی نہیں سکتی تھی بخلاف تکوینی خدمت کے جواب طالب علم کو دی جانے والی تھی کہ یہ تحصیل علم دین سے بدرجہا کم تھی کہ تحصیل علم دین اور خدمت دینی کے مقابلہ میں گویا یہ کوئی چیز ہی نہیں۔ سو جب حضرت لقمان علیہ السلام نے اس سے عذر کر دیا اور ان کا یہ عذر کر دینا جائز سمجھا گیا تو ان طالب علم کا اس تکوینی خدمت کے قبول کر لینے میں تو نقصان عظیم تھا تو ان طالب علم کو عذر کی اجازت کیوں نہ ہوتی بلکہ بدرجہ اولی عذر کی اجازت تھی اس لئے میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس خدمت کا منظور کرنا تمہارے لئے مضر ہے اور اس کے اندر نہ صرف تمہاری دنیا کا نقصان ہے بلکہ دینی حیثیت سے بھی تم کو اس خدمت کا قبول کر لینا مناسب نہیں لہٰذا تم کو چاہئے کہ تم اس خدمت کو منظور نہ کرو اور تم یہ کرو کہ اگر اب کی بار پھر ایسا ہو تو تم نہایت ادب سے یہ عرض کرو کہ حضور میں اس خدمت کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا میرے اندر اس کا تحمل نہیں لہٰذا مجھ کو معاف فرمایا جاوے چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ باطمینان تحصیل علم دین میں مشغول رہے اور آج بفضلہ تعالی وہ عالم بھی ہیں اور ہادی بھی ہیں لہٰذا ہر صاحب القاء پر لازم ہے کہ اگر اس کو خواب و کشف والہام میں کوئی بات ایسی القاء ہو کہ جو خلاف شریعت ہو تو اس کی طرف تو التفات ہی نہ کرے اور اگر خلاف شریعت نہ ہو مگر دینی قواعد سے اس کے مناسب نہ ہو تو عذر کر دے مگر ادب کے ساتھ عذر کرے کوئی کلمہ بے ادبی کا زبان سے نہ نکلے

مثلاً یوں عرض کر دے کہ حضور میں اس خدمت کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا اس وارد پر عمل نہ کرے عمل اس پر کرے جس کو شریعت جائز وارجح کرے کیونکہ اصل چیز شریعت ہی ہے اور شریعت کی تعلیم میں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ شریعت وہ چیز ہے جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچی ہے اور آپ کی شان وہ ہے کہ آپ کے متعلق ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ پس جو چیز آپ ہمارے لئے لائے ہیں وہ بھی سراسر رحمت ہی ہو گی باقی دوسرے علوم جو بلا حضورؐ کے واسطہ کے ہم تک پہنچیں خواہ وہ کشف کے واسطہ سے ہم تک پہنچیں یا الہام کے ذریعہ سے یا خواب کے ذریعہ سے ان میں سے کوئی علم خطرہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ امتی کو جو علم بواسطہ نبی کے پہنچی وہی اس کے لئے معتبر ہے اور وہی اس کے لئے خیر ہے اور علم اس کو بلاواسطہ نبی کے پہنچے خواہ وہ کشف ہو یا الہام وہ معتبر نہیں اور نہ وہ خطرہ سے خالی ہے بلکہ اس میں دو خطرے ہیں ایک خطرہ تو یہ ہے کہ اس شخص کو کبھی عجب پیدا ہو جاتا ہے یعنی ایسا شخص اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے دوسرے یہ اندیشہ ہے کہ اس تعلیم بلاواسطہ کو دیکھ کر کہیں وہ اپنے نبی سے یا اپنے شیخ سے اپنے آپ کو مستغنی نہ سمجھنے لگے اور اگر یہ دونوں خطرے نہ بھی ہوں تب بھی جو علوم بلاواسطہ وحی کے حاصل ہوں وہ معتبر نہیں کیونکہ خود ان کی ذات میں دونوں احتمال ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ شیطانی تصرف ہو چنانچہ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ سالک کو شیطان اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ اپنی قوت متخیلہ سے اس شخص کو ایک آسمان دکھلاتا ہے اور اس آسمان میں اس کو اجسام نورانیہ چلتے پھرتے دکھلاتا ہے اور ان کے منہ سے بعض امور خلاف شریعت سنتا ہے اور وہ شخص سمجھتا ہے کہ سچ مچ مجھ پر اس وقت عالم ملکوت منکشف ہو رہا ہے اور یہ جو صورتیں نظر آرہی ہیں یہ ملائکہ ہیں اور جو کچھ ان کے منہ سے نکل رہا ہے یہ الہام ہے حالانکہ وہ امور خلاف شرع ہوتے ہیں پس اگر اس سالک نے وحی کو جو کہ علم بواسطہ ہے اصل قرار دیکر احکام شریعت کے خلاف نہ کیا تب تو وہ خطرہ سے محفوظ رہتا ہے اور اگر وہ علوم بلاواسطہ کو معتبر سمجھتا ہے تو وہ ان خلاف شرع امور پر عمل کر بیٹھتا ہے جس کے سبب سے وہ بارگاہ حق سے مطرود و مردود ہو جاتا ہے اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست
ہشدارد گوش رابہ پیام سروش دار

راہ عشق سے مراد راہ باطن ہے اور پیام سروش سے مراد وحی ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان جب کسی کو دیکھتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا طالب ہے اور اس کے راستہ میں چلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور قدم قدم پر اس کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے پس اگر ایسے موقع پر تم شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ بس تم اپنے کان کو شریعت کی طرف لگائے رکھو اور وہ جو حکم دے اس پر عمل کرو تو تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک اور اہل علم تھے ان کا یہ قصہ ہے کہ ان کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں صاحب خدمت ہوں چنانچہ انہوں نے میرے پاس خط بھیجا اور اس کے اندر اپنی حالت کی مجھ کو اطلاع کی کہ میرا یہ خیال ہے کہ میں صاحب خدمت ہوں اور اس خط میں انہوں نے اپنے صاحب خدمت ہونے کے کچھ دلائل بھی لکھے تھے کہ ان وجوہ سے معلوم ہوا کہ میں صاحب خدمت ہوں میں نے ان کو جواب دیا کہ تم نے جو اپنے صاحب خدمت ہونے کے دلائل لکھے ہیں اور ان دلائل کی وجہ سے ہی تم اپنے آپ کو صاحب خدمت سمجھ رہے ہو تو یہی دلیل ہے اس کی کہ تم صاحب خدمت نہیں اس لئے کہ صاحب خدمت کو اپنے صاحب خدمت ہونے کا علم ضروری یعنی بلا استدلال ہوا کرتا ہے اور تم کو جو اب تک اپنے صاحب خدمت ہونے کا علم حاصل ہوا ہے وہ علم ضروری نہیں بلکہ علم استدلالی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تم صاحب خدمت نہیں۔ پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ بس جی اصل چیز شریعت ہے اور جب سے لوگوں نے شریعت پر دوسرے خیالات کو ترجیح دینا شروع کیا ہے اسی وقت سے دین کے اندر کمزوری پیدا ہو گئی ہے اور پختگی نہیں رہی۔ اس کے بعد ناقل ملفوظ نے عرض کیا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو جو نبوت پیش کی گئی تھی تو وہ حضرت لقمان علیہ السلام کی بلا کوشش اور بلا اختیار کے پیش کی گئی تھی تو ایسی صورت میں حضرت لقمان علیہ السلام نے عدم تحمل کے اندیشہ سے اس کے قبول سے کیوں عذر کیا اور یہ خیال کیوں نہ کیا کہ جب یہ خدمت میرے بلا اختیار مجھ کو سپرد ہو رہی ہے تو اس کے اندر غیب سے میری مدد بھی

ہو گی اور مجھ کو اس کا تحمل بھی عطا فرمادیا جائے گا لہٰذا مجھ کو چاہئے کہ میں اس کو قبول کرلوں اور عذر نہ کروں تو ارشاد فرمایا کہ چونکہ حضرت لقمان کو نبوت کے قبول وعدم قبول کا اختیار دے دیا گیا تھا تو اس اختیار کے بعد اگر حضرت لقمان نبوت کو قبول فرمالیتے تو اس صورت میں نبوت کا حصول حضرت لقمان کے قصد و اختیار سے ہوتا نہ کہ بلا اختیار دوسرے جب ان کو نبوت پیش ہوئی تو ایک تو انہوں نے اپنے اندر اس کا تحمل نہ دیکھا پھر ان کو اختیار بھی قبول و عدم قبول کا دے دیا گیا تھا تو اس لئے وہ نبوت کا تحمل عطا نہ ہونے سے وجداناً" یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے یہی زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اس خدمت سے عذر کروں اور بجائے نبوت کے حکمت کو اپنے لئے اختیار کروں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ کی مزید خوشنودی کی خاطر نبوت جیسی نعمت سے بھی عذر کردیا

اگر یہ شبہ ہو کہ جب غیب سے حضرت لقمان علیہ السلام کے لئے ترجیح اسی کو تھی کہ وہ نبوت کو قبول نہ کریں اور حضرت لقمان علیہ السلام نے نبوت عطا ہونے کے لئے کوئی درخواست بھی نہ کی تھی تو پھر حضرت لقمان علیہ السلام پر نبوت پیش ہی کیوں ہوئی تو جواب اس کا یہ ہے کہ ممکن ہے اس کے ذریعہ سے حضرت لقمان کے عجز و تواضع کا امتحان مقصود ہو۔ چنانچہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور جس طرح ان نوجوان طالب علم کو یہ حالات پیش آئے تھے اور اس وقت انہوں نے اپنی عقل پر اعتماد کے بجائے اپنے مربی کی تعلیم کا اتباع کیا تھا اور خطرہ سے محفوظ رہے۔ اور اگر یہ اس وقت خود رائی سے کام لیتے اور اپنی عقل و فہم پر اعتماد کر کے اپنی مربی کی تعلیم کا اتباع نہ کرتے تو اپنے دین و دنیا دونوں کا نقصان کرتے اسی طرح ہر مبتدی کو جب کوئی ایسی حالت جدید پیش آئے بھی چاہئے کہ وہ محض اپنی رائے سے اپنی اس حالت کا اتباع نہ کر بیٹھے بلکہ اپنے مربی کو اس کی اطلاع کرے پھر وہ مربی جو کچھ اس کے لئے تجویز کرے اس پر عمل کرے۔ اور چونکہ مبتدی ان حالات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس حالت کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے حالانکہ اس حالت کے ظاہری مقتضا پر عمل کرنا اس کے لئے مضر ہوتا ہے مگر چونکہ وہ اپنے نزدیک اس حالت کو اپنے لئے مفید سمجھے ہوئے ہے اس لئے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس حالت کے ظاہری مقتضاء پر عمل نہ کر بیٹھے جس کی وجہ سے کسی ظاہری یا باطنی مصیبت میں مبتلا ہو جائے اور کبھی

ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس حالت کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے مفید ہوتی ہے
مگر چونکہ وہ اپنے نزدیک اس کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہے اس لئے کبھی وہ کوئی ایسا فعل کر بیٹھتا
ہے کہ جس سے اس وارد غیبی کی ایک گونہ مخالفت ہو جاتی ہے اس لئے ہر حالت میں اس کو
اپنے مربی سے مشورہ لینا ضروری ہے نیز کبھی مبتدی میں احوال عالیہ کا تحمل نہیں ہوتا ایسے
مبتدی کو ایسے احوال کا پیش آنا جو محض منتہی کے شایان شان ہوں نہایت خطرناک ہوتا ہے لہٰذا
مبتدی کو ایسے احوال عالیہ کی تمنا بھی نہ چاہئے ورنہ اس مبتدی کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے کوئی
شیر خوار بچہ کسی نوجوان کو پلاؤ بریانی کھاتا دیکھ کر خود بھی بریانی اور پلاؤ کھانا چاہے اور دودھ چھوڑ
کر پلاؤ بریانی کھانے کو اپنی ترقی تصور کرے تو جیسے اس شیر خوار بچہ کے لئے اسی میں خیر ہے کہ
وہ فی الحال اپنی موجودہ غذا پر قناعت کرے اور کسی ایسی غذا کی خواہش نہ کرے کہ جس کا تحمل
صرف بڑے آدمی کے معدہ ہی کو ہو سکتا ہے اسی طرح اس مبتدی کو چاہئے کہ وہ منتہی کی حرص
کر کے اپنے لئے کسی ایسی حالت کا طالب نہ ہو کہ جس کا فی الحال وہ تحمل نہ کر سکے اور راز اس
میں یہ ہے کہ ہر وہ بات جو وقت سے پہلے واقع ہو جائے خطرناک ہوتی ہے اور یہ قاعدہ صرف
تربیت روحانی کے ساتھ مخصوص نہیں جو کہ تربیت جسمانی میں بھی اس کو تسلیم کر لیا گیا ہے
چنانچہ اطباء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر مریض کو ضعف کے بعد دفعۃً قوت آجائے تو وہ
قوت خطرناک ہے۔ چنانچہ میں اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک بار میں بیمار ہوا جب مجھ کو صحت
ہو گئی تو مجھ کو بہت ضعف تھا اور اتفاق سے اس وقت ایک جلسہ میں شریک ہونا پڑا اور بیان کی
درخواست کی گئی میں نے ضعف کا عذر کیا تو ایک طبیب نے ایک قوی ماء اللحم کی ایک خوراک
دیدی اس کے پینے سے مجھ کو فوری قوت محسوس ہونے لگی اور بیان شروع کر دیا مگر بیان کے
اندر ہی مجھ کو طاعونی بخار ہو گیا اور ایک عرصہ تک سخت تکلیف ہوئی۔ اور واقعی ہر بات کا
وقوع اپنے وقت اور موقعہ ہی پر خیر ہوتا ہے اور وقت سے پہلے خطرناک اور یہی راز تھا پہلے
مشائخ کے اس طرز کا کہ وہ طالبین کی تربیت کے اندر ترتیب و تدریج کی رعایت کرتے تھے یعنی
یہ نہ تھا کہ جو آیا اس کو ذکر و شغل تعلیم کر دیا بلکہ جس شخص کے لئے وہ اول مجاہدہ اور ریاضت
کی ضرورت سمجھتے تھے اس کو برسوں تک مجاہدہ اور ریاضت ہی میں مشغول رکھتے تھے ذکر کی
ہرگز تعلیم نہ کرتے تھے جب دیکھ لیتے تھے کہ اب کامل طور پر اس میں استعداد پیدا ہو گئی اس

کے بعد اس کو ذکر کی تعلیم کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس کو شروع سے ہی ذکر و شغل کی تعلیم کی گئی تو چونکہ یہ ریاضت اور مجاہدہ کئے ہوئے نہیں ہے اس لئے ذکر سے اس کے اندر کبر و عجب پیدا ہو جائے گا اور بجائے نفع کے اس کو نقصان پہنچے گا۔ یہاں تک کہ بعض بزرگوں نے تو طالبین کو بارہ بارہ سال تک صرف مجاہدات ہی میں مشغول رکھا ہے اور جب ان کو اطمینان ہو گیا ہے کہ اب طالب کے نفس کے اندر کامل تواضع اور شکستگی پیدا ہو گئی ہے اس کے بعد اس کو ذکر کی تعلیم کی ہے اب چونکہ یہ شخص پہلے سے ریاضت اور مجاہدہ کئے ہوئے ہوتا تھا اور ان مجاہدات کی وجہ سے اس کے اندر استعداد اور قابلیت پیدا ہو چکی ہوتی تھی تو اس وقت جب ذکر کی تعلیم کی جاتی تھی تو پھر ایسے شخص کے اندر ذکر کا اثر بھی بہت جلد ہوتا تھا اور جن لوگوں کو ان مجاہدات کی خبر نہیں ہوتی صرف ذکر و شغل ہی کی مدت کو دیکھ لیتے ہیں ان لوگوں کو اس شخص کی حالت پر تعجب ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اس کو تو اتنی جلدی نفع ہو گیا اور ہم لوگ باوجود مدت دراز کی مشغولی کے ابھی تک محروم ہی ہیں چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بہت سے ذاکرین شاغلین رہتے تھے ایک بار ایک شخص کہیں باہر سے ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضورؒ سے میں اپنے نفس کی اصلاح کرانا چاہتا ہوں لہٰذا مجھ کو بھی اپنے خدام کے زمرہ میں داخل فرمالیا جاوے اور اپنی خدمت میں قیام کی اجازت دی جاوے شیخ نے اس کی درخواست کو منظور کر لیا اور دوسرے طالبین کی طرح اس کو بھی اپنی خدمت میں قیام کی اجازت دیدی چنانچہ وہ شخص وہاں رہ کر اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو گیا اور جو حالت نئی پیش آتی اس کی شیخ کو اطلاع کرتا اور جو کچھ وہ تعلیم فرماتے اس پر عمل کرتا تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ایک دن ان بزرگ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہاں قیام سے جو تمہارا مقصود تھا وہ بفضلہ تعالیٰ تم کو حاصل ہو گیا لہٰذا یہاں قیام کی اب تم کو چنداں ضرورت نہیں اور اس کے بعد اس کو خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمادیا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت شیخ سے رخصت ہو کر وطن کو واپس ہو گیا اب جو دوسرے طالبین برسوں پہلے سے شیخ کی خدمت میں حاضر تھے اور حضرت شیخ سے اپنی اصلاح کرا رہے تھے ان کو بڑا خیال ہوا کہ کیا بات ہے ہم کو تو اتنے دن کام کرتے ہوئے ہو گئے مگر اس درجہ کا نفع نہ ہوا اور اس شخص کو چند ہی روز میں سب کچھ عطا ہو گیا اور

اس مثل کو یاد کیا کہ پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہو معلوم ہوتا ہے حضرت شیخ کو ہماری طرف توجہ نہیں اب اتنی ہمت تو کس کی تھی کہ حضرت شیخ سے اپنے اس وسوسہ کی اطلاع کرتا بس دل ہی دل میں افسوس کر کے رہ گئے مگر۔

بندگان خاص علام الغیوب درمیان شان جواسیس القلوب

کشف سے شیخ کو بھی ان طالبین کے اس وسوسہ پر اطلاع ہو گئی اور انہوں نے ان طالبین کے اس شبہ کا جواب حکیمانہ طریقہ سے دینا چاہا چنانچہ انہوں نے اپنے مریدین کو حکم دیا کہ جنگل جا کر کافی تعداد میں گیلی لکڑیاں اکٹھی کر کے ہمارے پاس لاؤ چنانچہ خدام حکم بجالائے اور کافی تعداد میں گیلی لکڑیاں جمع کر کے حاضر کر دیں حضرت شیخ نے حکم دیا کہ ان لکڑیوں کو جلاؤ خدام نے ان لکڑیوں میں آگ سلگانا شروع کی چونکہ وہ لکڑیاں کافی گیلی تھیں اس لئے اول اول تو ان میں آگ کا اثر ہی نہ ہوا جب ایک عرصہ گذر گیا اور نہایت کوشش اور محنت کی گئی تب جا کر ان لکڑیوں میں کچھ آگ لگی۔ اس کے بعد شیخ نے حکم دیا کہ اچھا اب سوکھی لکڑیاں لاؤ چنانچہ خدام سوکھی لکڑیاں لائے شیخ نے حکم دیا کہ اچھا اب ان کو جلاؤ چنانچہ ان لکڑیوں میں بھی آگ سلگائی گئی سو وہاں کیا دیر تھی بس ایک دیا سلائی دکھانا تھی کہ ساری لکڑیوں میں آگ پڑ گئی اور ذرا سی دیر میں وہ سب لکڑیاں جل بھن کر راکھ ہو گئیں اب حضرت شیخ نے ان طالبین سے ان کی تعلیم و تفہیم کی غرض سے دریافت کیا کہ بھائی کیا بات ہے پہلی لکڑیوں میں تو تم نے اتنی کوشش کی مگر آگ نہ لگی اور یہ بعد کی لکڑیاں ذرا سی دیر میں جل بھن کر ختم ہو گئیں۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت پہلی لکڑیاں چونکہ گیلی تھی اس لئے نہ جلیں اور یہ بعد کی لکڑیاں چونکہ سوکھی تھیں اس لئے ان میں فوراً ہی آگ لگ گئی شیخ نے فرمایا کہ درست ہے اور اب ہم تم کو اصل حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ یہ جو ہم نے گیلی اور سوکھی لکڑیاں جمع کرا کر ان کو جلانے کا حکم دیا تو اس سے ہمارا مقصود تمہارے ایک شبہ کا جواب دینا ہے وہ یہ کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ فلاں شخص نے جو یہاں آکر ہمارے خدمت میں قیام کیا اور تھوڑے ہی دنوں بعد اس پر حق تعالیٰ نے فضل فرمایا اور وہ کامیاب ہو گیا تو تم کو اس شخص کی اس حالت پر تعجب ہوا اور اس واقعہ سے ہمارے متعلق تم کو یہ شبہ ہوا کہ ہم کو تمہاری طرف پوری توجہ نہیں سو یاد رکھو کہ یہ خیال تمہارا بالکل غلط ہے بلکہ ہم کو جیسی توجہ اس شخص کی طرف تھی ویسی ہی

تمہاری طرف ہے مگر باوجود اس کے پھر جو وہ جلد کامیاب ہو گیا اور تم کو دیر لگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کا حال تو گیلی لکڑیوں کا سا ہے اور وہ شخص جو آیا تھا وہ سوکھی لکڑی تھا۔ یعنی اس شخص کے اندر بھی گو مثل تمہارے اول اول رذائل نفس کی رطوبات موجود تھیں مگر وہ شخص اپنی ان رطوبات کو مجاہدات و ریاضت اختیار یہ یا اضطراریہ کی حرارت سے یہاں پہنچنے سے مدتوں پہلے فنا کر چکا تھا جس کی وجہ سے وصول حق کی اس کے اندر کافی استعداد پیدا ہو چکی تھی اس لئے ہماری تعلیمات کا اثر اس کے اندر زیادہ ہوا اور وہ شخص جلد کامیاب ہو گیا بخلاف تمہارے کہ تم نے چونکہ یہاں آنے سے قبل کبھی ریاضت و مجاہدہ کی حرارت کا مزہ ہی نہ چکھا تھا اس لئے جب تم ہمارے پاس پہنچے تو تمہارا وہ حال تھا جو ایک گیلی لکڑی کا ہوتا ہے اس لئے ہم کو اتنے دن کوشش کرتے ہوئے گذرے مگر ابھی تک تو تمہارے اندر سے رذائل نفس کی وہ رطوبات ہی خشک نہیں ہو چکیں جس سے استعداد تام وصول کی پیدا ہوتی پھر وصول کہاں تو اس نووارد کی جلد کامیابی اور تمہاری دیر میں کامیابی کی وجہ یہ تھی پس اگر غور کرو تو نہ ہماری توجہ میں کچھ کمی ہوئی اور نہ تم کو وصول میں کچھ دیر لگی لہٰذا مایوسی اور گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ جاؤ اور باطمینان اپنے معمولات میں مشغول رہو ایک دن وہ آئے گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم پر بھی حق تعالیٰ کا ایسا ہی فضل ہو گا جیسا اس شخص پر ہوا۔ خدام نے جو اپنے شیخ کا یہ ارشاد سنا تو ان کی بہت تسلی ہوئی اور ان کو جو شبہ ہوا تھا کہ شیخ کو ہماری طرف توجہ نہیں بالکل رفع ہو گیا اور اب وہ پہلے سے زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ لوگ بھی دولت وصول سے سرفراز فرمادئے گئے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ فلاں شخص کو فلاں بزرگ نے ایک نظر میں کامل کر دیا سب غلط ہے بلکہ سب کو اول مجاہدہ و ریاضت کرنا پڑتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بعض لوگ شیخ کی تربیت میں پہنچ کر مجاہدات کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے شیخ کی خدمت میں پہنچنے سے قبل ریاضت اور مجاہدہ سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں تو ان آخر الذکر لوگوں کو دیکھ کر یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو بلا مجاہدہ حصول کمال ہو گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلا مجاہدہ و محنت "کسی کو حصول کمال نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کتابوں میں ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہوا ہے کہ ان کے یہاں ایک بار مہمان آئے ان مہمانوں

کے لئے ان بزرگ کو کھانا پکوانے کی ضرورت ہوئی اور سامان تھا نہیں تو ایک طباخ نے عرض کیا کہ حضور کے مہمانوں کے لئے آج میں کھانا حاضر کروں گا چنانچہ وقت پر جب اس نے کھانا حاضر کیا تو وہ بزرگ اس طباخ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو جو تم مانگو کے وہی دیا جائے گا اس نے عرض کیا کہ حضور میں یہ چاہتا ہوں کہ جیسے آپ ہیں ویسا ہی مجھ کو بھی بنا دیں ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاں بیشک ہم یہ بھی کر سکتے ہیں مگر ہم تمہاری خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ تم ایسی بات کی درخواست ہم سے مت کرو جس کا تم کو تحمل نہ ہو سکے۔

آرزومی خواہ لیک اندازہ خواہ برنتابد کوہ رایک برگ کاہ

تم کو اس حالت کا تحمل نہ ہو سکے گا مگر اس طباخ نے نہ مانا آخر جب اس نے زیادہ اصرار کیا ان بزرگ نے اس کو الگ ایک کوٹھڑی میں لے جاکر توجہ اتحادی دی چنانچہ جب وہ بزرگ اور وہ طباخ دونوں اس کوٹھڑی سے باہر آئے ہیں اور لوگوں کی نظر ان دونوں پر پڑی ہے تو لوگ یہ نہ پہچان سکے کہ ان میں سے کون طباخ ہے اور کون وہ بزرگ ہیں صورت تک میں اس توجہ کا اتنا اثر ہوا تھا باطنی احوال میں جو کچھ تغیر ہوا ہو اس کا تو کہنا ہی کیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا مجاہدہ محض تصرف کے ذریعہ سے بھی دفعۃً حصول کمال ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے تصرف سے کچھ کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جو مقصود نہیں قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا جو کہ مقصود ہے پھر یہ کیفیات بھی جو کہ توجہ سے پیدا ہوتی ہیں دیرپا نہیں ہوتیں تیسرے ایسی توجہ سے طالب کو بوجہ ضعف قوی طبعیہ بعض مرتبہ کوئی ضرر جسمانی پہنچ جاتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ وہ طباخ اس توجہ کے بعد زندہ نہیں رہا بلکہ کوٹھڑی میں سے نکلنے کے تھوڑے عرصہ کے بعد مر گیا بلکہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت ابراہیم ابن ادہم کے صاحبزادے محمود کے انتقال کی توجیہ بھی یہی فرمائی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتابوں میں حضرت ابراہیم ابن ادھم کے صاحبزادے کا قصہ لکھا ہوا ہے کہ جب وہ مکہ معظمہ اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت ابراہیم کی نظر ان صاحبزادے پر پڑی تو فوراً ہی ان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو ان صاحبزادے کے انتقال کی وجہ بعض مصنفین غیر محققین نے تو اور کچھ بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی نظر ان صاحبزادے پر پڑی تو چونکہ مدت تک باپ بیٹے میں جدائی

رہی تھی تو اس لئے حضرت ابراہیم نے جب اپنے صاحبزادے کو دیکھا تو شفقت و محبت پدری کا جوش ہوا تو اس وقت حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ۔

حب حق ہو دل میں یا حب پسر
جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

اس وجہ سے حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ بار الہایا تو مجھ کو موت دے دیجئے یا اس کو چنانچہ صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ مگر اصول شرعیہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وجہ غلط ہے۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ محبت جو صاحبزادے کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کے قلب میں پیدا ہوئی تھی حضرت حق کی محبت پر غالب تھی یا نہ تھی اگر کہا جاوے کہ غالب تھی تو ایسی محبت کا قلب میں جگہ دینا حضرت ابراہیم کی شان سے بالکل بعید تھا اور اگر کہا جاوے کہ وہ محبت حضرت حق کی محبت پر غالب نہ تھی بلکہ مغلوب تھی تو ایسی محبت کس کے لئے مضر نہیں حتی کہ انبیاء کو بھی ایسی محبت سے نہیں روکا گیا تو اولیاء کا درجہ تو بعد ہی میں ہے۔

چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جتنی محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی سب کو معلوم ہے مگر کہیں ثابت نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس سے منع فرمایا گیا ہو بلکہ اولاد کی ایسی محبت جو حضرت حق کی محبت پر غالب نہ ہو ہر مسلمان کے لئے محمود ہے کیونکہ اولاد کے حقوق کا ادا کرنا مامور بہ ہے اور یہ محبت اس کی معین ہے لہٰذا حضرت ابراہیم کے لئے بھی ایسی محبت سے ممانعت کی کوئی وجہ نہ تھی البتہ ہمارے حضرت حاجی صاحب نے ان صاحبزادے کے متعلق جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ نہایت لطیف ہے وہ یہ کہ جب یہ صاحبزادے حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان پر حضرت ابراہیم کی نظر پڑی تو شفقت پدری کو جوش ہوا اور چاہا کہ جیسا میرا بیٹا دولت ظاہری سے مالا مال ہے اسی طرح دولت باطنی سے بھی محروم نہ رہے بلکہ اس کے اندر بھی بلا مشقت دفعۃً اس کو کمال حاصل ہو جاوے لہٰذا انہوں نے ان صاحبزادے کو توجہ دی اور جوش محبت میں یہ خیال رہا نہیں کہ اس کا تحمل بھی اس کو ہو سکے گا یا نہیں تو چونکہ وہ توجہ نہایت قوی تھی اس لئے وہ صاحبزادے اس توجہ کی تاب نہ لا سکے اور فوراً جاں بحق ہو گئے تو توجہ کے ذریعہ سے جو دفعۃً بلا مجاہدہ کوئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس میں خطرہ ہوتا ہے مضرت کا غرضُہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ بلا مجاہدہ کوئی کامل

نہیں ہوتا۔ ہمارے حیدر آبادی ماموں صاحب نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کرتا ہے کہ علماء جو مشائخ سے تربیت باطنی کراتے ہیں انہوں نے جہاں کام کرنا شروع کیا اور ان کو نفع ہونا شروع ہوا اور ہم لوگوں کو مدتیں گذر جاتی ہیں اور نفع نہیں ہوتا حالانکہ یہ علماء زیادہ ریاضت و مجاہدہ بھی نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ یہ خیال صحیح ہے کہ علماء کو اول ہی دن نفع شروع ہو جاتا ہے اور غیر عالم کو نہیں ہوتا اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ علماء مجاہدہ نہیں کرتے کیونکہ علماء جو یہ درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں اور پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ سب مجاہدہ ہی تو ہے تو ان کا مجاہدہ اور ان کا سلوک تو اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے کہ جب سے یہ اول کتاب پڑھنا شروع کرتے ہیں اور جب تک درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں برابر مجاہدہ ہی رہتا ہے تو علماء کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی مجاہدہ ہی سے حاصل ہوتا ہے ایسا کوئی نہیں جس کو بلا مجاہدہ حصول کمال ہوا ہو (الاماشاء اللہ) لہٰذا سالک کو چاہئے کہ وہ صبر و استقلال و یکسوئی کے ساتھ اپنے شیخ کی تعلیمات پر عمل کرتا رہے جب وقت آئے گا تو مقامات و احوال میں سے جو کچھ اس کے لئے مناسب ہو گا وہ خود بخود اس کو عطاء ہو جائے گا۔

اطلاع۔ المبلغ میں شروع سے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی کے مواعظ حسنہ شائع ہوتے تھے جب مواد ملنا بند ہو گئے تو حضرت والا دام ظلہم کے ملفوظات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا اتفاق سے ایک وعظ صاف ہو کر دستیاب ہو گیا لہٰذا فی الحال ملفوظات کا سلسلہ بند کر کے پہلے اس وعظ کو شائع کیا جاتا ہے اس وعظ کے ختم پر انشاء اللہ پھر سلسلہ ملفوظات کا شروع کر دیا جاوے گا۔ احقر مدیر۔

(۱۰۳) طریق سے مناسبت کے بعد مواعظ وملفوظات سے امراض نفس کا علاج خود کر سکتا ہے

ایک بار مجلس کے اندر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر حضور والا کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کے وقت ان مواعظ و ملفوظات میں امراض نفس میں سے کسی مرض کا علاج دیکھنے میں آئے اور اس مطالعہ کرنے والے کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ مرض میرے نفس کے اندر موجود ہے ۔مثلاً" کسی وعظ میں مرض تکبر کا بیان ہو اور اس کے اندر اس مرض کا علاج بھی بیان کیا گیا ہو اور اس مطالعہ کرنے والے کو معلوم ہو کہ میرے اندر بھی یہ مرض تکبر

موجود ہے جس کا علاج ضروری ہے تو کیا وہ شخص اس نفسانی مرض کے نسخہ کو حضور کے مواعظ و ملفوظات میں دیکھ کر اس کا استعمال شروع کردے اور حضور کو یا اس کے مرشد کوئی دوسرے بزرگ ہوں تو ان کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں یا بلا اپنے شیخ سے دریافت کئے اس علاج کا جو کہ اس مرض نفسانی کا اس نے دیکھا ہے استعمال نہ کرے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کو طریق باطن سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں۔ اور اس کو اس علاج میں کسی قسم کا تردد اور اشکال تو در پیش نہیں اگر وہ ایسا ہے کہ اس کو طریق سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی ہے اور اس کو اس علاج کے متعلق کوئی تردد بھی نہیں ہے تب تو اس کو اس علاج کا استعمال کر لینا چاہئے اور اپنے شیخ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس شخص کو ابھی کافی مناسبت طریق سے پیدا نہ ہوئی ہو یا اس کو اس علاج میں کوئی تردد ہو مثلاً وہ علاج ایسا ہو کہ جو عام طور پر تو مناسب ہو مگر اس خاص شخص کی حالت پر نظر کر کے وہ علاج اس کے لئے مناسب نہیں مثلاً یہ شخص غیر معمولی حد تک لطیف المزاج ہو اور اس علاج کا اسکو تحمل نہ ہو سکے یا یہ شخص غیر معمولی درجہ میں قوی المزاج ہو کہ اس خاص شخص کی حالت پر نظر کر کے اس مرض کے لئے اس سے زیادہ قوی علاج کی ضرورت ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اس علاج کو استعمال نہ کرے بلکہ اس مرض کا علاج اپنے شیخ سے دریافت کرے۔ اور وہ شخص جس کو طریق سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی ہو تو اول تو اس مرض کے علاج کے متعلق اپنے شیخ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں اگر وہ شخص اپنے شیخ پر اپنی یہ حالت ظاہر بھی کرے تو بطور اطلاع کے ظاہر کرے یعنی اس اظہار کی صورت اور عنوان ایسا ہو کہ جیسے کہ ایک اطلاع کا ہوا کرتا ہے۔ مثلاً" اس طرح لکھے کہ میرے اندر فلاں مرض ہے۔ مثلاً" تکبر ہے یا حب دنیا ہے اور اس کا علاج فلاں وعظ یا ملفوظ میں میں نے یہ دیکھا ہے اور اس علاج کو میں نے اپنی حالت اور مرض کے مناسب خیال کر کے اس کا استعمال شروع کر دیا ہے لیکن اگر یہ فعل میرا نامناسب ہو تو براہ کرم مطلع فرما دیا جاوے تو اس طرح اس واقعہ کو بطور اطلاع کے شیخ کو لکھ دے بطور دریافت کے نہ لکھے کہ اس کا کیا علاج کروں کیونکہ ایسی صورت سے دریافت کرنے میں مصلح کی طبیعت پر بلا ضرورت بار پڑتا ہے کیونکہ اس طرز میں مصلح کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور اس کو از سر نو تمام پہلوؤں پر غور کر کے جواب دینا ہوتا ہے اور دوسری خرابی اس دریافت کے طرز میں یہ ہے کہ انسان کی طبیعت کا رنگ ہر وقت یکساں نہیں رہتا بلکہ ہر زمانہ میں جداگانہ

ہوتا ہے تو جس شیخ کے مواعظ و ملفوظ میں وہ علاج دیکھا ہے اگر اس شیخ سے پھر اسی مرض کا علاج دوبارہ دریافت کیا گیا تو ممکن ہے کہ شیخ کی سمجھ میں اس وقت اس مرض کا علاج کوئی دوسرا آئے تو شیخ کے کلام میں بظاہر اس سائل کو تعارض کا شبہ ہوگا اور طالب چونکہ حقیقت سے واقف نہیں اس لئے شیخ کے اس فعل پر طالب کے دل میں ایک گونہ اعتراض پیدا ہوگا کہ پہلے یوں فرمایا تھا اب یوں فرماتے ہیں اس اعتراض سے اندیشہ ہے کہ اس کو اپنی مربی کے ساتھ اعتقاد میں ضعف ہو جائے اور اس ضعف اعتقاد کے سبب سے وہ اس سے استفاضہ میں کمی کر دے جس کا نتیجہ طالب کے لئے فیوض باطنی سے محرومی ہو۔

فرمایا اس طریق باطنی میں جب کوئی شیخ و مربی اپنے مرید یا متعلق کی تربیت باطنی کرتا ہے تو اس وقت اگر اس مرید و طالب سے کوئی فعل ایسا ظاہر ہو کہ جو مذموم اور قابل اصلاح ہو تو وہ شیخ اس مرید کے اس مرض کی اصلاح کرتا ہے اور اس فعل پر اس کو تنبیہ کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس تنبیہ کے اندر اس مصلح اور مربی سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اور اس غلطی کی صورت بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ اس تنبیہ کے اندر مصلح کو حد سے تجاوز ہو جاتا ہے۔ اور اس تجاوز عن الحد کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مثلاً کوئی شیخ ہے اس کو مختلف طالبین کی طرف سے اتفاق سے ایک ہی وقت میں مختلف اور متعدد اذیتیں پہنچیں۔ جس سے اس کا دل خستہ اور زخمی ہو رہا تھا کہ اسی وقت کسی شخص نے اس کو پھر کوئی اذیت پہنچائی تو گو وہ اذیت جو اس شخص نے شیخ کو پہنچائی ہے فی نفسہ خفیف ہو مگر چونکہ شیخ کے قلب پر ابھی چوٹ لگ چکی

تھی جس سے اس کا قلب پہلے سے ہی زخمی ہو رہا تھا کہ اسی وقت اس کو پھر کوئی جدید تکلیف پہنچی تو گویا چوٹ پر چوٹ لگی تو ایسی حالت میں اس تکلیف کا اثر اگرچہ وہ تکلیف فی نفسہ خفیف ہی کیوں نہ ہو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ کسی سخت سے سخت اذیت کا ہوتا اس لئے اس متاذی سے ایسے وقت میں اس ایذا دہندہ کو جواب دینے میں یا اس ایذا دہندہ سے انتقام لینے میں بعض مرتبہ حد سے تجاوز ہو جاتا ہے۔ تو اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اس مصلح اور شیخ کو اس مرید سے معافی مانگنا چاہئے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مصلح کو اور شیخ کو یہ نہ چاہئے کہ طالب سے صریحاً معافی چاہے کیونکہ گو اس کے اندر شیخ کا کوئی نقصان نہ ہو بلکہ شیخ کی تو اس میں اور خوبی ہوگی مگر شیخ کے اس فعل سے اس طالب کا نقصان ہے اور اس طالب کے بگڑ جانے

کا اندیشہ ہے کہ اگر شیخ نے اس سے صریحاً" معافی مانگی تو ممکن ہے اس طالب کے اندر کبرو عجب پیدا ہو جائے کہ ہماری اتنی بڑی شان ہے کہ ہمارے شیخ نے ہم سے معافی مانگی۔ بلکہ شیخ کو چاہئے کہ اس طالب کے ساتھ برتاؤ ایسا کرے اور اس کے ساتھ ایسی ملاطفت کرے جس سے وہ طالب بہ ظاہر خوش ہو جائے۔ بس اتنا کافی ہے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ اسی طرح تعلیم ظاہری میں بھی استاد کو شاگرد پر تنبیہہ کرنا ضروری ہوتا ہے تو اس کے اندر بھی بعض اوقات تنبیہہ کرنے میں استاد سے شاگرد پر زیادتی ہو جاتی ہے یعنی جتنی سزا اس غلطی کی ہوتی اس سے تجاوز ہو جاتا ہے تو استاد کو شاگرد سے صریحاً" معافی نہ مانگنا چاہئے کہ اس سے شاگرد پر برا اثر پڑے گا بلکہ استاد کو چاہئے کہ جب ایسا اتفاق ہو تو اس شاگرد کے ساتھ برتاؤ ایسا کرے کہ جس سے وہ شاگرد خوش ہو جائے اور اگر کسی استاد کا اپنے شاگرد سے صریحاً معافی مانگنے کو بہت ہی دل چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ شاگرد اس استاد سے پڑھ لکھ کر فارغ ہو جائے اور اپنے یہاں سے اس شاگرد کی تکمیل ہو جائے تو اس وقت اس شاگرد سے گذشتہ زیادتیوں کی معافی مانگ لے تو مضائقہ نہیں چنانچہ مولانا فتح محمد صاحب جو ابتدائی کتابوں کے میرے استاد تھے انہوں نے میرے ساتھ ایسا ہی کیا کہ ایک بار جس زمانہ میں میں ان سے تھانہ بھون میں پڑھا کرتا تھا اس زمانہ میں ان سے کسی نے میری غلط شکایت کر دی بزرگوں کو چونکہ ہر شخص کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اس لئے مولانا نے ان کی روایت کو سچا سمجھ کر مجھ کو تنبیہہ فرمائی اور اس کے اندر حدود سے تجاوز ہو گیا تو اس زمانہ میں تو مولانا نے مجھ پر اس کا کچھ اظہار نہ فرمایا جب میں مولانا سے پڑھ کر دیوبند گیا تو جب دیوبند سے فارغ ہو کر تھانہ بھون آیا اس وقت مولانا فتح محمد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بھائی اگر مجھ سے تعلیم کے زمانہ میں کچھ زیادتی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا میں نے ہرچند عرض کیا کہ آپ تو میرے استاد تھے آپ کی میرے اوپر کیا زیادتی ہوتی اور اگر ہو بھی تو یہ سب کچھ اسی کی برکت ہے مگر مولانا فتح محمد صاحب نے میری ایک نہ مانی اور جب تک میری زبان سے معافی کا لفظ نہ کہلوا لیا اس وقت تک مولانا کو چین نہ آیا۔ اسی سلسلہ میں ایک قصہ بیان کیا کہ گنگوہ میں ایک حافظ صاحب کیرانہ کے رہنے والے تھے جو بچوں کو پڑھایا کرتے تھے ان کی یہ عادت تھی کہ جب ان سے کسی بچہ پر زیادتی ہو جاتی تو وہ اس شاگرد سے معافی مانگا کرتے اور صرف زبانی ہی نہیں بلکہ اس شاگرد سے کہتے کہ تو مجھ

سے بدلہ لے اور جیسے میں نے تجھے مارا ہے اسی طرح تو مجھے مار۔ چنانچہ بعضے بے حیا لڑکے ان کو مارتے بھی۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ ایک بار ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض مرتبہ مجھے اپنے ملازمین پر ڈانٹ ڈپٹ میں حد سے زیادتی ہو جاتی ہے تو کیا میں اپنے ملازمین سے اپنی اس خطا کی معافی مانگ لیا کروں۔ حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اپنے ملازمین سے صریحاً معافی مانگنا مناسب نہیں کہ اس سے ان کے گستاخ ہو جانے کا اندیشہ ہے البتہ جب زیادتی ہو جایا کرے تو اس کے بعد ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کر دینا چاہیے البتہ جب وہ ملازم تمہاری ملازمت سے برطرف ہو کر جانے لگے تو اس وقت اس سے زبانی طور پر بھی کہا سنا معاف کرا لے۔ اور یہ سب اجتہادی احکام ہیں اگر اس کے خلاف تحقیق ہو اس پر عمل کیا جاوے۔

(۱۰۵) طریق باطن ہی سب سے اہم چیز ہے

فرمایا اس طریق باطن میں سب سے اہم چیز نفس کی اصلاح ہے۔ یعنی خواہ کوئی مرید ہو یا شیخ کسی شخص کو اپنے نفس کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ جیسے ایک مرید پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اسی طرح شیوخ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتے رہیں۔ اس طریق میں یہ اصلاح نفس ایک ایسا کام ہے کہ جو ساری عمر کا دھندا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اول تو آج کل شیوخ اپنے آپ کو اصلاح سے مستغنی سمجھتے ہیں الا ماشاء اللہ اور جن شیوخ کو اپنے نفس کی نگرانی کی طرف کچھ توجہ بھی ہوتی ہے تو ان کے اندر ایک دوسری کمی ہے وہ یہ کہ وہ اپنے نفس کے متعلق ہر موقعہ پر اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں اور خواہ ان کو اپنی باطنی حالت کے متعلق کتنا ہی بڑے سے بڑا اشکال پیش آئے اور خواہ وہ اشکال ان سے پورے طور پر حل بھی نہ ہو سکے مگر پھر بھی خود ہی اپنی اس حالت کے متعلق کچھ تجویز کر کے اسی کو کافی سمجھ لیتے ہیں اور اس پر قناعت کر لیتے ہیں۔ اور کسی دوسرے پر اس اشکال کو ظاہر نہیں کرتے اور اس سے اس اشکال کو حل نہیں کرتے۔ حالانکہ طب ظاہری میں ہر شخص جانتا ہے کہ ایک طبیب خواہ وہ کتنا ہی بڑا طبیب ہو مگر اپنا علاج خود نہیں کر سکتا بلکہ وہ خود بیمار پڑے گا تو اپنے علاج کے لئے اس کو کسی دوسرے ہی طبیب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ بس یہی حال طب باطنی یعنی طریق باطنی کا ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی شیخ اگرچہ وہ خود کامل ہو مگر اپنے

اصلاح وہ خود نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنی اصلاح کے لئے اس کو کسی دوسری طرف رجوع کرنا ہوگا۔ لہٰذا شیوخ کو چاہیے کہ جب ان کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اس کو اپنے سے بڑے شخص سے دریافت کیا کریں اگرچہ وہ شخص جس کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا جاوے اپنے سلسلہ کا نہ ہو بلکہ کسی دوسرے سلسلہ کا ہی ہو مگر یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جس سے یہ استفادہ کیا جاوے اہل حق میں سے ہو اور اہل باطل سے نہ ہو۔ اور اگر کوئی بڑا (خدا تعالیٰ نخواستہ) نہ ہو تو پھر یہ کرے کہ اپنے چھوٹوں میں سے متعدد اشخاص کے سامنے اس کو ظاہر کرکے اس امر کے متعلق ان سے مشورہ کرے اور مشورہ کے بعد غور کرے کہ ان میں سے کس کا مشورہ دل کو لگا ہے پھر علم ضروری کے طور پر دل کو لگا ہے اور حق تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ کسی نہ کسی کا مشورہ دل کو علم ضروری کے طور پر ضرور لگ جاتا ہے اور اس کے صواب ہونے پر قلب کو پورا پورا اطمینان ہو ہی جاتا ہے بس ان چھوٹوں سے جس کا مشورہ علم ضروری کے طور پر دل کو لگے اس پر عمل کرے۔

ایک بار حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے اسی مسئلہ مذکور کی تحقیق فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی سے بیعت تھے اور ایک مستقل شیخ تھے۔ مگر باجود اس کے جب شاہ عبدالغنی صاحب کا انتقال ہو گیا تو شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ میری تو تکمیل ہو چکی ہے اب مجھ کو کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ شاہ عبدالغنی صاحب کے بعد وہ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ بعض لوگوں نے جب عرض کیا کہ حضرت آپ تو خود مستقل شیخ ہیں آپ کو اب کیا ضرورت تھی تو شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ بھائی آدمی جب تک زندہ رہے اس کو چاہئے کہ سر پر کسی نہ کسی بڑے کو موجود رکھے۔ پہلے میرے شیخ موجود تھے اس لئے ضرورت نہ تھی اب جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بڑا نہ میسر ہو تو کسی چھوٹے ہی کو مشورہ میں شریک کر لینا چاہئے خواہ بعد مشورہ لینے کے ترجیح اپنی ہی رائے کو دے اور عمل اپنی ہی رائے پر کرے مگر مشورہ تو کر لے۔ مقصود یہ ہے کہ اپنے کو آزاد نہ رکھے۔

(۱۰۶) جاہ عند الخالق بھی مذموم ہے

ایک بار ایک شخص نے عرض کیا کہ طلب جاہ عند الخالق جس کو بعض عارفین نے مذموم قرار دیا ہے کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک تو ہے درجات قرب میں سے کسی درجہ کا اپنے نفس کو مستحق سمجھنا کہ ہمارے اعمال ایسے کامل ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم ایسے درجات کے مستحق ہو گئے ہیں یہ درجہ جاہ عند الخالق کا تو مذموم ہے اور ایک ان درجات قرب کا اپنے نفس کو محتاج سمجھ کر ان کے حصول کی تمنا اور دعا کرنا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالی سے جب تم مانگو تو جنت الفردوس مانگو یہ محمود اور مامور بہ ہے کیا یہ صحیح ہے ارشاد فرمایا کہ ہاں صحیح ہے اور جاہ عند الخالق جو مذموم ہے اس کی حقیقت یہی ہے اور اس کی مذمت بطور حال کے اس وقت سمجھ میں آتی ہے کہ جب حق تعالی کسی کو تواضع نصیب فرماتے ہیں بلکہ جس کو حقیقی تواضع نصیب ہو جاتی ہے اس شخص کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ درجات قرب کا اپنے آپ کو مستحق سمجھنا تو کجا یہ شخص تو اس کو بھی غنیمت سمجھتا ہے کہ جوتیوں سے نجات ہو جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اس کی ایک نہایت اچھی مثال تجویز کی ہے جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ بندہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی مرتبہ کا مستحق سمجھے وہ مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص ہے جو کہ مفلس اور قلاش اور لنگڑا لولا اندھا گنجا ہے وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے کہ فلاں شہزادی جو کہ اتنی حسین و جمیل ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں مجھ پر عاشق ہو جائے پس جیسے یہاں ہر شخص جو ذرا بھی عقل رکھتا ہوگا اس شخص کے اس خیال کو اس شخص کی اعلی درجہ کی حماقت کہے گا۔ اسی طرح بندہ کا یہ خیال کہ میں درجات قرب کا مستحق ہوں محض حماقت ہے کیونکہ جیسے وہ لنگڑا لولا فقیر اس حسین و جمیل شہزادی کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ بندہ حق تعالی شانہ کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہے۔ پس جب ایک انسان کو دوسرے انسان کے مقابلہ میں اس دعوی استحقاق کا کوئی حق نہیں تو حق تعالی کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کسی مرتبہ کا کیسے مستحق سمجھا جا سکتا ہے لہذا جاہ عند الخالق بایں معنی جیسے کہ شرعاً مذموم ہے کہ ناشی ہے تکبر سے اسی طرح عقلاً بھی قبیح ہے۔

(۱۰۷) ایک صاحب کا مقام ناز

اودھ کی طرف مولانا امیر علی صاحب شہید کے زمانہ میں ایک خان صاحب تھے جن کی

وضع یہ تھی کہ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ۔ داڑھی چڑھی ہوئی ٹوپی بانکی اور بہت آزاد۔ اور جب کوئی ان کو نصیحت کرتا اور دوزخ اور جنت کی ترہیب و ترغیب کرتا تو یہ جواب دیا کرتے تھے کہ تم کو کیا مطلب ہم جانیں ہمارا خدا۔ باقی رہی جنت سو جنت میں جانا کیا دشوار ہے۔ بس جہاں تلوار کے دو ہاتھ ادھر دو ہاتھ ادھر نکالے اور جنت میں داخل ہو گئے۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ان ہی اطراف میں ہنوماں گڑھی ایک مقام تھا وہاں ہندو مسلمانوں میں کوئی مذہبی نزاع ہو گیا اور مسلمانوں پر ظلم کیا گیا اودھ کی سلطنت تھی مگر مسلمانوں کی مدد نہیں کی گئی۔ جب مولوی امیر علی صاحب کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے امداد کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کو جب مولوی امیر علی صاحب کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو بہت سے مسلمان مولوی صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ اس وقت یہ خان صاحب بھی مولوی امیر علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مولوی صاحب میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ میاں مجھ جیسے گنہگار سیہ کار کو بھی اپنے یہاں قبول فرما سکتے ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ ان کی تو بڑی شان ہے وہ تو بڑے غفور الرحیم ہیں۔ ان کے دربار میں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ جب جس کا دل چاہے آجائے۔ خان صاحب نے جب یہ جواب سنا تو خان صاحب بھی مولوی صاحب کے ساتھ آکر شریک ہو گئے۔ ایک روز ہنومان گڑھی کفار سے مقابلہ ہوا تو یہ خان صاحب بھی شریک تھے۔ تلوار ہاتھ میں لے کر نکلے اور انہوں نے کئی کافروں کو قتل کیا اور اس کے بعد کسی شخص نے ان پر بھی وار کیا جس سے یہ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ان خاں صاحب نے جو نصیحت کے جواب میں یہ کلمات کہے تھے کہ تم کو کیا مطلب ہم جانیں ہمارا خدا تو ایسے کلمات گو خلاف ادب تھے مگر ان خان صاحب کو مقام ناز حاصل تھا باقی ہر شخص کو ایسی جرات کرنا مناسب نہیں کہ وہ ناز کرنے لگے اور بے ادبی کے کلمات زبان سے نکالنے لگے۔

اب رہی یہ بات کہ اس مقام کے حاصل ہونے کی کیا علامت ہے اور یہ کیسے معلوم ہو سو یہ ظاہر ہے کہ اب نبوت کا زمانہ تو ہے نہیں کہ جو کسی امر کے متعلق وحی آنے کا انتظار ہو بس اب ایسے امور کی اجازت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ صاحب معاملہ کے قلب میں اس امر کا ایسا داعیہ قویہ پیدا ہو جائے کہ جس کا مقابلہ بغیر تکلف کے ممکن نہ ہو۔

باقی جو کلمات کے خلاف شریعت ہیں ان کی کسی حالت میں اجازت نہیں اور ان کے اندر سالک کسی حال میں معذور نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک کہ اتنا غلبہ نہ ہو کہ جس کے اندر بالکل مضطر اور بے اختیار ہو جائے۔

(۱۰۸) توحش کے دو امر

پنجاب سے حضرت والا کے مجازین میں سے ایک صاحب کا خط آیا جس کے اندر انہوں نے لکھا تھا کہ میری طبیعت آج کل اس قدر متوحش ہے کہ اس توحش کے سبب سے میری زندگی تلخ ہے اور میں نے بہت کوشش کی مگر کسی طرح میری اس حالت کو سکون نہیں ہوتا بلکہ روز بروز میری اس وحشت میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور سبب اس توحش کے دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کے اندر عام طور پر خلوص کا فقدان ہوتا جاتا ہے۔ دشمن تو دشمن تھے ہی مگر جو دوست ہیں ان کے اندر بھی کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو کہ مخلص ہو اور اس کی دوستی کا مبنی محض خلوص ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بعض تحریکات اس وقت ایسی ہیں کہ جو اصول کے لحاظ سے بالکل غلط ہیں مگر مسلمان عام طور پر غیر قوموں کا ساتھ دے کر اس میں شرکت کر رہے ہیں۔ اور اس تحریک میں شرکت کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور نہ صرف دنیا بلکہ مسلمانوں کا دین بھی اس تحریک میں شرکت کی بدولت تباہ ہو رہا ہے۔ مگر مسلمانوں کو اس کی بالکل پرواہ نہیں۔ اور سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ علماء جو کہ مسلمانوں کے اصلی رہنما تھے اور امت محمدیہؐ کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی اور جن سے امید کی جاتی تھی کہ اگر مسلمان کسی غلط راستہ پر چلنا شروع کریں گے تو یہ حضرات مسلمانوں کو اس غلط راستہ سے روکیں گے اور صحیح راستہ کی ہدایت کریں گے وہ بجائے اس کے کہ اپنا فرض منصبی سمجھ کر مسلمانوں کو صحیح راستہ کی ہدایت کرتے۔ خود بھی ان غلط اور مہلک تحریکات میں شریک ہو گئے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ اس تحریک کی غلطی کا اظہار کرتے اس کی ہر ممکن طریقہ سے تائیدیں کر رہے ہیں تو یہ حالت دیکھ کر جو تھوڑی سی امید مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی باقی تھی وہ بھی جاتی رہی ہے اور اب مسلمانوں کی تباہی و ہلاکت بالکل قریب نظر آنے لگی ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ براہ کرم میری اس حالت کا کوئی علاج تجویز فرمایا جاوے۔ حضرت حکیم

الامتہ دام ظلہم العالی نے اس خط کا جواب تحریر فرمایا اور پھر وہ جواب حاضرین مجلس کو سنایا۔ جو حسب ذیل ہے اس کا علاج مرکب ہے چار اجزاء سے۔ ایک صبر۔ دوسرے تفویض۔ تیسرے مراقبہ حکمت چوتھے دعا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ان صاحب کا دوسرا خط آیا جس کے اندر انہوں نے تحریر کیا کہ حضرت والا کے اس ارشاد فرمودہ علاج سے بے حد فائدہ ہوا جس کا دست بستہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ واقعی یہ چیز ہے ہی ایسی۔

(۱۰۹) غیر ضروری بات کا جواب دینا ضروری نہیں

فرمایا عموماً" آج کل یہ حالت ہو رہی ہے کہ اول تو لوگ دین کا مسئلہ علماء سے پوچھتے نہیں اور اگر علماء سے سوالات بھی کئے جاتے ہیں تو وہ سوالات ایسی باتوں کے متعلق ہوتے ہیں کہ ان باتوں کا یا تو علماء سے بالکل تعلق نہیں ہوتا اور زیادہ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ جو بالکل فضول اور بے کار ہوتی ہیں اور علماء جو کہ قوم کی مذہبی خدمات میں مشغول ہیں ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ فضول باتوں کے جوابات تحریر کیا کریں لہٰذا وہ جب ایسی فضول باتوں کے جواب دینے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں اور ایسی فضول باتوں کا جواب نہیں دیتے تو لوگ ان علماء پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور منشاء اس اعتراض کا یہ ہے کہ عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ ہر عالم کو ہر بات کا جواب دینا ضروری ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ اس کے اندر تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر وہ بات جس کو دریافت کیا گیا ہے کوئی دین کی ضروری بات ہے تب تو اس کا جواب دینا علماء پر ضروری ہے اور اگر وہ بات غیر ضروری ہے تو اس کا جواب دینا علماء پر ضروری نہیں۔

اسی طرح اگر وہ بات ضروری تو ہے مگر جواب دینے والے صرف وہی ایک عالم نہیں بلکہ دوسرے علماء بھی ملک کے اندر موجود ہیں جن سے اس ضروری بات کا جواب لیا جا سکتا ہے تو بھی کسی خالص عالم سے ہی اس بات کے جواب کے مطالبہ کا حق نہیں۔ بلکہ جب ایک عالم عذر کرے تو دوسرے سے اس کا جواب لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جن صورتوں میں جواب دیا جانا ضروری ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جواب تحریراً ہی دیا جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ جواب فتویٰ کی صورت میں ہی دیا جائے بلکہ اگر اس بات کا جواب زبانی دے دیا جائے تو بھی کافی ہے۔ اسی طرح اگر اس بات کا جواب فتویٰ کی صورت میں نہ دیا جائے بلکہ خط کی شکل میں جواب دے دیا جائے تب بھی کافی ہے۔

اور پھر ان سب صورتوں میں یہ بات بھی دیکھی جاوے گی کہ اس سوال کا منشاء اعتراض تو نہیں ہے۔ اگر اس سوال کا منشاء اعتراض ہو تو بھی اس کا جواب دینا ضروری نہ ہوگا۔

(۱۱۰) شیخ سے مرید کی مناسبت ہونا اہم شرط ہے

فرمایا طب جسمانی میں کوئی دوا خواہ وہ کتنی ہی مفید اور نافع کیوں نہ ہو مگر اس کا نفع اور فائدہ مشروط ہوتا ہے بعض شرائط کے ساتھ کہ جب وہ شرائط پائے جاتے ہیں تو اس دوا کا نفع ظاہر ہوتا ہے ورنہ نہیں یہی حال طب روحانی کا ہے۔ چنانچہ اس طریق باطن میں شیخ سے مرید کو جو فیض حاصل ہوتا ہے اس کی بھی کچھ شرائط ہیں منجملہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ شیخ سے مرید کو مناسبت ہو یعنی اگر شیخ و مرید میں مناسبت نہ ہوگی تو پھر مرید خواہ کتنی ہی محنت و مجاہدہ کرے اور وہ شیخ خواہ کتنا ہی کامل مکمل ہو مگر مرید اس شیخ سے مستفیض نہیں ہو سکتا پس جب مناسبت ایسی چیز ثابت ہوئی کہ بلا اس کے فیض حاصل نہیں ہو سکتا تو ہر طالب پر ضروری ہے کہ وہ اول یہ معلوم کرے کہ مناسبت کیا چیز ہے اور اس کے کیا معنی ہیں تو ایک بار میں نے بیان کیا تھا کہ شیخ سے مرید کو مناسبت تامہ کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی فعل پر مرید کے دل میں اعتراض نہ پیدا ہو مگر اب میں اس کی شرح کرتا ہوں وہ یہ کہ شیخ کوئی فرشتہ تو ہوتا نہیں کہ جس سے کبھی کسی وقت کسی غلطی کا صدور ہو ہی نہ سکے بلکہ وہ ایک انسان ہے بہت ممکن ہے کہ اس سے بھی کسی وقت کوئی فعل ایسا سرزد ہو جو شرعاً" قبیح ہو تو ایسے موقع پر مرید کے دل میں شیخ کے فعل پر اعتراض نہ پیدا ہونا۔ (جس کو اوپر مناسبت تامہ کی علامت قرار دیا گیا تھا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرید شیخ کے اس ناجائز فعل کو ناجائز نہ سمجھے اور اس کے اس برے فعل کو برا نہ سمجھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شیخ سے ایسا فعل سرزد دیکھ کر مرید کے دل میں تردد نہ پیدا ہو کہ میں اب اس شیخ سے تعلق رکھوں یا نہ رکھوں اور بیعت باقی رکھوں یا توڑوں بلکہ جب شیخ سے ایسا فعل جو شرعاً" قبیح ہو سرزد ہوتا دیکھے تو گو اس کو ناجائز اور برا سمجھے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی سمجھے کہ شیخ کوئی فرشتہ نہیں بلکہ بشر ہے اور بشر سے غلطی کا ہونا لازمی ہے تو اگر شیخ سے اتفاقاً" کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا تو کیا ہوا۔ بشریت کے اقتضاء کا ظہور ہوا جس کا ظہور ہر شیخ سے ممکن ہے۔ تو اگر ہم نے اپنے شیخ سے محض اس بناء پر تعلق قطع کر دیا تو نتیجہ ہمیشہ کی محرومی ہے کیونکہ کوئی شیخ اس سے خالی نہ ملے گا۔ اور جب شیخ سے کوئی ایسا فعل جو شرعاً" قبیح ہو اتفاقاً" سرزد ہو جائے تو

سوچے کہ اگر کوئی ایسا ہی فعل میرے کسی خاص عزیز اور پیارے سے سرزد ہوتا تو اس وقت میں کیا کرتا پس جو برتاؤ اس وقت اپنے خاص عزیز کے ساتھ کیا جاتا وہی اپنے شیخ کے ساتھ ایسے موقعہ پر ہونا چاہیے۔ مثلاً" اپنا بیٹا ہے جب اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو یہ نہیں کرتے کہ اس سے محبت کا تعلق بالکل قطع کر دیں۔ بلکہ جتنا اس کی حالت کو بگڑتا دیکھتے ہیں اتنا ہی زیادہ اس پر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں اور ہر وقت ایسی تدابیر سوچتے رہتے ہیں کہ جس سے وہ راہ راست پر آجائے بزرگوں سے دعاء کراتے ہیں کہ اس کی حالت سنور جائے۔ پس یہی حالت طالب صادق کی اپنے شیخ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر شیخ سے کسی قبیح فعل کے ظہور کے وقت طالب کے دل میں یہ تردد ہو جائے کہ میں اب ان سے تعلق رکھوں یا نہ رکھوں اور وہ اپنے اس تردد کو دفع بھی نہ کر سکے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس طالب کو اس شیخ سے مناسبت نہیں لہٰذا ایسی حالت میں بہتر یہی ہے کہ اس شیخ سے قطع تعلق کر کے کسی دوسرے شیخ سے تعلق پیدا کر لے اور ایک بات یہاں یہ بھی قابل خیال ہے کہ اگر کسی طالب نے اپنے شیخ سے محض اس بناء پر تعلق ترک کیا ہے کہ ان دونوں میں مناسبت نہ تھی تو ایسی حالت میں شیخ کو بھی چاہیے کہ وہ برا نہ مانے بلکہ اگر شیخ نے برا مانا تو وہ شیخ نہیں۔ البتہ مرید کو بھی چاہیے کہ باوجود ترک تعلق کے ایسی کوئی حرکت کبھی نہ کرے جو حد ادب سے نکلی ہوئی ہو کیونکہ یہ شیخ اس کا تو محسن ہی ہے اور اسی نے تو اس کو راہ پر لگایا ہے۔

(۱۱۱) حضرت گنگوہی کا مکتوب محبوب القلوب کا اظہار پسندیدگی

فرمایا۔ مولوی صادق الیقین مرحوم ضلع بارہ بنکی کے باشندے میرے شاگرد اور مولانا گنگوہی سے بیعت تھے اور بہت متقی اور صالح تھے۔ مولوی صادق الیقین کے والد ایک خاندانی بزرگ تھے جن کے یہاں آباؤ اجداد سے سلسلہ بیعت و تلقین چلا آتا تھا اور جب کوئی ان کے یہاں تقریب ہوتی تو حضرات فرنگی بھی شریک ہوتے تھے اور مولوی صادق الیقین کے والد کے گو عقائد خراب نہ تھے بلکہ ہماری جماعت سے محبت رکھتے تھے اور مجھ سے تو ان کو بہت ہی محبت تھی۔ چنانچہ میری وجہ سے انہوں نے اپنی بعض خاندانی رسوم کو بھی ترک کر دیا تھا۔ اور اپنی خاندانی رسوم کو ترک کی وجہ سے اس طرف کے بعض خواص نے ناگواری کا بھی اظہار کیا تھا۔ مگر مولوی صادق الیقین صاحب کے والد نے ان کی ناگواری کی بالکل پروا نہ کی تو گو ان کے

عقائد خراب نہ تھے مگر پھر بھی چونکہ بعض خاندانی رسوم ایسی تھیں جو ان کے یہاں تقریبات میں ہوا کرتی تھیں اور مولوی صادق الیقین صاحب کو وہ رسوم پسند نہ تھیں اس وجہ سے باپ بیٹوں میں بنتی نہ تھی یہاں تک کہ ایک بار جب ان دونوں میں ناچاقی بڑھ گئی تو میں نے مولوی صادق الیقین کے والد کو ایک خط لکھا اور وہ خط مدت ہوئی بعض احباب نے مفید دیکھ کر چھاپ بھی دیا ہے نام اس کا مکتوب محبوب القلوب ہے اس کے اندر میں نے اول اختلافی مسائل کے متعلق محققین اہل حق کے مسلک کو ظاہر کیا ہے اور اس کے بعد تشدد اور مداہنت اور افراط و تفریط دونوں کے مذمت بیان کی ہے۔ اس خط کا مولوی صادق الیقین کے والد پر ایسا اثر ہوا کہ دونوں باپ بیٹوں میں صلح ہو گئی۔ مگر کبھی کبھی مجھ کو مولانا گنگوہی کی شان انتظامی دیکھ کر یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ اس مکتوب میں میں نے جو طرز اختیار کیا ہے شاید مولانا گنگوہی کو ناپسند ہو مگر ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ جب گنگوہ گیا تو ایک شخص نے ایک دن میری بھی دعوت کی اور مولانا گنگوہی کو بھی دعوت کی۔ اس مجمع میں ایک صاحب نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی صادق الیقین اور ان کے والد کے درمیان جو کشیدگی ہو گئی تھی معلوم نہیں کہ وہ ابھی تک قائم ہے یا ختم ہو گئی۔ اس کے جواب میں مولانا گنگوہی نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بھائی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان کی بدولت دونوں باپ بیٹوں میں صلح ہو گئی۔ جب مولانا گنگوہی کا یہ جواب میں نے سنا تو مجھ کو بڑی خوشی ہوئی کہ مولانا نے بھی میرے اس مکتوب کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہماری جماعت کے بعض بزرگوں کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بدعت و سنت کے معاملہ میں ان کو تشدد تھا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ وہ حضرات بھی میری طرح تشدد کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان کا بھی بدعت و سنت کے متعلق وہی مسلک تھا جو میرے محققین اہل حق کا ہے اور وہ مسلک یہ ہے کہ محققین ان امور میں عملاً" سخت ہوتے ہیں اور عقیدۃً نرم۔ مگر باوجود ان حضرات کے متشدد نہ ہونے کے پھر جو لوگ ان کو متشدد سمجھنے لگے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات اپنے عدم تشدد کو عام مجلس میں ظاہر نہیں فرماتے تھے کیونکہ وہ عام طور پر اس اپنے عدم تشدد کے اظہار کو انتظام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور ان کو یہ اندیشہ تھا کہ ہمارے توسع کو دیکھ کر عوام الناس کسی اعتقادی اور عملی غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مگر میں اب اس

زمانہ میں اس اخفاء کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ میرا یہ طریقہ ہے کہ میں اپنے عدم تشدد کو عام مجالس میں بھی ظاہر کردیتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے اخفاء سے مسلمانوں میں اختلاف اور فرقہ بندی ہوتی ہے اور لوگوں کو اپنی جماعت سے بدگمانی بڑھتی ہے۔

(۱۱۲) مراقبہ رویت

ایک طبیب صاحب جو کہ اپنی باطنی تربیت میں مشغول ہیں ان کے متعلق حضرات والا نے ارشاد فرمایا کہ ایک طبیب ہیں وہ کچھ عرصہ سے ایک خاص مراقبہ کیا کرتے ہیں وہ مراقبہ یہ ہے کہ وہ یہ تصور کیا کرتے ہیں کہ جو حق جل شانہ مجھ کو دیکھ رہے ہیں اور میں ان کے سامنے حاضر ہوں اس مراقبہ کو اصطلاح صوفیانہ میں مراقبہ رویت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ان صاحب نے اپنے اس مراقبہ میں اس قدر ترقی کی ہے کہ ان کا یہ حال اب درجہ مقام تک پہنچ گیا ہے چنانچہ پچھلے دنوں ان کا خط آیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ اس تصور کے غلبہ سے میری یہ حالت ہے کہ کبھی پاؤں پھیلائے لیٹا ہوتا ہوں تو معاً یہ خیال ہوتا ہے کہ حق جل شانہ کے سامنے تو پاؤں پھیلائے لیٹا ہے کس قدر بے ادبی ہے تو فوراً پاؤں سمیٹ لیتا ہوں۔ بعض مرتبہ لیٹا ہوا ہوتا ہوں تو اٹھ بیٹھتا ہوں کہ تو حق تعالٰی کے سامنے حاضر ہے اور پھر لیٹا ہوا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کوئی شعر پڑھتا ہوتا ہوں اور اس کا استحضار ہو جاتا ہے تو شعر پڑھنا بند کر دیتا ہوں اور رک جاتا ہوں کیونکہ اس وقت یہ حرکت بھی خلاف ادب نظر آتی ہے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ میں ایک طبیب ہوں مجھ کو اپنے مطب کا کام کرنا پڑتا ہے تو مطب کا کام کرتے کرتے جب اس کا استحضار ہو جاتا ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ طبیعت پر ایک ایسا رعب طاری ہوتا ہے کہ جس کے سبب سے میں مطب کا کام آزادی اور پوری توجہ سے نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ضرورت ہے کہ اس وقت آزادی کے ساتھ کام کیا جاوے تو اب ایسے وقت سخت مشکل پیش آتی ہے کہ نہ تو وہ کام کر سکتا ہوں نہ ترک کر سکتا ہوں کیونکہ اگر اس کام کو کرتا ہوں تب تو یہ حرکت خلاف ادب معلوم ہوتی ہے اور اگر ترک کرتا ہوں تو دنیوی ضرورتیں مانع ہوتی ہیں ایسی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آئی کہ دونوں چیزیں جمع ہو سکیں لہٰذا براہ کرم ارشاد فرمایا جاوے کہ اس صورت میں مجھ کو کیا کرنا چاہیے تو اس کے جواب میں میں نے ان کو ایک ایسی بات لکھ دی تھی کہ جو بظاہر گو معمولی معلوم پڑتی تھی مگر در حقیقت بڑے

کام کی تھی وہ یہ تھی کہ میں نے ان کو لکھ دیا تھا کہ تم ایسے موقع پر جب کہ کوئی ضروری کام تم کر رہے ہو خواہ وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا اور اس وقت تم اس کا استحضار ہو جاوے کہ حق تعالیٰ کے سامنے میں حاضر ہوں اور حق تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں اور اس لئے اس کام کو کرتے رہنا خلاف ادب معلوم ہونے لگے تو اس وقت تم یہ سوچ لیا کرو کہ حق تعالیٰ مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم اس کام کو کرو اور یہ سوچ کر اس کام کو جاری رکھا کرو تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں گی۔ اور کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی چنانچہ آج ان کا خط آیا ہے جس کے اندر انہوں نے میرے اس جواب پر بہت خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آپ کی اس تعلیم سے میری بہت بڑی مشکل حل ہو گئی اور واقعی یہ بات جو میں نے ان کو لکھی تھی گو بظاہر معمولی تھی مگر جو شخص کام کرے اور اس کام کے اندر اس کو دشواری پیش آئے وہ شخص اس کی قدر کر سکتا ہے اور جو شخص کوئی کام ہی نہ کرے اور اس کو کبھی کوئی دشواری ہی پیش نہ آئے تو اس کو میرے اس جواب سے کیا مسرت ہو سکتی ہے۔ اور وہ اس کی کیا قدر کر سکتا ہے بلکہ ایسا شخص اگر بناوٹ سے کسی مسرت اور خوشی کا اظہار کرتا ہے تو اس کا اثر قلب پر نہیں ہوتا کیونکہ وہ حالت اس کے قلب میں تو ہے ہی نہیں پھر اثر ہو تو کس چیز کا جیسے کسی شخص نے شراب نہ پی ہو مگر وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے جھومنے لگے اور ایک وہ شخص ہے کہ جو سچ مچ شراب پئے ہوئے ہو اور اس کی وجہ سے جھوم رہا ہو تو ان دونوں کے جھومنے میں فرق ہو گا۔ اور پتہ چل جائے گا کہ کس نے شراب پی ہے اور کس نے نہیں پی۔ اسی طرح جب کسی کے قلب میں واقعی کوئی کیفیت ہوتی ہے تو اس کی گفتگو ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس کا سبب تصنع اور تکلف نہیں بلکہ واقعہ ہے۔

(۱۱۳) چھوٹے بزرگوں کی صحبت سے نفع

ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ بعض لوگ جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بزرگوں کی خدمت میں اپنی ہمراہ لے جاتے ہیں حالانکہ وہ بچے ان بزرگ کی باتوں کو سمجھتے تک نہیں تو کیا ان بچوں کو بھی بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ بہت نفع ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خواہ کوئی بچہ ہو یا بڑا انسان کے دماغ کی مثال پریس کی سی ہے کہ جیسے پریس میں محض اتصال سے ہر چیز اتر آتی ہے اسی طرح دماغ میں بھی

اللہ تعالیٰ نے ارتسام کی خاصیت رکھی ہے کہ جو چیز انسان کے دماغ کے سامنے آتی ہے وہ چیز اس کے دماغ میں مرتسم ہو جاتی ہے۔ اور گو اس وقت بچپن میں اس بچہ کو ان مرتسمات کا احساس نہ ہو مگر جب وہ بچہ سن شعور کو پہنچتا ہے تو اس وقت ان چیزوں کا جو کہ اس کے دماغ میں پہلے سے موجود ہیں اس کو احساس ہونے لگتا ہے اور پھر وہ ان خیالات اور تصورات سے متاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ کسی ادنیٰ محرک سے اس سے اسی قسم کے افعال کا ظہور ہونے لگتا ہے تو جب کوئی بچہ کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور ان بزرگ کے اقوال کو وہ سنے گا اور افعال کو دیکھے گا تو گو وہ اس وقت اس کی سمجھ میں ان اقوال و افعال کی حقیقت نہ آئے مگر محض اس سننے اور دیکھنے ہی کا یہ اثر ہوگا کہ ایک نہ ایک دن اس بچہ سے بھی اس قسم کے افعال کا ظہور ہونے لگے گا۔

اور دماغ کی اس ارتسام کی خاصیت ہی کی وجہ سے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بچہ کے سامنے کوئی حرکت ایسی نہ کرے جو بے حیائی کی ہو کیونکہ اس وقت جو چیز اس کے سامنے آئے گی وہ اس کے دماغ میں محفوظ ہو جائے گی پھر بڑے ہو کر اس سے ویسے ہی بے حیائی کی بات کا ظہور ہونے لگے گا۔

(۱۱۴) شیخ کامل کی تعلیم میں خود رائی سخت مضر ہے

ارشاد فرمایا کہ اس طریق سلوک میں طالب کو چاہیے کہ جس سے وہ اپنی اصلاح باطن کا تعلق قائم کرنا چاہے اس تعلق سے قبل یہ دیکھ لے کہ اس شیخ کے اندر شرائط شیخت ہیں یا نہیں جب اس کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اس شیخ سے اپنی اصلاح نفس کا تعلق قائم کر لیا جاوے تو پھر اس کی تعلیم میں خود رائی کو ہرگز دخل نہ دے بلکہ اس پر کامل اعتماد کرے اور جو کچھ وہ تعلیم کرے بلاچون وچرا اس کا کامل اتباع کرے کامیابی اسی میں ہے ورنہ اگر اس نے اپنے شیخ پر اعتماد نہ کیا اور اس تعلیم کی قدر نہ کی تو نتیجہ اس کا سوائے محرومی اور پریشانی کے اور کچھ نہیں۔ حضرت حافظ کا ارشاد ہے۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفراست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

پھر حضرت والا نے اس کی تائید میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی شیخ کا ایک مرید تھا اس

کی یہ حالت تھی کہ وہ جب ذکر کرنے بیٹھتا تو اس کو ایک آواز آتی اور وہ آواز یہ تھی کہ تو جو کچھ چاہے کر مگر کافر ہی ہو کر مریگا۔ اول تو انہوں نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی مگر جب بار بار ایسا ہوا تو وہ بہت گھبرائے اور خیال ہوا کہ جب یہ بات ہے کہ خاتمہ کفر پر ہوگا اور اس لئے خواہ کتنا ہی عمل کیا جاوے سب بے کار ہے کیونکہ اعتبار تو خاتمہ کا ہوتا ہے تو میں جو اتنی محنت اور مشقت اٹھا رہا ہوں یہ سب بے کار ہے اور وہ شخص اپنے اس خیال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریب تھا کہ سب اعمال جو کر رہے تھے ترک کر بیٹھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور اس شخص کے قلب میں یہ بات آئی کہ مجھ کو اس معاملہ میں جلدی نہ کرنا چاہیے بلکہ اول مجھ کو اپنی یہ حالت اپنے شیخ سے عرض کرنا چاہیے۔ اس کے بعد جو کچھ وہ حکم دیں اس پر عمل کرنا چاہیے چنانچہ وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ شیخ چونکہ واقعی محقق اور صاحب بصیرت تھے اس لئے بجائے اس کے کہ وہ اس مرید کی اس حالت کو سن کر کسی مایوسی اور افسوس کا اظہار فرماتے اس کی تسلی اور تشفی کرنے لگے اور فرمایا کہ میاں یہ دشنام محبت ہے محبوبوں کا یہی کام ہے کہ وہ اپنے محبین کے ساتھ ناز کا برتاؤ کیا کرتے ہیں۔ گھبراؤ مت۔ اپنے کام میں مشغول رہو اور اس آواز کی طرف قصداً کوئی التفات مت کرو چنانچہ انہوں نے اپنے شیخ کی تعلیم کا اتباع کیا اور اپنے اس خیال سے کہ اعمال ترک کئے دیتے تھے باز رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے دنوں بعد وہ آواز خود بخود منقطع ہوگئی۔ پھر تو ان کو اپنے شیخ کی اور ان کی تعلیم کی اور بھی قدر ہوئی۔ اور شیخ کے بہت ممنون ہوئے کہ اگر میں اپنی اس حالت سے متاثر ہو کر شیخ کے ارشاد پر عمل نہ کرتا اور اعمال کو ترک کر بیٹھتا تو آخرت تو تباہ ہوتی ہی مگر اس کے ساتھ یہ جو ساری عمر کی میری محنت اور مشقت تھی یہ بھی ضائع ہو جاتی اور میں کورا رہ جاتا۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر وہ آواز تو [illegible] نہ ہوتی اور ساری عمر اس کو یہی آواز آتی رہتی تب بھی پریشان ہونے کی کوئی بات نہ تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے شیخ کی اس تعلیم پر عمل کرتا۔ اور اعمال کو ترک نہ کرتا۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہ تھا یا تو یہ آواز کوئی نفسانی اور شیطانی تصرف تھا تو اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ یہ آواز قابل التفات نہ تھی چہ جائیکہ اس کے سبب سے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو کر اعمال کو ترک کر دیتا کیونکہ اس صورت میں اس آواز کا تعلق عالم غیب سے کچھ نہ

تھا بلکہ عالم ناسوت میں یہ آواز خود اسی شخص کے قوی نفسانیہ کا تصرف اور اغواء شیطانی کا نتیجہ تھا۔

اور دوسری صورت یہ تھی کہ وہ ندا غیبی ہو تو اگر وہ ندا غیبی تھی تب بھی محض اس آواز کے سبب حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اس سے اپنے سوء خاتمہ پر استدلال کر کے اعمال کا ترک کر دینا صحیح نہ تھا کیونکہ اس قول میں جو لفظ کافر استعمال کیا گیا ہے اس کے اندر دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد کافر باللہ ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کافر باللہ مراد نہ ہو بلکہ مراد اس سے کافر بالطاغوت ہے کیونکہ جیسے کفر باللہ کو کفر فرمایا گیا ہے اسی طرح کفر بالطاغوت کو بھی کفر سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ قرآن کے اندر ارشاد ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ اور یہ ظاہر ہے کہ کفر بالطاغوت سے مراد ایمان ہے پس کافر بالطاغوت سے مراد مومن ہوا تو اس بناء پر یہاں اس قول میں بھی لفظ کافر سے مراد مومن ہو سکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ تو مومن مرے گا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جو چاہے کر یہ ایسا ہے کہ جیسے اہل بدر کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم تو اس تقدیر پر اس قول کے معنی یہ ہونگے کہ تو اگر ناپسندیدہ عمل بھی کرے گا تب بھی مومن ہی ہو کر مرے گا۔ اور خاتمہ تیرا ایمان ہی پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ بشارت ہے حسن خاتمہ کی تو جب یہاں پر اس قولہ میں لفظ کافر کے اندر دونوں احتمال ہیں کہ اس سے کافر بھی مراد ہو سکتا ہے اور مومن بھی بقاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس سے سوء خاتمہ پر استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ تو پھر نہ مایوس ہونے کی کوئی وجہ تھی نہ اعمال کے ترک کرنے کی۔ بلکہ یہی لازم تھا کہ اپنے کام میں لگا رہتا اور اس طرف التفات ہی نہ کرتا کیونکہ اب تک تو احتمال ہی تھا عقوبت آخرت کا اور ترک اعمال کی صورت میں عقوبت آخرت کا استحقاق یقینی ہو جاتا۔

(۱۱۵) قلب کا اصل مقام

فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قلب کا مقام بائیں پسلی کے نیچے ہے یہ غلط ہے بلکہ قلب کا مقام اصل میں دونوں پھیپھڑوں کے درمیان سینہ کے بیچ میں ہے۔ اور اگر کسی محقق کے کلام میں قلب کا مقام بائیں پسلی کے نیچے دیکھا جاوے تو وہ باعتبار اصل کے نہ ہوگا کہ اصل قلب کی یہ جگہ ہے بلکہ باعتبار آثار قلب کے انہوں نے اس مقام کو قلب کا مقام کہہ دیا ہوگا چونکہ

آثار قلب کے بائیں پسلی کے نیچے زیادہ پائے جاتے ہیں اس لئے بعض نے یہی کہہ دیا کہ گویا اصل قلب یہاں ہے اب رہی یہ بات کہ اختلاج وغیرہ کے وقت جو قلب کی دھڑکن محسوس ہوتی ہے وہ بھی بائیں طرف محسوس ہوتی ہے تو اگر قلب وہاں نہ ہوتا تو اس کی حرکت وہاں کیوں محسوس ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بائیں پسلی کے نیچے ایک شریان ہے جو قلب سے آئی ہے اور قلب کے ساتھ ساتھ وہ شریان بھی حرکت کرتی ہے تو یہ حرکت جو بائیں پسلی کے نیچے محسوس ہوتی ہے یہ قلب کی حرکت نہیں بلکہ اس شریان کی حرکت ہے۔ مگر یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ صوفیاء کرام کا جو اس سے مقصود ہے وہ اس تحقیق پر موقوف نہیں کیونکہ انہوں نے جو یکسوئی حاصل ہونے کے لئے بعض اشغال تجویز کئے ہیں جن میں قلب کی طرف توجہ کرنی ضرور ہوتی ہے تو اس اشغال کا نفع اس پر موقوف نہیں کہ اول قلب کا اصل مقام معلوم کیا جاوے پھر اس مقام کا تصور کر کے قلب کی طرف متوجہ ہوا جاوے تب تو نفع ہو اور اگر مقام قلب کے تعین میں غلطی ہو جاوے تو نفع نہ ہوا بلکہ قلب کا جو مقام بھی چاہو تجویز کر لو اشغال کا نفع یعنی یکسوئی بہر حال ہوگا۔ کیونکہ مدار اس نفع کا تعین خیالی پر ہے نہ کہ تعین واقعی پر۔ لہٰذا طالبین کو چاہیے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر اس کی تحقیق میں مشغول نہ ہوں کہ قلب کا اصل مقام کہاں ہے۔

(۱۱۶) حضرت سہارن پوری کا حضرت حکیم الامت کے مواعظ کی تعریف کرنا

ایک صاحب اہل علم جو حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی کے مجازین میں سے ہیں اور مشہور واعظ ہیں انہوں نے ایک مرتبہ حضرت والا کے وعظ و تصانیف کو عوام و خواص میں جو مقبولیت حاصل ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضور کا وعظ سن کر بہت ہی خوش ہوتے تھے ایک بار مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی مولانا اشرف علی صاحب کے بعد وعظ کہنا تو ایسا ہے جیسے منہ چڑانا۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں مولانا سہارنپوری نے میرے سامنے بھی اسی کے قریب قریب فرمایا تھا۔ ایک بار جو بعض لوگوں نے میری تصانیف پر کچھ اعتراض کئے تھے تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ خیر تصانیف میں تو اپنی کم فہمی سے جو چاہے کچھ کہہ لے مگر ان کے وعظ میں تو کہیں

انگلی رکھنے کو جگہ نہیں ہوتی۔

(۱۱۷) کثرت استغفار کی فضیلت

ایک بار توبہ اور کثرت استغفار کی فضیلت کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کثرت استغفار میں دین کا تو نفع ہے ہی دنیا کا بھی نفع ہے۔ دین کا نفع تو ظاہر ہے کہ استغفار سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور گناہ ہی وہ چیز ہے کہ جو سبب ہوتا ہے دوزخ کے عذاب کا اور حق تعالی کے قہر کا سو استغفار سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور یہ گناہوں کی معافی سبب ہو جاتی ہے حق تعالی کے قہر سے اور آخرت کے عذاب سے نجات کا۔ تو یہ استغفار کا دینی نفع ہوا۔ اور استغفار سے دنیا کا بھی نفع ہوتا ہے اور وہ نفع دو ہیں ایک تو یہ کہ کثرت استغفار کے سبب دنیوی مصائب دفع ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشکوۃ کی حدیث من لزم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ضیق مخرجا و من کل ھم فرجا و رزقہ من حیث لا یحتسب رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ اور دوسرا نفع دنیوی یہ ہے کہ سب سے زیادہ مضر چیز انسان کے لئے پریشانی ہے جو مصائب کی وجہ سے انسان کو ہوتی ہے خاص کر وہ مصائب کہ جن کو انسان اپنے ہاتھوں خریدے یعنی ان مصائب کے جو اسباب ہیں ان اسباب کا اپنے قصد و اختیار سے ارتکاب کرے مثلاً" اس شخص نے بلا وجہ کسی کو ستایا اور ظلم کیا اس وجہ سے وہ مظلوم اس ظالم کا دشمن ہو گیا اور اس مظلوم نے اس ظالم سے اپنا انتقام لیا۔ تو یہ مصیبت اختیاری ہوئی جس کو اپنے ہاتھوں خریدا اور ایسی مصیبت میں زیادہ پریشانی ہوتی ہے بخلاف ان مصائب کے کہ جن کے اندر انسان کے کسب و اختیار کا بظاہر کوئی دخل معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے اندر پریشانی اگر ہوتی بھی ہے تو کم ہوتی ہے تو استغفار کا ایک بہت بڑا دنیوی نفع یہ بھی ہے کہ استغفار ان دونوں قسم کی پریشانیوں کو بھی رفع کرتا ہے۔

(۱۱۸) اہل اللہ کی شان

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر جب حاضر ہوا جاتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض بزرگوں کے مزار پر حاضر ہو کر ایک قسم کا انس اور انبساط محسوس ہوتا ہے اور بعض کے مزارات پر بجائے انس کے ہیبت اور جلال محسوس ہوتا ہے اس کی کیا وجہ۔ ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں جیسے دنیا کے اندر بعض اہل اللہ کی تو یہ شان ہوتی

ہے کہ وہ صرف اپنے ہی نفس کی دیکھ بھال میں اور حق تعالیٰ کے ذکر و فکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور عالم مخلوق کی کوئی خدمت ان کے سپرد نہیں ہوتی اور بعض اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی کوئی خدمت ان کے سپرد ہو جاتی ہو اب اگر وہ خدمت تکوینی ہوئی تو ایسے شخص کو قطب التکوین کہتے ہیں اور اگر وہ خدمت تشریعی ہوئی تو اس صاحب خدمت کو قطب الارشاد کہتے ہیں۔ اسی طرح وفات کے بعد بھی بزرگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں بعض تو وہاں یعنی عالم برزخ میں پہنچ کر محض مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ اور دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بعض کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ حضرات مخلوق کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں تو جن بزرگوں کے مزار پر حاضر ہو کر ہیبت اور جلال محسوس ہوتا ہے وہ وہ حضرات ہیں جو مخلوق کی طرف متوجہ نہیں بلکہ مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔ اور جن بزرگوں کے مزار پر حاضر ہو کر انس محسوس ہوتا ہے وہ حضرات وہ ہیں کہ مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ اسی مخلوق کی طرف ان کی توجہ اور شفقت کا یہ اثر ہے کہ ان کے مزار پر بجائے ہیبت کے انس محسوس ہوتا ہے چنانچہ یہاں قریب ہی ایک قصبہ ہے جھنجھانہ۔ وہاں دو بزرگوں کے مزار ایک ہی جگہ ہیں ان میں ایک مزار تو ہمارے دادا پیر حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ تو جب اس مزار پر کوئی حاضر ہو تو ایک قسم کا انس محسوس ہوتا ہے اور دوسرا مزار ایک سید صاحب کا ہے جو سید محمود اور امام صاحب کے نام و لقب سے مشہور ہیں۔ یہ صاحب ہندوستان سے ایک دور دراز ملک زنجبار کے شہزادے ہیں ان کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ان کے ایک استاد سفر کرتے کرتے جب یہاں ان اطراف میں پہنچے تو یہاں کے کفار نے ان کو بہت تکلیف پہنچائی۔ اس زمانہ میں خبر رسانی کے لئے نامہ بر کبوتر استعمال کئے جاتے تھے چنانچہ انہوں نے جو جو مصائب ان کو پیش آئے تھے وہ سب ایک پرچہ پر لکھ کر اس پرچہ کو ایک کبوتر کے پیر میں باندھ کر اس کبوتر کو اپنے ان شاگرد کے پاس اڑا دیا۔ جس وقت وہ کبوتر ان شہزادے کے پاس پہنچتا ہے تو اس وقت ان کی شادی کی تقریب ہو رہی تھی اور ان کو دولھا کا جوڑا پہنایا جا رہا تھا۔ جس وقت انہوں نے اپنے استاد کا یہ خط پڑھا بے تاب ہو گئے اور فوراً ہی اپنی والدہ سے جہاد کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ بس اب تو ہم حوروں ہی سے شادی کریں گے چنانچہ شادی کی تمام تقریبات کو ترک کر کے فوج کو لے کر یہاں اپنے استاد کی مدد کو پہنچے اور یہاں آکر ان کفار سے

جنھوں نے ان کے استاد کو تکلیف پہنچائی تھی جہاد کیا اور شہید ہو گئے تو ان بزرگ کے مزار پر جب کوئی حاضر ہو تو ہیبت اور رعب محسوس ہوتا ہے تو اس اختلاف اثر کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

(۱۱۹) خواب کی تعبیر جاننا بزرگی کے لوازم سے نہیں

فرمایا جو لوگ اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور لوگ ان کو بزرگ سمجھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ خوابوں کی تعبیر کم دیا کریں کیونکہ ان کے اس فعل سے عوام کے عقیدے خراب ہو چلے ہیں۔ اور وہ فساد عقیدہ یہ ہے کہ لوگ خواب کی تعبیر کو آج کل بزرگی کے لوازم میں سمجھنے لگے ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو بزرگ ہوگا وہ خواب کی تعبیر بھی ضرور دے سکے گا۔ اور جو خواب کی تعبیر نہ دے سکے تو گویا وہ ان کے نزدیک بزرگ ہی نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی خواب کی تعبیر دے اور وہ صحیح نکل آئے تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بزرگ ہے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ ہو اور اگر کسی کی تعبیر صحیح نہ ہو تو اس سے اعتقاد جاتا رہتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کامل ہو حالانکہ خواب کی تعبیر کوئی بڑا کمال نہیں اور بزرگی تو کیا اسلام بھی اس کے لئے شرط نہیں بعض کفار ایسے گزرے ہیں کہ وہ بڑے معبر تھے چنانچہ ابو جہل کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا معبر تھا تو چونکہ عوام الناس خواب کی تعبیر کو لوازم بزرگی سے شمار کرنے لگے ہیں اس لئے عوام الناس کے اس عقیدہ کی اصلاح کیلئے بزرگوں کو چاہئے کہ وہ اکثر خواب کی تعبیر نہ دیا کریں تاکہ عوام الناس کو مشاہدہ ہو جائے کہ بزرگی کے لئے تعبیر سے واقفیت ضروری نہیں بلکہ بعض بزرگ ایسے بھی ہیں کہ وہ بزرگ ہیں مگر خواب کی تعبیر نہیں دیتے تاکہ آئندہ لوگ کسی بزرگ سے محض ان کے تعبیر سے ناواقف ہونے کی بناء پر بد اعتقاد ہو کر فیض سے محروم نہ ہوں اور کسی نااہل کے محض تعبیر سے واقف ہونے کی بناء پر معتقد ہو کر گمراہ نہ ہوں۔

(۱۲۰) اصل تصوف

فرمایا تصوف کا اطلاق عرف میں دو چیزوں پر آتا ہے ان میں ایک تو اصل فن سے اور دوسرا جز زوائد اور رسوم ہیں سو چونکہ زوائد اصل کے اندر داخل نہیں ہوا کرتے اس لئے وہ زوائد حقیقتاً" تصوف سے خارج ہیں اس لئے ان کا اس وقت ذکر نہیں لیکن جو اصل تصوف ہے اس کے متعلق کہتا ہوں کہ تحقیق بلیغ کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ تصوف ایسی چیز ہے کہ اس وقت کوئی شخص اس کو تصوف نہیں سمجھتا اور اس میں بے حد سادگی اور وہ اپنی اس

سادگی اور لطافت میں ایسا ہے کہ جیسے روح مجرد کہ اس کے اندر صرف جوہریت تو ہے باقی نہ اس کے اندر مادہ ہے نہ مقدار اسی طرح جن چیزوں کو لوگوں نے اصل تصوف سمجھ رکھا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو تصوف کے اندر داخل ہو اس وجہ سے عوام کیا خواص کی بھی نظر حقیقت تک نہیں پہنچی۔

(۱۲۱) نماز سے مقصود عظمت و جلالت الٰہی کا اظہار ہے

فرمایا۔ مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو تذکرہ ہوا کہ ایک زمانہ میں ایک شخص نے یہ دعوی کیا تھا کہ نماز کے اندر قرآن مجید کی جو قرآت کی جاتی ہے یہ قرآت بجائے عربی کے اردو میں ہونا چاہیے تاکہ قرآن سے جو مقصود ہے یعنی مضمون کا سمجھنا اور اس سے نصیحت اخذ کرنا وہ حاصل ہو۔ مولانا نے فرمایا عجیب بات ہے کہ سید احمد خان نے بھی اس شخص کو اس کا یہ جواب دیا کہ یہی مقدمہ غلط ہے قرات جو نماز کے اندر کی جاتی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اس مضمون کے معانی معلوم کیے جاویں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نماز کا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ نماز کے اندر زیادہ لحاظ اس بات کا رکھا گیا ہے کہ نماز میں ہر بات سے حق تعالیٰ کی جلالت اور عظمت کا اظہار ہو پس نماز سے مقصود عظمت و جلالت الٰہیہ کا اظہار ہے۔ اسی وجہ سے نماز کے اندر جتنے حرکات اور ارکان ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے عظمت و جلالت الٰہیہ کا اظہار ہوتا ہے پس جب یہ بات ہے تو نماز کے اندر زبان بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ جو پر شوکت ہو اور یہ مسلمات سے ہے کہ عربی زبان سے زیادہ متانت و جزالت و شوکت و عظمت کسی زبان میں نہیں لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نماز کے اندر سوائے عربی زبان کے دوسری زبان ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اگر نماز کے اندر عربی کے سوا دوسری زبان استعمال کی گئی تو جو نماز کا مقصود ہے وہی باطل ہو جائے گا اس پر سید نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا ارادہ اس شخص کا رد لکھنے کا ہے۔

(۱۲۲) مولانا احمد حسن کانپوری کی حضرت حکیم الامت سے محبت

فرمایا مولانا احمد حسن صاحب کانپوری باوجود یہ کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے مگر ایک زمانہ میں ہم لوگوں سے زیادہ خوش نہ تھے مگر جب وہ مکہ معظمہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں ان سے ذرا پہلے میں بھی مکہ معظمہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو وہاں جا کر ان کو جب میرے

متعلق روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب کو اس سے بہت محبت ہے اس وقت سے ان کی رائے ہم لوگوں کے متعلق بالکل بدل گئی تھی اور خصوصاً مجھ سے بہت محبت کرنے لگے تھے۔

(۱۲۳) مسلمانوں کی موجودہ پستی سے تدابیر نجات

ایک بار اس کا تذکرہ تھا کہ وہ کون سے اسباب ہیں کہ جن کو اختیار کرنے سے مسلمان موجودہ پستی اور تنزل سے نجات حاصل کر کے ترقی حاصل کر سکتے ہیں ارشاد فرمایا کہ ۔بفضلہ تعالیٰ ایسی تدابیر موجود ہیں اور ان کو ضبط کر کے رفاہ عام کے لئے شائع بھی کر دیا گیا ہے چنانچہ ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور بربادی سے بے چین ہو کر دو کتابیں تصنیف کی تھیں جن سے ایک کا نام صیانتہ المسلمین ہے اور دوسری کتاب کا نام حیات المسلمین ہے۔ ان دو کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کا جو اس وقت مسلمانوں پر آرہے ہیں پورا پورا علاج ضبط کر دیا ہے تو مسلمان ان ہی دو کتابوں پر پورا پورا عمل کر کے دیکھیں کہ ان کو کتنا نفع ہوتا ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ عمل تو کرتے نہیں بس شکایت کرتے ہیں کہ علماء ہماری طرف توجہ نہیں کرتے ہماری رہبری نہیں کرتے حالانکہ۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
ایخواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

پھر دوسری کمزوری مسلمانوں میں یہ ہے کہ ان کے اندر استقلال نہیں اگر کبھی کوئی کام شروع کریں گے بھی تو یہ نہیں کہ اس کو نباہیں بس چند روز کیا اور چھوڑ دیا ابھی ایک صاحب نے کچھ کام شروع کیا تھا جس کے نافع ہونے کا مشاہدہ ان کو شروع ہی سے ہونے لگا تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہوں نے اس کام کو ختم اور ترک کر دیا۔

(۱۲۴) فن سلوک میں اصل مجاہدہ ترک معاصی ہے

فرمایا فن سلوک میں اصل مجاہدہ ترک معاصی ہے کہ خواہ کتنا ہی نفس کا تقاضا ہو مگر حق تعالیٰ کی نافرمانی کے پاس نہ جائے۔ باقی رہے دوسرے مجاہدات کہ وہ تقلیل طعام اور تقلیل منام اور تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط مع الانام ہیں سو ان چاروں مجاہدات میں سے کوئی مقصود بالذات اور فی نفسہ ضروری نہیں مگر چونکہ یہ مجاہدات معین ہوتے ہیں ترک معاصی میں۔

اس لئے ان کو اس ضرورت کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے پھر ان میں سے جو اول کے دو ہیں یعنی تقلیل طعام و منام یہ چونکہ اول تو بہت ضعیف درجہ میں معین ہیں ترک معاصی میں دوسرے بوجہ ضعف قویٰ آج کل کے طبائع میں ان کا تحمل نہیں اس لئے مشائخ کے تعامل سے یہ دونوں مجاہدہ بالکلیہ ترک کردئے گئے ہیں اور یوں شاذ و نادر کسی خاص ضرورت کے موقع پر ان کا استعمال اب بھی ہو سکتا ہے بخلاف تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط مع الانام کے کہ ان پر اب بھی عمل کرایا جاتا ہے۔ غرض اس طریق تصوف میں سب سے بڑا مجاہدہ ترک معاصی ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل بڑی بزرگی اس کو سمجھتے ہیں کہ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں باقی ترک معاصی کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اس طریق باطن کا مقصود اصلی رضائے باری تعالیٰ ہے اور وہ بغیر ترک معاصی کے نصیب نہیں ہو سکتی۔

(۱۳۵) طالب پر حقیقت منکشف ہونے کی ضرورت

فرمایا میرے یہاں تو طالبین کے اندر دو باتیں دیکھی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کے اندر انسانیت ہو یعنی اپنے قول و فعل میں اس کا خیال رکھے کہ اس سے کسی کو ایذا نہ پہنچے دوسرے میں اس کی کوشش کرتا ہوں کہ سب سے اول طالب پر مقصود اور اس کے طریق کی حقیقت منکشف ہو جائے تاکہ عمل بصیرت سے ہو سکے۔

(۱۳۶) یاد کی تمنا اور کمی پر حسرت بھی ایک قسم کی یاد ہے

طالبین سے ایک صاحب نے اپنی اصلاح باطن کے متعلق حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اس کے متعلق حضرت والا نے حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے اپنا حال تحریر کیا ہے اور غفلت کی شکایت لکھی ہے کہ ذکر کی توفیق نہیں ہوتی اور اکثر اوقات غفلت ہو جاتی ہے میں نے اس کا جواب لکھا ہے کہ یاد کی تمنا اور اس کی کمی پر حسرت یہ بھی ایک قسم یاد کی ہے لہٰذا پریشان نہ ہونا چاہیے اور جتنے ذکر کی توفیق ہو اس کو کرتے رہنا چاہیے۔

(۱۳۷) فیض باطنی کا مدار شیخ و مرید کی مناسبت پر ہے

جب کوئی شخص اپنی باطنی تربیت اور اصلاح کی غرض سے حضرت والا سے اصلاح کا تعلق

پیدا کرنا چاہتا ہے حضرت والا کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو مجھ سے مناسبت نہیں تو چونکہ اس طریق باطنی میں فیض باطنی کا مدار شیخ و مرید میں باہم مناسبت پر ہے اگر شیخ سے مرید کو مناسبت نہیں تو ہرگز مرید کو شیخ سے فیض نہیں ہو سکتا اس لئے حضرت والا اس طالب پر ظاہر فرمادیتے ہیں کہ تم میں اور مجھ میں مناسبت نہیں تم کو مجھ سے نفع نہ ہوگا اس لئے تم کو چاہیے کہ کسی دوسرے شیخ سے اپنی اصلاح کا تعلق پیدا کرو۔ اس کے متعلق فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طالب کو ابھی سے صاف جواب کیوں دے دیا جاوے بلکہ انتظار کرنا چاہیے ممکن ہے کہ مناسبت اس کے اندر اگر اس وقت نہیں ہے تو رفتہ رفتہ آئندہ پیدا ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ طالب کو اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کا یہ طریق نہیں کہ اول طالب شیخ سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کرے۔ اس کے بعد پھر اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرے بلکہ طریق یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اگر اس کو مناسبت پیدا ہونے کی امید ہو تو اول وہ اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کرے جب مناسبت پیدا ہو جائے تو اس کے بعد اس سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کرے۔ قبل مناسبت تعلق بالکل بے کار ہے۔ اور شیخ مرید میں جو مناسبت شرط نفع ہے اس کا لحاظ گو اس زمانہ کے لوگوں میں ترک کر دیا گیا ہے۔ مگر بزرگان سلف اس کا بے حد خیال رکھتے چنانچہ مختلف بزرگوں کی حکایتوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کوئی طالب سفر کرکے دور دراز سے فلاں شیخ کے پاس حاضر ہوا اور ان بزرگ سے بیعت کی درخواست کی تو ان بزرگ نے بجائے اس کے کہ وہ اس کی ان درخواست کو قبول کرتے صاف صاف کہہ دیا کہ تمہارا حصہ ہمارے یہاں نہیں تم فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہاں سے تم کو فیض ہوگا۔ پھر حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ افسوس ہے کہ صدیوں کے بعد تو طریق کا احیاء ہوا ہے اور لوگ اس کو پھر مٹانا چاہتے ہیں۔

(۱۲۸) خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بندہ کے اختیار سے باہر ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے قلب میں عرصہ سے یہ تمنا ہے کہ مجھ کو خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے اور مختلف وظیفے بھی اس کے متعلق پڑھ چکا ہوں مگر مجھ کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے میری طبیعت

آج کل بہت پریشان ہے اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی جس سے میری پریشانی رفع ہو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جس کا خلاصہ غالبا" یہ تھا کہ حق تعالی کی جو نعمتیں اختیار سے باہر ہوں ان کی تمنا تو کرے اور دعا بھی کرے لیکن اگر اس نعمت کے حصول میں تاخیر ہو تو تنگ دل اور پریشان نہ ہو اور صبر سے کام لے اور اس معاملہ کو حق تعالی کے سپرد کر دے اور جو کچھ ان کا حکم ہو اس پر راضی رہے اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونا یہ نعمت بھی ایسی ہے کہ اس کا حصول محض حق تعالی کے فضل پر ہے بندہ کے اختیار سے باہر ہے اگر ساری عمر میں ایک بار بھی نصیب ہو جائے تو بڑا اس کا فضل ہے۔

این سعادت بزور باز ونیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والا جب جواب کی تقریر ختم فرما چکے تو ان سے دریافت فرمایا کہ آپ سمجھ گئے یا نہیں انہوں نے عرض کی کہ حضرت آپ کے جواب سے میری پوری تسلی ہو گئی حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آپ اس خیال میں نہ رہیے کہ تسلی ہو گئی ابھی تسلی نہیں ہوئی بلکہ تسلی اس وقت سمجھئے کہ جتنے دن آپ کو اس حالت کے اندر گزرے ہیں اتنے ہی دن گزر جائیں اور یہ حالت عود نہ کرے تب سمجھنا چاہیے کہ آپ کی حالت قابل اطمینان ہے پھر فرمایا کہ ایک حالت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کی تمنا ہو اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ یہ کہ بندہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہ سمجھے کہ اس کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو بلکہ زیارت تو بڑی چیز ہے عشاق پر تو جب فنا کا غلبہ ہوا ہے تو محبوب کی مجلس میں اپنے ذکر اپنے نام تک کا پہنچنا ان کو خلاف ادب معلوم ہونے لگا ہے چنانچہ بوستان میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کی حکایت لکھی ہے۔

مجنوں کسے گفت کائے نیک پے چہ بودت کہ دیگر نیائے ہے
مگر در سرت شور لیلی نماند خیالت دگر گشت و میلے نماند
چو بشنید بیچارہ بگریست زار کہ اے خواجہ دستم زدامن بدار
مرا خود دل دردمندست خیز تو نیزم نمک برجراحت مریز
نہ دوری دلیل صبوری بود کہ بسیار دوری ضروری بود
بگفتا اے وفادار و فرخندہ خوے پیامے کہ داری بہ لیلی بگوے

بگفتا مبر نام من پیش دوست　　　کہ حیف است نام من آنجا کہ اوست

اس طرح جن بزرگوں کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہے ان کی وہ شان ہوتی ہے جیسے ہمارے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا جب کوئی شخص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کرتا کہ حضرت کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ جس سے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہو جائے تو حضرت حاجی صاحب ارشاد فرماتے کہ بھائی تمہارا بڑا حوصلہ ہے جو تم ایسی بات کہتے ہو باقی ہم تو اپنے لئے اس کو بھی بڑی نعمت سمجھتے ہیں کہ گنبد خضراء کی ہی زیارت ہو جائے اور اس قابل تو ہم کہاں ہیں کہ ہم کو زیارت نصیب ہو تو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہی مذاق تھا کہ اپنے آپ کو زیارت نصیب ہو سکنے کے قابل ہی نہ سمجھا جائے اور یہ درجہ سب سے بڑا ہے کیونکہ یہ درجہ فنا کا ہے اور عشق میں سب سے بڑی چیز فنا ہے تو یہ درجہ فنا کا ہے کہ بندہ یہ سمجھنے لگے کہ ہم حضورؐ کی زیارت کے قابل ہی کب ہیں بلکہ عشاق تو اپنے محبوب کے ہوتے ہوئے اپنے وجود اور اپنی ہستی کو بھی خلاف ادب سمجھتے ہیں اور محبوب کو مخاطب کر کے اس کی تمنا کرتے ہیں کہ

باوجودت　زمن　آواز　نیاید　کہ　منم

چنانچہ مثنوی میں مولانا رومی نے ایک عاشق کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار بڑی آرزوں کے بعد جب اسکو اپنے محبوب سے وصال نصیب ہوا اس نے اپنے محبوب کے سامنے اپنے عشقانہ سوز و گداز کا اظہار شروع کیا کہ میں تیرے عشق میں یوں جلتا رہا اور تیرے فراق میں یوں پگھلتا رہا اور مجھ کو تیری اتنی محبت ہے تو اس کے محبوب نے کہا کہ یہ سب کچھ سہی مگر ابھی اتنی کسر باقی ہے کہ تم بول رہے ہو جو دلیل ہے اس کی کہ تمہارا وجود ابھی معدوم نہیں ہوا بلکہ موجود ہے اور تمہاری ہستی ابھی مٹی نہیں بلکہ باقی ہے ارے تجھ کو تو چاہیے تھا کہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتا کہ اس کا نام و نشان نہ رہتا اس وقت میں سمجھتا کہ تو اپنے دعوی محبت سے سچا ہے۔ لہٰذا اگر ہم بھی اپنی محبت کو کامل کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہیے کہ اپنی خواہش کو اپنے محبوب کی مرضیات میں فنا کر دیں جو ان کا حکم ہو اس پر راضی رہیں۔ اگر خواب میں زیارت ہو جائے تو ہزار ہا شکر ادا کریں اور ساری عمر بھی اگر زیارت نہ ہو تو شکایت نہ کریں بس اپنا یہ مذاق رکھیں۔

فراق　وصل　چہ　باشد　رضائے　دوست　طلب

کہ حیف باشد از وغیراو تمنائے

(۱۲۹) خط میں دوسرا مضمون لکھتے وقت کسی علامت کی ضرورت

ایک صاحب کا خط آیا اس خط میں انہوں نے دو مضمون یکے بعد دیگرے ایسے طور پر لکھے تھے کہ نہ تو ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے کچھ ربط معلوم ہوتا تھا اور نہ اس میں کوئی ایسا لفظ یا علامت یا قرینہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ یہ مضمون پہلے مضمون سے جدا ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ جو آج کل بعض کی علوت ہے کہ تحریر کے اندر ایسے الفاظ کو استعمال نہیں کرتے جس سے یہ معلوم ہو کہ پہلا مضمون ختم ہو گیا اور دوسرا شروع ہوتا ہے بلکہ بغیر ایسے الفاظ کے لکھے ہوئے دوسرا مضمون شروع کر دیتے ہیں یہ نہایت واہیات بات ہے اس سے ذہن منتشر ہو جاتا ہے اگر یہ صاحب میرے زیر تربیت ہوتے تو میں اس پر ان کو تنبیہ کرتا۔

(۱۳۰) نیک لوگوں کی دو قسمیں

فرمایا۔ نیک لوگ دو قسم کے ہیں یعنی میں نے ان کی دو قسمیں کر رکھی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو محض کتاب دیکھ کر نیک ہوئے ہیں نہ انہوں نے کسی بزرگ کی صحبت اٹھائی نہ وہ کسی بزرگ کی زیر تربیت رہے اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ وہ بزرگوں کی صحبت میں بھی رہے اور انہوں نے ان بزرگ سے اپنی تربیت بھی کرائی ہے میں ان دونوں قسموں میں فرق سمجھتا ہوں کیونکہ جو دین کی سمجھ بزرگوں کی صحبت اور تربیت میں رہ کر حاصل ہوتی ہے وہ دور رہ کر نری کتابوں کے مطالعوں پر اکتفاء کر لینے سے نہیں حاصل ہوتی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک تو وہ شخص ہے کہ جس نے طب کی کوئی کتاب دیکھ کر بلا مشورہ طبیب محض اپنے رائے سے مقویات کا استعمال کیا ہو اور ایک وہ کہ جس نے کسی طبیب کے زیر علاج رہ کر اس کی رائے سے مقویات کھائی ہوں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہو گا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ محض کتابوں کے مطالعہ کو کافی نہ سمجھا جاوے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی انتظام ضروری ہے کہ کچھ دنوں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ان سے اپنی تربیت کرائی جائے اکبر حسین مرحوم نے خوب لکھا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(۱۳۱) طریق باطن میں انقیاد بڑی چیز ہے

ایک صاحب سے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ جو شخص متکبر ہوتا ہے اس کے دماغ میں خلل ضرور ہوتا ہے۔

فرمایا اس طریق باطن میں بڑی چیز انقیاد ہے اپنے مربی کا غالبا" طبقات کبری میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شیخ اپنے کسی طالب کے اندر کوئی باطنی مرض مثلا" کبر و عجب وغیرہ کی تشخیص کرے اور واقعہ میں وہاں شیخ کی رائے غلط ہو اور طالب کے اندر وہ مرض نہ ہو تب بھی بجائے اس کے کہ شیخ پر اعتراض کرے طالب کو چاہیے کہ شیخ کی اس تشخیص کی صحت کا اقرار کر کے عرض کرے کہ حضرت جو کچھ اس کا تدارک ہو وہ ارشاد فرمایا جاوے میں اس کو بجالانے کے لئے حاضر ہوں۔

(۱۳۲) ماں کو اپنی اولاد سے بے انتہا محبت ہوتی ہے

حضرت والا نے ایک صاحب کا قصہ بیان فرمایا کہ ایک بار وہ مع اپنے متعلقین کے میری ہمراہی میں ریل کا سفر کر رہے تھے۔ جب میرٹھ کے اسٹیشن پر اترے، رات کا وقت تھا۔ اترنے کے وقت ان کا ایک کمسن بچہ گم ہو گیا۔ بہت ڈھونڈا مگر کہیں پتہ نہیں چلا۔ اس لڑکے کے ماں باپ کو بے حد صدمہ تھا۔ خاص کر ماں کی یہ حالت تھی کہ جب لوگوں نے اس بچہ کو بہت ڈھونڈ لیا اور اس کے ملنے سے مایوس ہو گئے تو سب کی رائے ہوئی کہ اب شہر میں مکان پر چلنا چاہیے وہاں پہنچ کر اطمینان سے تلاش کریں گے تو اس بچہ کی ماں اس پر راضی نہ ہوئی اور اس نے کہا کہ جب تک میرا بچہ نہ مل جائے گا اس وقت تک میں اسٹیشن سے نہ جاؤں گی اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ چھاؤنی سے ایک ہندوستانی افسر بھی اسٹیشن پر مع مستورات اترا تھا یہ بچہ اپنی ماں سمجھ کر ان کے ساتھ ہو لیا تھا یہ سب پیادہ تھے جب گھر پہنچے تو ایک اجنبی بچہ نظر پڑا اس شخص نے فورا" اسٹیشن آ کر اطلاع کی کہ ابھی میں اسٹیشن سے چھاؤنی گیا تھا جب مکان پر پہنچا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ بچہ بھی چلا آیا ہے صورت دیکھی تو کوئی شریف زادہ معلوم ہوا اس لئے خیال ہوا کہ اس کو اسٹیشن پر پہنچا دیا جاوے ممکن ہے وہاں اس کی تلاش ہو رہی ہو اس لئے میں اس کو یہاں پہنچانے آیا ہوں تانگہ والوں نے اس لڑکے کے والد کو اطلاع کی چنانچہ اس کے والدہ اس بچہ کو

لے آئے اس واقعہ کو بیان فرما کر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ دیکھئے ماں کو بھی اپنی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے کہ اس ماں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک میرا بچہ نہ ملے گا میں اسٹیشن سے نہ جاؤں گی تو جب ماں کی محبت کی اپنی اولاد کے ساتھ یہ کیفیت ہے تو پھر حق تعالیٰ کو تو اپنے بندہ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ محبت ہے جب یہ بات ہے تو پھر بندہ حق تعالیٰ سے کیوں مایوس ہو بلکہ لازم ہے کہ ہر حالت میں اس کی رحمت کا امیدوار رہے۔ باقی حق تعالیٰ نے جو اپنی پوری رحمت و محبت کا جو ان کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے زیادہ اظہار نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ کہیں دلیر نہ ہو جائیں البتہ ماں کی محبت اور حق تعالیٰ کی محبت میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ ماں کی محبت تو طبعی اور غیر اختیاری ہے کہ ماں اگر اپنی اولاد کی محبت اپنے دل سے نکالنا بھی چاہے تو نہیں نکال سکتی بخلاف حق تعالیٰ کی محبت کے کہ ان کو جو اپنے بندوں سے محبت ہے وہ اختیاری ہے کہ وہ جو محبت کرتے ہیں قصد و اختیار سے کرتے ہیں اور جب زائل کرنا چاہیں تو اس محبت کو زائل بھی کر سکتے ہیں اس لئے بندوں کو چاہیے کہ نہ تو حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوں اور نہ اس کی محبت کا حال معلوم کر کے یہ خیال کرنے لگیں کہ ہم خواہ کتنی ہی نافرمانی کریں وہ برابر ہم سے محبت ہی کرتے رہیں گے اور یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ جب ماں کی محبت طبعی اور غیر اختیاری ہے اور حق تعالیٰ کی اختیاری تو پھر حق تعالیٰ کی محبت ماں کی محبت سے کیسے زیادہ ہوئی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی محبت زیادہ ہے جیسا کہ مخلوق میں دیکھا جاتا ہے کہ طبعی محبت زیادہ ہوتی ہے اختیاری محبت سے۔ جواب ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک محبت طبعی غیر اختیاری اور دوسرے محبت اختیاری تو جو محبت طبعی غیر اختیاری ہوتی ہے چونکہ وہ مخصوص ہے مخلوق کے ساتھ جو کہ محدود ہے اس لئے اس کی ایک حد ہوتی ہے کہ وہ اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی بخلاف محبت اختیاری کے کہ اس کی فی نفسہ کوئی حد نہیں ہوتی بلکہ محبت کے اختیار اور قدرت پر اس کا مدار ہے اس میں جس درجہ کی وسعت ہوگی اسی درجہ اس کی محبت بھی وسیع ہوگی تو ماں کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے وہ چونکہ ایک طبعی اور فطرتی چیز ہے جس قدر حق تعالیٰ نے اس میں ودیعت رکھ دی ہے اس میں ماں کے قصد و اختیار کو کوئی دخل نہیں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مخلوق کی محبت طبعی غیر اختیاری ہوتی ہے اس کی ایک حد ہوتی ہے اس لئے ماں اگر اپنی اس محبت میں اضافہ کرنا بھی چاہے اور اس

کی کوشش بھی کرے کہ جتنی محبت اس کی اولاد کی اس کے قلب کے اندر حق تعالیٰ نے رکھ دی ہے اس سے زیادہ کرنے لگے تو نہیں کر سکتی اور حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہیں ان کا جو فعل بھی ہوتا ہے وہ ان کے قصد و اختیار سے ہوتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کو جو اپنے بندوں سے محبت ہے وہ محبت بھی اختیاری ہے تو چونکہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اختیاری محبت ہے اور اختیاری محبت کی فی نفسہ کوئی حد نہیں ہوتی بلکہ اس کا مدار قدرت پر ہے اس لئے حق تعالیٰ کو جو اپنے بندوں سے محبت ہے اس کی کوئی حد لازم نہیں ہوگی بلکہ جیسے حق تعالیٰ کی قدرت اور اختیارات غیر محدود ہیں اسی طرح حق تعالیٰ اپنی محبت کو جو ان کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے جتنا چاہیں بڑھا سکتے ہیں پس ماں کی محبت کی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے ایک شخص ہے اس کے پاس صرف ایک روپیہ تھا زیادہ نہ موجود ہے اور نہ حاصل کر سکتا ہے وہ اس نے اپنے ایک دوست کو دے دیا اب اگر وہ اپنے دوست کو کچھ اس سے زیادہ دینا چاہے تو نہیں دے سکتا کیونکہ اس سے زیادہ دینا اس کے اختیار ہی میں نہیں۔ اسی طرح جتنی محبت ماں کے اندر حق تعالیٰ نے اس کی اولاد کی رکھ دی ہے اس سے زیادہ ماں کے اختیار ہی میں نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی محبت کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادشاہ ہے کہ اس کے پاس لاکھوں روپے ہیں۔ تو وہ اپنے غلاموں کو جتنا چاہیں دے سکتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی محبت چونکہ اختیاری ہے جس کی کوئی حد نہیں تو وہ اس محبت و رحمت کو اپنے بندوں کے لئے جتنا چاہیں بڑھا سکتے ہیں مگر حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں اور مقتضاء حکمت یہ ہے کہ خاص ایک مقدار سے عطا فرماتے ہیں اس لئے اس محبت کی بھی ایک مقدار ہے لیکن بناء بر نصوص مانگنے سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں اور وہ مقدار بھی کثیر اور لا تقف عند حد ہوگی تو ہر طرح حق تعالیٰ کی محبت بڑھی رہی۔

(۱۳۳) بزرگان سلف کا حال

فرمایا میں نے بزرگان سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آجکل اکثر مشائخ کا ہے۔ ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور۔ بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ طہارت اور اتباع سنت میں صحابہ کا سا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو

کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول کا دعوی اور سنت رسول ﷺ کا ترک۔ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کروں گا اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اس کی سزا نہ ہو۔ تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہ کا تھا۔ البتہ نفس کشی کے لئے جیسے مجاہدات شاقہ ان بزرگان سلف سے منقول ہیں صحابہ نے کم کئے ہیں گو صحابہ کا مذاق بھی تہذین نفس کے بارہ میں وہی تھا جو ان بزرگوں کا تھا مگر صحابہ نے جو ایسے مجاہدات زیادہ نہیں کئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کو ایسے مجاہدات کی حاجت نہ تھی کیونکہ اول تو صحابہ کی استعداد قوی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اس وجہ سے صحابہ کی وہ شان تھی جیسا کہ کسی نے کہا ہے

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

اب رہی یہ بات کہ جب صحابہ کو حاجت نہ تھی ایسے مجاہدات کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بدرجہ اولی حاجت نہ ہوگی ایسے مجاہدات کی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مجاہدات کیوں منقول ہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایسے مجاہدات کئے ہیں تو اس کی غرض تہذیب نفس اور معالجہ نفس نہ تھی بلکہ وجہ اس کی ذوق و شوق تھی اور جیسے حضرات صحابہ کو بوجہ قوت استعداد اور فیض صحبت ایسے مجاہدات کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ تھی اسی طرح اب بوجہ ضعف تحمل ایسے مجاہدات کی ضرورت نہیں کیونکہ اب لوگوں کے قوی ضعیف ہیں اب ایسے مجاہدات کا تحمل نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے مجاہدات کی وجہ سے صحت خراب ہو کر جو کچھ اعمال اس سے پہلے ہو بھی جاتے تھے وہ بھی ترک ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل چیز اعمال ہی ہیں مجاہدات و ریاضات تو ان کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور حق تعالی کا فضل اس پر موقوف نہیں کہ اس زمانہ میں بھی بزرگان سلف جیسے شدید مجاہدے کئے جاویں بلکہ اس زمانہ میں حق تعالی کا فضل بقدر اپنے امکان کوشش کرنے سے متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے اب جس کو جتنا امکان ہوا اتنا ہی مجاہدہ اس کے لئے کافی ہے البتہ اتباع شریعت وہ ہر شخص کے لئے ہر زمانہ میں یکساں ضروری ہے بغیر اس کے وصول الی اللہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۳۴) ذکر کا ثمرہ آجلہ رضائے حق ہے

فرمایا بعض سالکین جو ذکر کر کے اس کے طالب اور متوقع ہوتے ہیں کہ ان کو ذوق و شوق و یکسوئی وغیرہ حاصل ہو اور جب یہ چیزیں ان کو حاصل نہیں ہوتی ہیں تو وہ تنگدل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے فائدہ ہی کیا ہوا سو یہ ان کی غلطی ہے اس لئے کہ ذکر کے ثمرے دو ہیں ایک ثمرہ آجلہ اور دوسرے ثمرہ عاجلہ۔ ثمرہ آجلہ تو رضائے حق ہے اور وہ رضاء ذکر سے دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے مگر ظہور اس کا آخرت میں ہوگا اور ثمرہ عاجلہ احوال و کیفیات ہیں جیسے ذوق و شوق و یک سوئی وغیرہ تو ذکر سے جس ثمرہ کا حصول یقینی ہے اور ذکر پر جس ثمرہ کے مرتب کرنے کا حق تعالی کی طرف سے وعدہ ہے وہ ثمرہ صرف ثمرہ آجلہ یعنی رضائے حق ہے باقی رہے ثمرات عاجلہ سو نہ ان کا حق تعالی کی طرف سے وعدہ ہے نہ ان کا حاصل ہونا یقینی ہے پس جس ثمرہ کا حصول نہ یقینی ہو نہ اس کی عطاء کا وعدہ ہو اس کے حاصل نہ ہونے پر تنگ دل ہونا کیسا اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے کوئی شخص کسی کی دعوت کرے کہ تمہاری فلاں دن دعوت ہے اور جب وہ دعوت کا دن آئے اور یہ مہمان اس کے پاس جائے تو وہ اس کی بہت خاطر کرے اور خوب اچھے اچھے کھانے کھلائے اور جب یہ مہمان کھانا کھا چکے اور میزبان کے پاس رخصت ہونے لگے تو بجائے اس کے اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرے اور الٹی شکایت کرنے لگے کہ آپ نے مجھ کو کھانا تو کھلا دیا مگر کچھ نقد تو دیا ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اس مہمان کو ملامت کرے گا اور کہے گا کہ نقد کا اس نے وعدہ ہی کب کیا تھا جو تو اس کے نہ ملنے پر میزبان کی شکایت کرتا ہے اسی طرح جب خدا تعالی نے ایک شخص پر اپنا احسان فرمایا کہ اس کو ایک ایسے عمل کی توفیق عطاء فرمائی کہ جس سے وہ حق تعالی کی رضا کا مستحق ہو گیا تو اس پر تو یہ واجب ہے کہ حق تعالی کا شکریہ ادا کرے نہ یہ کہ دوسری چیزیں جن کا حق تعالی کی طرف سے وعدہ بھی نہ تھا ان کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگدل ہو اور حق تعالی کی شکایت کرے۔

(۱۳۵) ہیبت کے تین اسباب

فرمایا عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محبت و ہیبت جمع نہیں ہوتے اور اسی لئے محبت کے لئے یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ اس کے قلب میں محبوب کی ہیبت ہو۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ بلکہ ہیبت کے تین اسباب ہیں جن میں سے ایک سبب محبت بھی ہے اور اس کو وہی لوگ جان سکتے ہیں کہ جنہوں نے کبھی محبت کا مزہ چکھا ہے محب جانتا ہے کہ محبوب میرا کچھ نہیں کر سکتا مگر

باوجود اس کے پھر محب کے قلب میں محبوب کا رعب ہوتا ہے اور وجہ رعب کی محبوب کا حسن و جمال ہوتا ہے اور یہ ہیبت جس کا سبب محبت ہو اعلیٰ درجہ کی ہیبت ہے اور کبھی ہیبت ہوتی ہے عظمت کے سبب سے۔ یہ دوسرا درجہ ہے ہیبت کا اور تیسرا درجہ جو سب سے گھٹیا ہے وہ یہ ہے کہ ہیبت کا سبب احتمال ضرر ہو جیسا کہ سانپ کی ہیبت ہوتی ہے کہ اس کا سبب سانپ کی محبت یا اس کی عظمت نہیں ہوتی بلکہ سانپ کا خوف ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی مجلس میں سانپ نکل آئے تو سب لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر یہ کھڑا ہونا سانپ کی محبت اور عظمت کے سبب نہ ہوگا بلکہ اس لئے ہوگا کہ کھڑے ہو کر جوتا اور ڈنڈا تلاش کریں پس متکبرین اور ظالموں کی جو ہیبت لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کے قلوب میں اس ظالم کی محبت اور عظمت ہے بلکہ اس کی ہیبت کا سبب خوف ہوتا ہے کہ جیسے سانپ کو موذی سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے شر سے بچنے کی تدبیر کرتے ہیں اسی طرح ظالم کو موذی سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کی خوشامد کرتے ہیں۔

(۱۳۶) شریعت میں خواب کا درجہ اور حکم

اس کا ذکر تھا کہ آج کل لوگ خواب کو اس قدر بڑی چیز سمجھتے ہیں کہ اتنی وقعت لوگوں کے ذہنوں میں وحی کی بھی نہیں حالانکہ اول تو ہمارا خواب ہی کیا ہے ہمارے خواب کی حقیقت تو اکثر یہ ہوتی ہے کہ دن بھر کے جو خیالات ہمارے دماغ میں بسے ہوئے رہتے ہیں وہ ہی رات کو سونے میں اسی صورت میں یا کسی دوسری صورت میں نظر آجاتے ہیں اور اگر کوئی خواب تصرف نفسانی یا شیطانی سے پاک بھی ہو اور واقعی وہ خواب از قبیل رویائے صالحہ ہی ہو تب بھی شریعت میں ایسے خواب کا درجہ صرف اتنا ہے کہ حدیث میں اس کو مبشرات فرمایا گیا ہے۔ کہ اگر اس خواب کے اندر کوئی اچھی بات نظر آئے تو وہ خواب ایک دل خوش کن چیز ہے نہ یہ کہ وہ کوئی شرعی حجت ہے اور اس کا درجہ احکام شرعیہ کے برابر ہے بلکہ اگر کوئی خواب ایسا ہو کہ اس پر عمل کرنے سے کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم آتی ہو تو ہرگز ایسے خواب پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا اسی مضمون کے سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مصر کے اندر ایک بار کسی مسلمان نے خواب دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اشرب الخمر یعنی تو شراب پی تو اس شخص نے علماء سے تحقیق کی تو علماء مصر نے باتفاق جواب دے دیا کہ

ہرگز حلال نہیں بلکہ تم کو حضور کا ارشاد یاد نہیں رہا اور اگر میں اس مجمع میں ہوتا تو جواب دیتا کہ اگر صحیح بھی یاد ہوتا تب بھی شراب سے یہ دنیوی شراب مراد نہیں بلکہ مراد شراب سے شراب محبت ہے یعنی مطلب حضور کا یہ ہے کہ تم خدا اور رسول ﷺ کی محبت اپنے اندر پیدا کرو۔ اسی طرح خواب کو غلط سمجھنے کا کانپور کا ایک واقعہ ہے کہ وہاں ایک شخص درویش تھے جو حقہ پیا کرتے تھے پھر انہوں نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے پیچوان یعنی حقہ رکھا ہوا ہے اس خواب سے وہ یہ سمجھے کہ حضور مجھ کو فعلاً اجازت دے رہے ہیں کہ تم حقہ پینا پھر شروع کر دو مجھ سے انہوں نے اپنا یہ خواب ظاہر کیا میں نے ان سے کہا کہ اس خواب کی بناء پر ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اور یہ جو تم نے خواب دیکھا ہے یہ حضور ﷺ کا فعل نہیں ہے تمہارا فعل ہے جو حضور ﷺ کی ذات مبارکہ کے آئینہ میں متمثل ہوا۔ سو اول تو خواب حجت نہیں دوسرے یہ خواب اپنی صورت ظاہری پر نہیں بلکہ صورت مثالی پر ہے لہٰذا قابل عمل نہیں اسی طرح مدرسہ دیوبند کا ایک قصہ ہے کہ دارالعلوم میں ایک مرتبہ ایک طالب علم آئے جو مدرسہ میں داخل ہونا چاہتے تھے چنانچہ ان کو داخل کر لیا گیا مگر وہ اس پر مصر تھے کہ میں شرح جامی پڑھوں گا حالانکہ جب ان کا امتحان لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی ان کے اندر ہرگز اتنی استعداد نہیں کہ شرح جامی پڑھ سکیں بلکہ اول ان کو نحو کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھنا ضروری ہے تو جب ان سے کہا گیا کہ تمہارے اندر ابھی اتنی استعداد نہیں کہ تم شرح جامی پڑھ سکو لہٰذا فی الحال تم کو شرح جامی میں شریک نہیں کیا جا سکتا وہ اس وقت خاموش ہو گئے اگلے روز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تم شرح جامی پڑھو۔ لہٰذا مجھ کو شرح جامی پڑھنے کی اجازت دی جاوے تو مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق تو ہم حضور ﷺ سے خود عرض معروض کر لیں گے مگر تم کو فی الحال شرح جامی کی بجائے نحو کی کوئی کتاب پڑھنی ہوگی۔ سو اس جواب کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم دعویٰ رویت کی تکذیب نہیں کرتے لیکن اس کا کیا اطمینان ہے کہ انہوں نے ارشاد کو صحیح سنا اور سمجھا بھی۔

(۱۳۷) طریق باطن میں اصل مقصود اعمال ہیں

ایک بار حضرت والا یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں۔ باقی

رہے حالات اور مکاشفات اور تصرفات سو یہ مقصود نہیں نہ ان کا حصول اختیاری ہے اور نہ ان کے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر۔ بس اصل چیز اعمال ہیں کہ بغیر ان کے ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہو سکتا۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پھر اسی ارشاد کی تائید میں حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روز مرہ ان کو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں انہیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضور ﷺ تھے ان کا ایک قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو مفارقت گوارا نہیں حکم ہوا کہ پریشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کرے گی اس پر مطمئن ہو کر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ارشاد ہوا کہ غریبان ہند پر نظر عنایت رکھنا اس کا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اس وقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش اور فقیر ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات کرتے ایک بار انہوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو وہاں بھی تشریف لے گئے تو جب شیخ اس درویش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک بہت بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ اس کے معتقد ہیں اس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر مدارات کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے۔ تو حضرت شیخ نے شراب پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے میں نہیں پی سکتا اور اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑے گی حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا کہنے لگے کہ اگر نہ پیئے گا تو پچھتائے گا شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں جو شخص شریعت پر عمل کرے گا وہ کبھی نہیں پچھتائے گا اور یہ کہہ کر اس درویش کے پاس سے چلے آئے شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو دربار نبوی ﷺ میں جب حضوری ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضور تشریف فرما ہیں اس مکان کے دروازہ

پر وہ درویش کھڑا ہوا ہے اور پہرا دے رہا ہے۔ جب شیخ نے اندر دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اس درویش نے روک دیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانو گے اس وقت تک اندر نہ جانے دوں گا۔ خیر یہ مجبور ہو گئے۔ صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم صاحب کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اس کے کہ شیخ اس سے شب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالا پی لیتے تو کیوں محروم رہتے حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے حضور ﷺ مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالہ پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضور ﷺ تو مجھ سے ناراض ہو جاتے اس لئے کہ حاضری فرض نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضور ﷺ کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا ہے کہ تیرے دھوکے میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لوں گا تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا اس کے بعد دوسری شرب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش کو دیکھا۔ جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اس درویش نے کل کی طرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روک دیا صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو اس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچھتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا تیسرے دن بھی شب کے وقت جب شیخ نے دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش نے حضرت شیخ کو پھر روک دیا۔ اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر کی جاوے کہ حاضری نصیب ہو کہ اسی وقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات ہے دو دن سے عبدالحق نہیں آئے بس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فورا" چیخ کر عرض کیا کہ حضور ﷺ یہ شخص مجھ کو اندر آنے نہیں دیتا بس حضور ﷺ نے اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسأ یا کلب یعنی دور ہو اے کتے اور حضرات صحابہ کو حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دو چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اس درویش کے پاس تشریف

لے گئے تو وہاں اس درویش کے یہاں بڑا مجمع رہتا تھا تو اور تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش نہ تھا انہوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کہاں ہیں خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں دریافت کیا کہ آج باہر کیوں نہیں آئے کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود ان کے منتظر ہیں شیخ حجرہ میں پہنچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آکر دیکھا تب بھی نہ پایا تو اب وہ خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں پھر حضرت شیخ نے ان خدام سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ ہاں آج ایک کتے کو بیشک یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہوگا تب حضرت شیخ نے ان لوگوں سے کہا یہ کتا وہی درویش تھا اس کی صورت کو کتے کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ہے۔ اور شب کا سارا واقعہ اپنا اور اس درویش کا بیان فرمایا اس قصہ کو سن کر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اس درویش کے تمام خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بات یہاں بھی قابل غور ہے کہ درویش کے خدام تو اس درویش کے دھوکے میں آگئے اور حضرت شیخ اس درویش کے دھوکے میں نہ آئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس درویش کے خدام تو کیفیات اور مکاشفات اور تصرفات اور واردات کو مقصود سمجھتے تھے اور انہیں چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اس درویش کے اندر موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل چیز ہیں ان کو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے لہٰذا جب یہ مکاشفات وغیرہ ان لوگوں نے اس درویش کے اندر دیکھے تو اس کو کافی سمجھا اور اس کے معتقد ہو گئے اور شیخ اعمال کو مقصود سمجھتے تھے اس لئے شیخ نے جب اس کو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اس کے مکاشفات اور تصرفات کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور اس کے معتقد نہ ہوئے۔ پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی سے عرض کیا کہ حضرت باوجود فسق و فجور کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار تک اس درویش کی رسائی کیونکر ہو گئی تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس حاضری کے بعد بھی وہ کفار اور منکرین ویسے ہی مبغوض رہتے تھے جیسے حاضری سے قبل تھے ایسی حاضری اور رسائی کی جو

مبغوضیت کے ساتھ ہو ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ایک چور کی جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنے کی غرض سے نکلتا ہے ایوان شاہی تک رسائی ہو جاتی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اس چور کے جوتیاں لگتی ہیں تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت کے ساتھ تھی اس درویش کے کیا کام آسکتی تھی اور یہ رسائی اس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہو سکتی تھی بس اصل بات یہ ہے جو نہایت کام کی ہے کہ وصول مقصود نہیں بلکہ قبول مقصود ہے اور قبول بغیر اعمال کے ہوتا نہیں لہٰذا اصل چیز اعمال ہوئے بس ان کی فکر میں لگنا چاہیے۔ پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ واردات اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ لوگ جاہل درویشوں کے تو معتقد ہو ہی جاتے ہیں مگر اس سے زیادہ اس میں ایک خطرہ کی بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دھوکے میں بھی آجائیں گے اور وجہ اس دھوکے میں آجانے کی یہ ہوگی کہ دجال کے اوپر ایک قسم کا سکر اور غیبت اور بے خودی اور مدہوشی سی طاری ہوگی جیسا مجاذیب پر حالات باطنی کے سبب سے سکر اور غیبت طاری ہو جاتی ہے تو اس وجہ سے دجال کی حالت بظاہر مجاذیب کے مشابہ ہو جائے گی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اس کو مجذوب سمجھ کر اس کے معتقد ہو جائیں گے اور اس کی خلاف شرع باتوں کی تاویل کریں گے پھر آخر کار اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کا اتباع کرنے لگیں گے اور گمراہ ہوں گے۔

اور دجال پر جو یہ حالات مثل سکر اور غیبت اور بے خودی طاری ہوں گے حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا بلکہ کافر ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات جیسا کہ کبھی کسی باطنی سبب سے طاری ہوتے ہیں اسی طرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمد و رفت ہوتی ہے تو ان شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی اس شخص پر یہ حالات طاری ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنان عرب کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان پر ایک قسم کی مدہوشی سی رہتی تھی تو اس کی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا اور کاہنوں کا تو شیاطین سے خاص تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ شیاطین ہی سے ادھر ادھر کی خبریں دریافت کرتے ہیں تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمد و رفت ہوگی اس لئے اس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کا سکر اور بے خودی سی طاری ہوگی۔

(۱۳۸) اصل مقصود رضائے الٰہی ہے

فرمایا اصل مقصود رضاء ہے محض وصول مقصود نہیں یعنی جو وصول حق تعالیٰ کا حق تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ نہ ہو وہ وصول مقصود نہیں بلکہ وصول وہی مقصود ہے جس کے ساتھ رضاء بھی ہو اور وصول بلا رضا کی مثال ایسی ہے کہ دہلی کے شاہی زمانہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص دیہاتی غریب دہلی میں آیا اور اس کو شوق ہوا کہ میں بادشاہ کا دیدار کروں مگر حیران تھا کہ کس طرح یہ مقصود حاصل ہو کہ ایک شخص ملے جو بہ ظاہر بھلے مانس معلوم ہوتے تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو کوئی ایسا طریقہ بتلاؤ کہ میں بادشاہ کا دیدار کرلوں انہوں نے اس شخص سے کہا کہ یہ کیا دشوار ہے کسی بھلے مانس کو پیٹ پاٹ دو بس دیدار ہو جائے گا۔ وہ شخص پکڑ کر خود تجھے دربار میں لے جائے گا بس دیدار ہو جائے گا۔ اس دیہاتی نے کہا اجی بھلا تم سے زیاد بھلا مانس کون ہوگا اور یہ کہہ کر اس دیہاتی نے اس شخص کو پیٹ دیا تو وہ صاحب چونکہ ایک معزز آدمی تھے اور اس دیہاتی کے ہاتھوں ان کی بڑی بے عزتی ہوئی تھی اس لئے ان کو بڑا غصہ آیا اور اس دیہاتی کو پکڑ کر خود دربار میں لے گئے اور اس طرح اس دیہاتی کو بادشاہ کا دیدار ہو گیا تو کیا کوئی ایسے دیدار کو مستحسن سمجھے گا ہرگز نہیں ورنہ پھر اس طرح تو ہر شخص بادشاہ کا دیدار کر سکتا ہے بلکہ دیدار وہی محمود ہے جو بادشاہ کی خوشی کے ساتھ ہو اسی طرح وصول وہی مقصود ہے جو رضاء کے ساتھ ہو۔ پھر اس پر حضرت والا نے تفریع کی اور فرمایا کہ اسی طرح بعض طالبین کی یہ تمنا ہوتی ہے اور انتظار ہوتا ہے کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آیا کرے تو گو ذکر بھی ایک قسم کا قرب ہے مذکور کا اور محب اپنے محبوب کے قرب کا مشتاق ہوا ہی کرتا ہے اور اس لئے یہ چاہنا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے بظاہر محمود معلوم ہوتا ہے مگر ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شیخ کے قرب سے زیادہ ان کو شیخ کی رضا اور خوشنودی کی فکر چاہیے دوسرے یہ ہے کہ یہ چاہنا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے دلیل ہے اس بات کی کہ ابھی طالب کو فناء نہیں حاصل ہوئی اور میں اپنے لئے اور اسی طرح اپنے سب دوستوں کے لئے جو چیز تجویز کرتا ہوں وہ فناء ہے اور جب فناء حاصل ہو گئی تو پھر یہ چاہنا کیسا کہ شیخ کی مجلس میں میرا بھی ذکر آئے غرض بندہ کو اپنے لئے فنا ہی تجویز کرنا چاہیے خوب کہا ہے کہ

ہو فناء ذات میں کہ تو نہ رہے　　　تیری ہستی کی رنگ وبود نہ رہے

آرزوئے وصل پردہ ہے آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے

(۱۳۹) معیت حق تعالیٰ شانہ رونق بڑھانے کے لئے کافی ہے

فرمایا جو لوگ مدعی تصوف ہیں اور مقتدا کہلاتے ہیں اور اپنے مجمع کی رونق بڑھانا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے اپنے پاس والوں کو امر بالمعروف اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ مبادا یہ لوگ ناخوش ہو کر ہم کو لوگوں میں سخت نہ مشہور کردیں اور مبادا ہمارے پاس یہ لوگ آنا بند کردیں تو ان کو چاہیے کہ سوچیں کہ جب وہ قبر میں تن تنہا ہوں گے اور کوئی ان کا مونس و غمگسار نہ ہوگا تو کیا اس وقت بھی اس مجمع سے رونق حاصل کی جاسکے گی اگر جواب نفی میں ہو تو پھر جس چیز سے وہاں رونق حاصل ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت بس اسی چیز سے یہاں بھی اپنی رونق بڑھانی چاہیے۔ بس وہ چیز یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت رونق بڑھانے کے لئے کافی ہے لہٰذا جس شخص کے اندر جو بات قابل اصلاح ہو اس کی اصلاح کی طرف سے بے پرواہی نہ کرنا چاہیے خواہ مجمع گھٹے یا بڑھے۔

(۱۴۰) صوفیاء محققین تصوف کے مجتہد ہیں

فرمایا صوفیائے محققین اپنے فن یعنی تصوف کے اندر مجتہد ہوتے ہیں لہٰذا اگر کسی محقق صوفی کا قول تدابیر اصلاح کے متعلق یا احوال و مقامات باطنہ کے متعلق علماء ظاہر میں سے کسی کے خلاف دیکھا جاوے تو علی الاطلاق رد نہیں کردینا چاہیے بلکہ اس کے اندر تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر وہ قول کسی نص کا مصادم ہو اور ایسا مصادم ہو کہ اس قول کی کوئی ایسی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو کہ جس سے وہ قول نصوص کے موافق ہو جائے تب وہ قول مردود ہے اور اگر وہ قول نصوص کے تو مخالف نہیں مگر آئمہ مجتہدین کی تصریحات کے مخالف ہے تو صوفیاء محققین کے ایسے قول کو مردود نہیں کہہ سکتے لیکن مرجوح ضرور کہیں گے لہٰذا اگر صوفیاء کے اس قول پر کوئی شدت محبت پر عمل کرلے تو اس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ گنجائش ہے مگر راجح وہی قول رہے گا کہ جو آئمہ مجتہدین کا ہے۔

(۱۴۱) کیا عوام کے خوف ملامت سے مستحسن عمل ترک کیا جاسکتا ہے

ایک اہل علم نے سوال کیا کہ اگر کوئی فعل شرعاً فی نفسہ تو قبیح نہ ہو بلکہ محمود اور مستحسن

ہو لیکن عوام اپنے نزدیک اس کو برا اور مذموم سمجھتے ہوں اور اس لئے اندیشہ ہو کہ اگر اس فعل کو کیا جاوے گا تو عوام اس کام کے کرنے والے کی طرف سے بد گمان ہوں گے اور اس کو بدنام کریں گے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے آیا یہ مخلوق کی ملامت اور طعن کی پرواہ نہ کرے اور اس کام کو کرلے یا ملامت اور بدنامی کے خوف سے اس فعل سے اجتناب کرے اور اس کام کو نہ کرے حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ یہی اس سوال کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ اس کا فیصلہ کرنا بھی حکیم ہی کا کام ہے یعنی ایسی صورت میں نہ علی الاطلاق اس فعل کے ارتکاب کی اجازت دے سکتے ہیں اور نہ علی الاطلاق اس فعل کو منع کر سکتے ہیں۔ بلکہ کتاب و سنت میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تفصیل ہے چنانچہ اس وقت میں دو واقعے بیان کرتا ہوں وہ دونوں واقعے ایسے تھے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ عوام الناس کے نزدیک قابل ملامت تھے مگر ایک مقام پر تو حق تعالیٰ نے حضور کی رائے کو باقی رکھا اور دوسرے واقعہ میں آپ کی رائے کے خلاف حکم دیا ایک واقعہ تو ادخال حطیم فی البیت کا ہے جس کی شرح یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی نبوت سے قبل جب کعبہ کی تجدید بناء کی ضرورت ہوئی تو قریش نے کعبہ کو منہدم کر کے پھر از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا مگر شروع میں تو قریش کا خیال تھا کہ کعبہ کی تعمیر بناء ابراہیمی کے ہی مطابق ہونا چاہیے مگر اثنا تعمیر میں جب نفقہ کے اندر کمی محسوس کی تو پھر انہوں نے بناء ابراہیمی کی موافقت کے خیال کو ترک کر کے کعبہ کے حدود میں اختصار کیا یعنی حطیم کو جو کہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہے۔ اور پہلے کعبہ ہی کے اندر داخل تھا خارج کر کے اسی جگہ کعبہ کی تعمیر ختم کر دی۔ تو چونکہ حطیم کعبہ ہی کا ایک جزو ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ ارادہ کیا تھا کہ مثل سابق اب بھی حطیم کو کعبہ کے اندر داخل کر دیا جاوے۔ مگر چونکہ یہ ادخال حطیم فی البیت بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ کعبہ کی عمارت کو منہدم کیا جاوے اور کعبہ کو منہدم کرنا ایک ایسا فعل تھا کہ جس کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ کفار حضور کو بدنام کریں گے کہ اچھے نبی ہیں کہ کعبہ کو منہدم کر دیا اس لئے حضور نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ موجودہ بناء میں تغیر کیا جاوے تو اس مقام پر حق تعالیٰ نے حضور کی رائے مبارک کو باقی رکھا اور اس فعل موجب ملامت کر کے ارتکاب کی اجازت

نہیں دی اور دوسرا واقعہ جہاں ملامت خلق کی پروا نہیں کی گئی وہ واقعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ہے جو خود کلام اللہ میں مذکور ہے اس واقعہ کی شرح یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح اول حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا یہ زید بن حارثہ (جیسا کہ بیان القرآن میں مذکور بھی ہوا ہے عربی الاصل بنی کلب میں سے ہیں یہ اپنے ننھیال میں گئے ہوئے تھے کہ وہاں لوٹ مار ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر سوق عکاظ میں بیچے گئے اور حضرت خدیجہ نے اپنے برادر زادہ حکم بن حزام کو ایک ہوشیار غلام خریدنے کے لئے کہہ رکھا تھا انہوں نے ان کو خریدا پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور نے نکاح کیا تو آپ نے ان سے زید بن حارثہ کو بطور ہبہ کے لے لیا یہ سفر شام میں اپنی قوم میں سے گزرے تو ان کے چچا اور باپ نے ان کو پہچان لیا اور سب حال سن کر مکہ میں حضور کی خدمت میں آکر ان کو مانگا آپ نے حضرت زید ہی کو اختیار دے دیا۔ انہوں نے آپ ہی کے پاس رہنا پسند کیا ان کے عزیزوں نے کہا بھی کہ تم غلامی کو پسند کرتے ہو انہوں نے کہا چاہے کچھ ہو میں حضور ﷺ کو نہ چھوڑوں گا آپؐ نے خوش ہو کر ان کو آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا اس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے چاہا کہ حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے جو حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں کر دیا جاوے چونکہ حضرت زید عام میں غلام مشہور ہو چکے تھے حضرت زینب نے اور ان کے بھائی نے اس نکاح کی منظوری سے عذر کیا مگر اس کے بعد اس کے متعلق آیت نازل ہوئی محض خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کو ضروری سمجھ کر حضرت زینب نے یہ نکاح منظور کر لیا مگر اتفاق سے حضرت زید بن حارث اور حضرت زینب کے مزاجوں میں توافق نہ ہوا حضرت زید نے طلاق دینا چاہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا آپ نے فہمائش کی کہ طلاق مت دو مگر جب کسی طرح موافقت نہ ہوئی اور پھر عزم طلاق ظاہر کیا اس وقت حضور کو بوحی الٰہی معلوم ہوا کہ زید ضرور طلاق دیں گے اور زینب کا نکاح آپ سے ہو گا اور اس وقت مصلحت بھی یہی تھی کیونکہ اول تو یہ نکاح خلاف مرضی ہونے کی وجہ سے موجبِ رنج طبعی ہوا تھا پھر اس پر طلاق دینا اور زیادہ موجب کلفت اور دل شکنی تھا۔ اس دل شکنی کا تدارک جس سے حضرت زینب کی اشک شوئی ہو سکتی تھی اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضور ﷺ ان سے نکاح کر کے ان کی دلجوئی اور قدر افزائی فرما دیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے حضور ﷺ کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر

میرا نکاح زینب سے ہوا تو عوام طعن کریں گے کہ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرلیا اور اس وجہ سے حضور ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کو پسند نہ فرماتے تھے مگر آخر کار بحکم خداوندی آپؐ نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ تو اس مقام پر عوام کی بدنامی کے خیال سے اس فعل کو ترک نہیں کیا گیا بخلاف قصہ ادخال حطیم فی البیت کے کہ وہاں پر عوام کو طعن کے خیال سے اس فعل کی اجازت نہیں دی گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے اندر تفصیل ہے اسی کو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ سمجھنا حکیم کا کام ہے کہ کہاں پر خوف ملامت سے کسی فعل کو ترک کرنا چاہیے اور کہاں پر نہیں تو یہاں تک مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد تھا اب آگے ان دونوں واقعوں میں فرق جس کی وجہ سے ایک میں یعنی حضرت زینب سے نکاح میں ملامت کے خوف کی رعایت نہیں کی گئی اور دوسرے واقعہ میں یعنی ادخال حطیم فی البیت کے واقعہ میں ملامت کے خوف کی رعایت کی گئی سو وہ فرق میری سمجھ میں یہ آیا ہے کہ کتاب و سنت میں نظر کرنے سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ فعل جو لوگوں کے نزدیک قابل ملامت ہے اگر واجب یا مقصود فی الدین ہے تب تو بدنامی کے خوف سے اس کو ترک نہ کیا جاوے گا۔ اور اگر وہ فعل جو لوگوں کے نزدیک قابل ملامت ہے نہ واجب ہو اور نہ مقصود فی الدین ہو کہ اس کے ترک میں کوئی حرج ہو تو اس کو نہ کیا جاوے گا پس حضرت زینب کے واقعہ میں جو لوگوں کے بدنام کرنے کی وجہ سے ترک نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ یہ زید بن حارثہ حضور ﷺ کے متبنیٰ رہ چکے تھے اور اس زمانہ میں عوام الناس متبنیٰ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو ناجائز اور حرام اور ایسا قبیح سمجھتے تھے کہ عوام کے اس فساد عقیدہ کی اصلاح کے لئے اس وقت صرف تبلیغ قولی کافی نہ تھی بلکہ ضرورت تھی کہ تبلیغ فعلی کی جاوے اور یہ نکاح کرنا تبلیغ فعلی تھا اور تبلیغ واجب اور مقصود فی الدین ہے۔ لہٰذا یہ نکاح کرنا مقصود فی الدین تھا اس لئے حضور ﷺ نے یہاں لوگوں کی ملامت کی پرواہ نہ کی اور نکاح فرمایا۔ اس کی دوسری نظیر دیکھئے کہ حضور ﷺ نے جب لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے حضور ﷺ کو کتنا بدنام کیا مگر کیا حضور نے ان کے بدنام کرنے کی وجہ سے توحید کی دعوت ترک کردی۔ ایک تیسری نظیر اس کی جو اس وقت خیال میں آئی معراج کا واقعہ ہے کہ جو حدیثوں میں مذکور ہے اور نشر الطیب کی فصل بارھویں واقعہ بست و سوم میں منقول ہے کہ معراج کی صبح کو جب

حضور ﷺ ام ہانی کے گھر سے باہر تشریف لے چلے تاکہ جو کچھ رات کو واقعہ ہوا اس کا لوگوں پر اظہار فرمائیں تو ام ہانی نے آپ کی چادر مبارک کا گوشہ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ لوگوں سے یہ قصہ نہ کہیے آپ کی لوگ تکذیب کریں گے تو حضور ﷺ نے ام ہانی کے اس مشورہ پر عمل نہ کیا بلکہ صاف فرما دیا کہ واللہ میں ضرور ان سے اس کو بیان کروں گا اور اس کے بعد آپ نے جب لوگوں سے معراج کے واقعہ کو بیان فرمایا تو لوگوں نے حضور ﷺ کو کتنا بدنام کیا مگر حضور نے اس بدنامی کی پرواہ نہ کی اور برابر اس واقعہ کا اظہار فرماتے رہے کیونکہ معراج کے واقعہ کا اظہار مقصود فی الدین تھا اور مقصود فی الدین کو ملامت کے خوف سے ترک نہیں کیا جا سکتا بخلاف ادخال حطیم فی البیت کے کہ وہ کوئی ضروری فی الدین فعل نہ تھا بلکہ محض ایک فعل مستحسن تھا جس پر کوئی ضروری مقصود موقوف نہ تھا اور ادخال حطیم فی البیت کا درجہ تو بعد کو ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خود کعبہ کو از سر نو تعمیر فرمایا تھا اس وقت عمارت کعبہ کا وجود نہ تھا مگر سارے ضروری کام ہو رہے تھے البتہ اس وقت اتنا ضرور کیا گیا تھا کہ لکڑیاں کھڑی کر کے کعبہ کی جگہ پر پردے ٹانگ دئے گئے تھے۔ نکاح کے واقعہ میں جو ملامت کی پرواہ نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ اس فعل کا مامور بہ ہونا تھا اور ادخال حطیم فی البیت کو جو ملامت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا اس کی وجہ اس فعل کا غیر ضروری ہونا تھا۔ اب یہاں پر بعض لوگوں کو ایک شبہ اور ہوا ہے اس کا جواب دینا ضروری ہے وہ شبہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں حضرت زینب سے حضور ﷺ کے نکاح کے واقعہ کے بیان میں ہمارے حضور کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ اور دوسرے انبیاء کے متعلق ارشاد ہے کہ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ اس سے بظاہر اشکال لازم آتا ہے کہ دوسرے انبیاء ہمارے حضور ﷺ سے اکمل تھے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ دوسرے انبیاء کا حضور ﷺ سے اکمل ہونا جب لازم آتا کہ جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کی گئی ہے اس خشیت کا اثبات حضور ﷺ کے لئے کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ نکاح کے متعلق وحی کے نزول سے قبل چونکہ حضور ﷺ کو اس نکاح کے داخل تبلیغ ہونے کی طرف التفات نہ ہوا تھا بلکہ اس میں محض ایک دنیوی مصلحت حضرت زینب کی دلجوئی اور اشک شوئی کی سمجھی تھی اس لئے لوگوں کی ملامت کے اندیشہ سے

یہ فعل کو اختیار نہ فرمایا تھا اور امور دنیویہ میں ایسا اندیشہ ہونا مضائقہ نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے مطلوب ہے جب کہ اعتراض سے دوسروں کی دین کی خرابی کا احتمال ہو اور ان کو اس سے بچانا مقصود ہو اس کے بعد جب آپ پر اس کے متعلق وحی آئی اور آپ کو اس نکاح کے اندر ایک مصلحت دینیہ بتلائی گئی جس کا ذکر آگے چل کر لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ الاية۔ میں فرمایا گیا ہے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ یہ فعل تبلیغ میں داخل ہے لہٰذا آپؐ نے پھر کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں فرمائی اور حضرت زینب سے نکاح فرمالیا۔ تو جس خشیت کا اثبات حضور ﷺ کے لئے فرمایا گیا ہے وہ خشیت تبلیغ میں نہ تھی بلکہ اول اس نکاح کو محض ایک دنیوی امر سمجھ کر اس میں یہ خشیت تھی اور جس خشیت کی نفی دوسرے انبیاء سے کی گئی ہے وہ خشیت فی التبلیغ ہے اور قرینہ اس کا کہ مراد وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ میں خشیت فی التبلیغ ہے یہ ہے کہ يَخْشَوْنَهٗ سے اوپر فرماتے ہیں اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ الاية پس نہ حضور ﷺ کے لئے خشیت فی التبلیغ کا اثبات فرمایا گیا ہے کہ جس سے حضور ﷺ کے کمال کے اندر نعوذ باللہ کچھ نقص کا شبہ ہو سکے اور نہ دوسرے انبیاء کے لئے ایسے امور مباحہ میں خشیت کی نفی کی گئی جس سے ان کا حضور ﷺ سے اکمل ہونا لازم آتا پس یہ اشکال دفع ہو گیا اب اس مقام کے متعلق ایک اور شبہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت زینب سے حضور ﷺ کے نکاح کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ایک بار آٹا گوندھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس وقت سے حضور ﷺ کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور بعض اقوال شاذۃ غیر مستندۃ الی الدلیل الصحیح کی بناء پر آیت وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ کی تفسیر محبت سے کی ہے مگر محققین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھی اور حجاب نازل ہونے سے قبل حضور شب و روز ان کو دیکھتے تھے پھر یہ احتمال کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ دلیل نفی کی کسی وہمی کے نزدیک کافی نہ ہو تو اس کے لئے نفی دلیل کافی ہوگی یعنی اس دعوی محبت کی کوئی دلیل نہیں اور دعوی بلا دلیل محض لاشے ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت زینب کے نکاح کی طرف توجہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ حضرت زینب کا نکاح

حضرت زید سے حضور کی وساطت سے ہوا تھا پھر اس میں طلاق کا واقعہ پیش آیا اس لئے حضور ﷺ کو اس کا صدمہ بھی زیادہ تھا میری وساطت سے ان کو یہ تکلیف پہنچی اور حضور ﷺ حضرت زینب کی کسی طرح دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اور دلجوئی کا طریقہ اس سے احسن نہیں تھا کہ حضور ﷺ ان سے خود نکاح کر لیں اس لئے حضور نے ان سے نکاح کرنا چاہا مگر لوگوں کی ملامت کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکاح ہوا۔ پس تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ میں یہی نکاح مراد ہے نہ کہ محبت۔ اور اس کا ایک کھلا قرینہ یہ ہے کہ اس مخفی چیز کو اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ اس سے معلوم ہوا کہ اخفاء اس چیز کا ہوا کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ابداء فرمایا ہے اور ابداء نکاح کا ہوا ہے قولاً بھی جو زَوَّجْنٰكَهَا میں ہے اور فعلاً بھی اور وہ وقوع نکاح ہے پس معلوم ہوا کہ جس چیز کا اخفاء ہوا تھا وہ نکاح تھا نہ کہ محبت تو تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ میں مراد نکاح ہے نہ کہ محبت۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ کسی فعل کے متعلق کس صورت میں عوام کے شبہات کے رفع کا اہتمام کرنا محمود ہے اور کہاں مذموم ہے اس کے متعلق ایک مفید تحقیق حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اپنی تصنیف موسومہ التشرف مطبوعہ دہلی کے حصہ اول [illegible] پر بیان فرمائی ہے یہ حصہ اول عبارت سے شروع ہوا ہے [illegible] فھذا تحقیق عدۃ [illegible] الایت الخ

(۱۴۲) ہر بزرگ کے ساتھ توجہ حق کا معاملہ جدا ہوتا ہے

ایک بار حضرت والا طریق تصوف کے کسی مسئلہ کا بیان فرما رہے تھے اس بیان میں حضرت سلطان نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ارشاد فرمائی کہ ایک بار حضرت سلطان جی اپنے شیخ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کتاب فتوحات کیہ یا فصوص کا مجلس میں تذکرہ آیا تو حضرت شیخ فرید نے فرمایا کہ نسخہ تو اس کا صحیح نہیں ملتا اس پر حضرت سلطان جی نے عرض کیا کہ فلاں شخص کے پاس اسکا صحیح نسخہ ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جی ہاں بغیر صحیح نسخے کے اس کتاب کے مطلب کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس وقت یہ تذکرہ ختم ہو گیا جب مجلس برخاست ہوئی اور سب خدام باہر آ گئے تو حضرت شیخ فرید کے صاحبزادے نے سلطان جی سے کہا کہ کچھ معلوم بھی ہے کہ بابا فرید نے یہ کیوں فرمایا کہ بغیر صحیح نسخے کے اس کا مطلب بھی

سمجھنا دشوار ہے۔ سلطان جی نے جواب دیا کہ میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صاحبزادہ نے کہا کہ حضرت شیخ کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت شیخ کو آپ کا یہ جملہ ناگوار گزرا۔ کیونکہ اس جملہ میں اس کا ایہام ہے کہ گویا آپ کے نزدیک حضرت شیخ کی استعداد علمی اتنی ناقص ہے کہ بغیر صحیح نسخے کے وہ فتوحات یا فصوص کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے اس لئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلایا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ واقعی ہے بھی یہی بات جو ان صاحبزادے نے فرمائی چنانچہ اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیے وہ یہ کہ مثلاً "ایک جدید حافظ ہے اس نے کسی کے سامنے ایک بار کہا کہ آج کل قرآن مجید صحیح کم چھپتا ہے اور اس کو سن کر کوئی شخص کہے کہ فلاں جگہ ایک نسخہ قرآن شریف کا بہت صحیح ہے تو اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک اس حافظ کو قرآن پختہ یاد نہیں اس لئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلا دیا گیا اور یہ درحقیقت اس حافظ کے حفظ کی تنقیص ہے۔ بس اسی طرح اس جملہ کو سمجھنا چاہئے جو حضرت سلطان جی کی زبان سے نکلا چنانچہ ان صاحبزادے نے جب حضرت سلطان جی کو متنبہ کیا تو سلطان جی کے ہوش اڑ گئے اور فوراً حضرت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ معافی کے خواستگار ہوئے اور بہت روئے اور بہت گڑگڑائے مگر حضرت فرید کو ان کا یہ فعل اس درجہ برا معلوم ہوا تھا کہ اس قدر معذرت کے باوجود راضی نہیں ہوئے جب سلطان جی مجبور ہو گئے اور کوئی صورت خطا کی معافی کی سمجھ نہیں آئی تو آخر کار ان کے صاحبزادے سے کہا کہ آپ میری سفارش کریں چونکہ وہ صاحبزادے تھے اور اولاد کو اپنے ماں باپ پر ایک قسم کا ناز ہوتا ہے اس لئے یہ صاحبزادے حضرت فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان جی کو معافی دینے کے لئے زور دیا چنانچہ صاحبزادے کے کہنے سے حضرت فرید نے سلطان جی کی خطا معاف فرمائی اور سلطان جی سے خوش ہو گئے پھر اپنی خوشنودی کو ظاہر کرنے کے لئے ایک جائے نماز سلطان جی کو عطا فرمائی مگر باوجودیکہ حضرت فرید نے خطا معاف فرما دی اور پھر اتنی عنایت کا بھی اظہار کیا مگر ذرا سلطان جی کی حالت دیکھئے کہ وہ کس درجہ اپنے اس فعل پر نادم ہوئے چنانچہ حضرت سلطان جی فرماتے ہیں کہ اس معافی اور خوشنودی کے بعد بھی میری یہ حالت رہی کہ میری نظر میں اپنا یہ فعل ہمیشہ کانٹا سا کھٹکتا رہا۔ اور افسوس رہا کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی تھی۔ اس حکایت کے ارشاد فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ طالب کو اتنا اعتقاد چاہیے جیسا سلطان جی کو حضرت فرید

کے ساتھ تھا اور گو ایسا اعتقاد طریق کے اندر شرط نفع نہیں لیکن اگر میسر ہو جاوے تو نفع عظیم ہے۔

(۱۴۳) شیخ سے نفع باطنی ہونے کی ایک ضروری شرط

ایک بار شیوخ طریقت کی محبت اور توجہ کا بیان فرمارہے تھے جو ان کو اپنے مریدین اور طالبین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کے ساتھ اس توجہ میں حق تعالی کا جدا معاملہ ہوتا ہے۔ بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں بلکہ دیکھے بھی گئے ہیں کہ جب ان کو اپنے کسی مرید طالب کے ساتھ زیادہ محبت اور انس ہوا ہے تو اس مرید کو موت دے دی گئی اور جلد اس کو دنیا سے اٹھالیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان بزرگ کا مقبول عند اللہ ہونا ہے یعنی حق تعالی کو یہ بات ناپسند ہوتی ہے کہ ہمارے اور ہمارے ایک مقبول بندے کے درمیان میں کوئی حجاب ہو اس لئے غیب سے اس حجاب کے ارتفاع کا یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ ان بزرگ کے اس محبوب کو بہت جلد دنیا سے اٹھالیا جاتا ہے۔ اور یہ ان بزرگ کی غیبی تربیت ہوتی ہے۔ ہماری جماعت میں بھی ایک بزرگ ایسے تھے کہ ان کے ساتھ بھی حق تعالی کا یہی معاملہ تھا کہ جس کے ساتھ ان کو محبت ہوئی اس کو دنیا سے جلد اٹھالیا گیا۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ایک بار اسی مضمون کے ارشاد کے وقت کہ ہر بزرگ کے ساتھ حق تعالی کا جدا معاملہ ہوتا ہے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کو ایک خاص شرف امتیاز حق تعالی کی جانب سے عطا ہوتا ہے چنانچہ ایک حکایت ہے کہ غالباً" حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھیں ان کے ساتھ حق تعالی کا یہ معاملہ تھا کہ ان بی بی کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تھی تو قبل اس کے کہ وہ واقعہ پیش آئے ان بی بی کو اس واقعہ کی اطلاع فرمادی جاتی تھی چنانچہ ان بی بی کا واقعہ خود حضرت سری سقطی کے ایک مرید اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پیر کی ایک مریدنی تھیں ان کا ایک لڑکا کہیں پانی میں ڈوب کر مر گیا جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حضرت سری سقطی اٹھ کر اس مریدنی کے گھر گئے اور صبر کی نصیحت کی۔ وہ مریدنی کہنے لگی کہ حضرت آپ یہ صبر کا مضمون کیوں فرمارہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تیرا بیٹا ڈوب کر مر گیا وہ بی بی تعجب سے کہنے لگیں کہ میرا بیٹا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا کہنے لگیں کہ حضرت میرا بیٹا کبھی نہیں ڈوبا اور یہ کہہ کر اٹھ کر اس جگہ

پہنچیں جہاں وہ لڑکا پانی میں گرا تھا۔ اور جا کر بیٹے کا نام لیا کہ اے فلانے اس نے کہا کیوں اماں اور پانی سے زندہ نکل کر چلا آیا۔ ان بزرگ کو اپنی مریدنی کا یہ واقعہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور اس کا راز نہ معلوم ہوا اس وقت ایک اور بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کا ایک خاص ایسا مقام اور درجہ ہے کہ اس پر جو مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو پہلے اس کو خبر کردی جاتی ہے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آتا ہے تو چونکہ اس واقعہ کی اس کو پہلے سے اطلاع نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ سمجھ گئی کہ یہ واقعہ غلط ہے اور میرا بیٹا زندہ ہے چنانچہ جب وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ نے اس کے گمان کو سچا کر دکھایا۔ اسی طرح بعض بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس ستانے والے کو دنیا ہی میں سزا دے دی جاتی ہے جیسا کہ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی بزرگوں میں سے تھے۔ چنانچہ آپ عام لوگوں سے بہت کم ملتے تھے لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی ہے تو آپ نے فرمایا میرا مزاج نازک ہے اور عام لوگوں میں سلیقہ کم ہے ان کی بد سلیقگی سے مجھ کو اذیت ہوتی ہے اور اس اذیت کا ان سے غیب سے انتقام لیا جاتا ہے تو میں نے بارگاہ حق میں دعا بھی کی کہ بار الہا میری وجہ سے کسی کو سزا نہ دی جاوے مگر یہ دعا مقبول نہیں ہوئی اس لئے میں نے آنے جانے والوں سے ملنا جلنا کم کر دیا کہ نہ میں کسی سے ملوں گا نہ کسی کی بد تمیزی کی وجہ سے مجھ کو تکلیف پہنچے گی نہ اس تکلیف دہی کی وجہ سے اس کو سزا دی جائے گی سو بعض بزرگوں کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ چاہے کوئی ان کو کتنی ہی تکلیف پہنچائے تو اس ستانے والے کو گو آخرت میں کسی درجہ کی سزا دی جاوے مگر دنیا میں اس ستانے والے کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ غرضیکہ ہر بزرگ کی شان جدا ہوتی ہے اور ہر بزرگ کو حق تعالیٰ کی درگاہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے اسی اصل سے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ کا حل ہوتا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ان کے ایک خادم نے جو ایک امیر کبیر آدمی تھا اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء و غرباء کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت

شیخ بھی امتحاناً" وہاں تشریف لے گئے اس طرح سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانے کی اطلاع نہ ہو لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر غربا کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقعہ پر خود موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر و مدارات کی جا رہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز و اکرام کیا جا رہا ہے۔ بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اس خادم کو چونکہ اس کا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں حضرت شیخ بھی موجود ہیں اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو وہاں بالکل نہ پہچانا یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں سے تشریف لے آئے۔ اس کے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے انہوں نے ناراضی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسہ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں اس نے عذر کیا کہ جب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے میں کس طرح پہچانتا فرمایا تم کو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی اگر تم کو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم ہم کو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔ ورنہ ضرور خوشبو آتی۔ یہ ہے واقعہ۔ اب یہاں یہ بہ ظاہر حضرت شیخ پر بیجا تشدد کا شبہ ہوتا ہے کہ کیا مرید کے خلوص اور اور محبت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو اپنے شیخ کے اندر سے خوشبو بھی آئے مگر حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے قلب میں اس اشکال کا جواب ڈال دیا اور وہ یہ کہ حضرت شیخ کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ تھا کہ ان کے مریدین محبین کو شیخ میں سے خوشبو آتی تھی جب اس خادم کو حضرت شیخ کے اندر سے خوشبو نہیں آئی تو حضرت شیخ کو معلوم ہو گیا کہ اس کے قلب میں ہماری محبت نہیں اور زبان سے وہ شخص مدعی تھا محبت کا تو گویا وہ اب تک شیخ کو دھوکہ دیتا رہا اس وجہ سے شیخ اس سے ناراض ہوئے اسی قبیل سے ایک واقعہ حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مقدمہ ہدایہ مولفہ مولانا عبدالحی میں مذکور ہے یہ کفار ترک کے ہاتھ سے ۳۳۴ھ میں شہید ہوئے ہیں۔ بعض علماء نے ان کی مقتول ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں کچھ مکررات اور تطویلات دیکھیں انہوں نے مکررات کو حذف اور مطولات کی تلخیص کر دی پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرمایا تم نے

میری کتابوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ علماء کی کم ہمتی دیکھ کر میں نے ایسا کیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ کو پارہ پارہ کرے جیسا تو نے میری کتابوں کو پارہ پارہ کیا تو یہ کفار ترک کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے حتیٰ کہ ان کی لاش کے دو ٹکڑے کر کے دو درختوں کی چوٹی پر ایک ایک ٹکڑا ٹانگ دیا اور سواس کی وجہ بھی وہی ہے کہ ہر بزرگ کے ساتھ معاملہ حق تعالیٰ کا جدا جدا ہے پھر یہ فرمایا کہ ایسے تصرفات سے پہلے مناسب ہے کسی بزرگ سے مشورہ لے کہ مشورہ سے برکت ہوتی ہے اور خطرہ نہیں رہتا۔

(۱۴۴) بزرگوں کے ادب حاصل کرنے کا طریقہ

ایک بار حضرت والا اس کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ مرید کو شیخ سے نفع باطنی حاصل ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کو شیخ سے اعتقاد ہو اور شیخ کو اس مرید کی طرف سے تکدر نہ ہو اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے جس کا جواب ضروری ہے وہ یہ کہ اگر مرید کو شیخ کے کسی فعل پر کوئی شبہ واقع ہو جائے تو اس اپنے شبہ کو وہ مرید آیا حل کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ حل کرتا ہے تب تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں شیخ کا قلب اس شبہ کو سن کر مرید کی طرف سے مکدر نہ ہو جائے کیونکہ مرید کا وہ شبہ خود اس شیخ ہی کے فعل پر ہے اور اگر اس شبہ کو حل نہیں کیا جاتا تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس مرید کے اعتقاد میں خلل نہ پڑ جائے اور تکدر شیخ یا مرید کے اعتقاد میں خلل۔ ان دونوں کا نتیجہ مرید کے لئے محرومی ہے تو ایسی صورت میں وہ مرید کیا کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طالب کو یہ چاہئے کہ اپنے اس شبہ کو تو حل کرے مگر اپنے شیخ سے حل نہ کرے بلکہ شیخ کے متعلقین میں سے کسی سمجھ دار شخص سے اس شبہ کو بیان کرے اور اس سے اس شبہ کو حل کرلے اس طریقہ سے طالب کا شبہ بھی حل ہو جائے گا اور اس طالب کی طرف سے اس کے شیخ کا قلب بھی مکدر نہ ہوگا۔ اس پر ایک اہل علم نے عرض کیا کہ اگر طالب کے قلب میں اپنے شیخ کے متعلق کوئی اعتراض اور شبہ تو نہ ہو بلکہ صرف کوئی وسوسہ پیدا ہو شیخ کے کسی فعل کے متعلق اور اس وسوسہ کے مقتضاء پر وہ طالب عمل بھی نہ کرے تو کیا اس وسوسہ کو بھی شیخ پر ظاہر نہ کرنا چاہئے اور کیا اس وسوسہ کا اظہار بھی جس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو موجب تکدر قلب شیخ ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وسوسے گو ان کے مقتضاء پر عمل نہ ہو دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک قسم تو یہ ہے کہ طالب کے قلب میں وسوسہ آیا اور اس طالب کو اس وسوسہ سے ناگواری بھی ہوئی اب خواہ وہ ناگواری اور حزن جو اس وسوسہ پر ہوا طبعی تھا یا عقلی۔ اور عقلی ناگواری اور حزن یہ ہے کہ گو اس کو اس وسوسہ سے ناگواری نہیں ہوئی مگر وہ طالب اس وسوسہ کو اعتقاداً" اور عقلاً" برا سمجھتا ہے بس یہ اعتقاداً" اور عقلاً" ناگوار سمجھنا ہی عقلی ناگواری ہے غرض یہ کہ اس وسوسہ سے ناگواری اور حزن بھی ہوا اس طالب کو۔ پھر وہ وسوسہ آنے کے بعد زیادہ باقی بھی نہیں رہا بلکہ خود بخود دفع ہو گیا۔ اور نہ اس طالب نے اس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل کیا تو ایسے وسوسہ کو شیخ سے کہنا اس طالب کے لئے کچھ مضر نہیں مگر بلا ضرورت مفید بھی نہیں بلکہ اولیٰ یہی ہے کہ اس کو بالکل نیست و نابود ہی کر دیا جاوے اور دوسری قسم وسوسہ کی یہ ہے کہ وسوسہ آیا اور اس وسوسہ سے طالب کی طبیعت میں یہ اثر ہوا کہ اتار چڑھاؤ ہونے لگا گویا کہ اس وسوسہ کو اتنی قوت ہو گئی کہ اس وسوسہ کو ایک گونہ رائے کا درجہ حاصل ہو گیا اور وہ وسوسہ اس کو ناگوار بھی نہیں ہوا اور جب تک اس وسوسہ کو دلائل سے دفع نہیں کیا گیا وہ وسوسہ دفع بھی نہیں ہوا تو اگرچہ اس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل نہیں ہوا اور گو یہ درجہ بھی وسوسہ کا غیر اختیاری ہے نیز اس وسوسہ کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے طالب پر مواخذہ اخروی بھی نہ ہو گا مگر اس وسوسہ کو شیخ سے کہنا مناسب نہیں بلکہ خلاف ادب اور موجب تکدر شیخ ہے اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ ایک وسوسہ ہے اور غیر اختیاری ہے تو پھر شیخ پر طالب کے اس وسوسہ کے اظہار سے شیخ کے تکدر کی کیا وجہ تو یہ ایک باریک بات ہے لہٰذا اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً" ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اس کی کسی بد تمیزی پر ڈانٹا جب باپ ڈانٹ چکا اور باپ کا غصہ فرو ہو گیا تو اس کے بعد اس بیٹے نے باپ سے کہا کہ ابا جس وقت آپ مجھ کو میری بد تمیزی پر ڈانٹ رہے تھے تو میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں آپ کو قتل کر دوں مگر وہ وسوسہ دفع ہو گیا تھا تو گو وہ باپ یہ بھی جانتا ہے کہ میرے بیٹے کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ مجھ کو قتل کر دے بلکہ صرف یہ ایک وسوسہ ہے جو اس کے دل میں آیا ہے اور غیر اختیاری ہے اور اس وسوسہ کی وجہ سے میرے بیٹے کو کچھ گناہ بھی نہ ہو گا مگر باوجود ان سب باتوں کے ذرا سوچئے اور غور کیجئے کہ کیا اس باپ کو اس سے ناگواری نہ ہو گی ضرور ناگواری ہو گی اور باپ کو یہ خیال ہو گا کہ یہ

کمبخت تو خطرناک ہے ساری عمر اس کی صورت نہیں دیکھنی چاہئے تو جب اس باپ کو بیٹے کی یہ بات سن کر ناگواری ہو گی تو اگر یہ وسوسہ شیخ کے لئے موجب تکدر ہو تو کیا تعجب کی بات ہے۔

(۱۴۵) صوفیاء کی مشہور اصطلاح عالم عین حق ہونے کا مفہوم

فرمایا آج کل لوگوں میں نہ بزرگوں کے ساتھ اعتقاد ہے اور نہ بزرگوں کا ان کے قلب میں ادب ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ساری عمران بزرگوں کے فیوض باطنی سے محروم رہتے ہیں اس پر ایک اہل علم نے عرض کیا حضرت بزرگوں کا ادب حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ارشاد فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ ایک تو ان بزرگوں کے صاحب برکت ہونے کا اعتقاد رکھے دوسرے اس کا اعتقاد رکھے کہ میرے اندر جو نقائص ہیں ان کی اصلاح ضروری ہے اور وہ اصلاح ان بزرگ سے کراتا ہے تیسرے یہ عزم رکھے کہ ان بزرگ کی طرف سے میرے ساتھ خواہ کیسا ہی برتاؤ ہو مگر میں برابر ان کی دلجوئی اور ان کی اطاعت کرتا رہوں گا اگرچہ اس کے دل میں ان بزرگ کے متعلق کچھ وساوس آویں مگر وہ ان امور مذکورہ بالا کا پابند رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بزرگوں کا ادب حاصل ہو جائے گا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ وسوسے بھی اکثر اس وقت تک آتے ہیں کہ جب تک کمال فناء حاصل نہیں ہوتا جب کمال فناء حاصل ہو جاتا ہے تو وسوسے بھی پیدا نہیں ہوتے۔

(۱۴۶) مبتدی کو ہر موقع پر تواضع کی ضرورت

فرمایا بعض صوفیہ کرام کا قول ہے کہ سارا عالم عین حق ہے تو اس کے معنی وہ نہیں جو عام طور پر جہال سمجھے ہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اور عالم متحد بالذات ہیں کیونکہ عین کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو متکلمین کی اصطلاح میں ہیں جیسا بعض لوگ اس قول کو سن کر گمراہ ہو گئے اس لئے اس کی ضرورت ہوئی کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ اس لفظ کے کیا معنی ہیں تو ان کی اصطلاح میں عین اس کو کہتے ہیں جو تابع ہو اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے وجود و قیام وغیرہ میں حق تعالیٰ کا تابع ہے بخلاف متکلمین کے کہ ان کے یہاں عین کے معنی متحد بالذات کے ہیں۔ مگر لوگوں کو چونکہ صوفیہ کی اصطلاح کا علم نہ تھا اس لئے لوگ یہی سمجھے کہ ان کے کلام میں بھی عین کے وہی معنی ہیں جو متکلمین کے یہاں ہیں اور یہ سمجھ کر خود گمراہ ہوئے

اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

(۱۴۷) مرید کو اتباع شیخ میں ضرورت اعتدال

ایک شخص نے تکبر کے متعلق دریافت کیا کہ التکبر مع المتکبر صدقۃ کے مقتضی پر میں عمل کر سکتا ہوں یا نہیں اور یہ صاحب حضرات والا سے اپنے تکبر کا علاج کرا رہے تھے تو حضرت والا نے جواب عطا فرمایا کہ مبتدی کے لئے کوئی تفصیل نہیں بلکہ مبتدی کو کسی جگہ بھی تواضع کو ترک نہ کرنا چاہیے خواہ اس موقع پر شرعاً" ترک تواضع کی اجازت ہی ہو پھر ارشاد فرمایا کہ یاد رکھنا چاہیے کہ تربیت کی حقیقت تحقیق نہیں بلکہ علاج ہے لہٰذا تربیت کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرنا چاہیے جو تحقیق کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی اگر کوئی بات فی نفسہ جائز ہو لیکن اگر اس بات کی مخاطب کو اجازت دیتے ہیں تو ہم کو اندیشہ ہوتا کہ اس اجازت پر عمل کرنے سے وہ حدود سے نکل جائے گا اور اس کے اخلاق خراب ہوں گے اور اس کو اپنے مرض باطن سے جس کا وہ ہم سے علاج کرا رہا ہے شفا نصیب نہ ہوگی تو ہم کو چاہیے کہ ایسی بات کی اس شخص کو کبھی اجازت نہ دیں ورنہ پھر اس شخص کی تربیت نہیں ہو سکتی۔

(۱۴۸) جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا

ایک بار حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے اس کی حد بیان فرمائی کہ مرید کو اپنے شیخ کا کہاں تک اتباع کرنا چاہئے تو فرمایا کہ جب تک اس کا شیخ اس کو کسی خلاف شرع بات کا حکم نہ دے اس وقت تک مرید کو اس حکم میں شیخ کا اتباع چاہئے پھر فرمایا کہ خلاف شرع سے مراد مکروہ اور حرام ہے باقی رہا خلاف اولیٰ سو وہ مراد نہیں یعنی اگر شیخ اپنے مرید کو کسی خلاف اولیٰ کا حکم کرے تو مرید کو چاہئے کہ اس حکم میں وہ اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے بلکہ اس حکم کو بجالائے گو وہ خلاف اولیٰ ہی ہو۔

(۱۴۹) مختلف مذاق کے لوگوں سے ملنا کیوں مضر ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے اخلاق سیۂ اور رذائل نفس کی اصلاح نہ کرائے اور وہ رذائل اس شخص کے اندر ہمیشہ موجود بھی رہیں تو کیا قیامت میں اس پر مواخذہ ہوگا کہ تو نے اپنی اصلاح کیوں نہ کی۔ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا

کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص نے ان رذائل نفس کے مقتضاء پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں اگر عمل کیا ہے تب تو اس شخص پر مواخذہ ہوگا اور اگر عمل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وہ ان رذائل کے مقتضاء کی مخالفت کرتا رہا تو اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مثلاً" کسی شخص کے اندر غصہ کا مرض تھا اس مرض کے علاج کی اس کو ضرورت تھی مگر اس شخص نے اس مرض کی کسی سے اصلاح نہ کرائی مگر اس شخص نے اپنے غصہ کے مقتضاء پر بھی کبھی عمل نہیں کیا بلکہ اپنے غصہ کے موقع پر ہمیشہ ضبط سے کام لیا اور کبھی بیجا غصہ نہیں کیا تو اگرچہ غصہ کا رذیلہ اس شخص کے اندر ہمیشہ رہا مگر چونکہ اس نے اس بیجا غصہ کے مقتضاء پر عمل نہیں کیا اس لئے اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا حاصل یہ کہ جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اعمال و افعال پر ہوگا مگر باوجود اس کے پھر جو ان جذبات کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جذبات کی اصلاح سے نفس کی مقاومت اور مقابلہ آسان ہو جاتا ہے جس سے رذائل نفس کے مقتضاء کی مخالفت باسانی ہو سکتی ہے اور اگر اصلاح نہیں کی جاتی تو پھر نفس کی مقاومت کرنا دشوار ہو جاتی ہے اس لئے وہ نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور ان رذائل کے مقتضاء پر اکثر عمل ہو جاتا ہے۔

(۱۵۰) مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں کو ضرورت تبلیغ

فرمایا ایک شخص کا میرے پاس ایک خط آیا ہے اور ایسا خط آج تک کسی کا میرے پاس نہیں آیا اس شخص نے جو اس خط میں اپنی حالت ظاہر کی ہے اس حالت کے متعلق سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کا قہر ہے مگر علاج بھی ایسے امراض کا حق تعالیٰ ہی دل میں ڈالتے ہیں چنانچہ میں نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے وہ ان کے مرض کا ایک ایسا علاج ہے کہ اگر انہوں نے اس علاج کا استعمال کیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی حالت درست ہو جائے گی اور ساتھ ہی اس کے اس جواب میں یہ بھی بات ہے کہ اس میرے جواب کو پڑھ کر یہ نہ سمجھیں گے کہ مجھ سے ناخوش ہو گئے ناراض ہو گئے اس کے بعد وہ خط پڑھ کر حاضرین کو سنایا مگر اس شخص کا نام ظاہر نہیں کیا وہ خط یہ تھا۔

نقل خط۔ خاکسار کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ کچھ دنوں والد بزرگوار سے تعلیم پائی پھر فلاں مقام پر جا کر مولانا...... سے مستفید ہوا تین سال تک۔ اس سے سند لے کر حضرت شاہ

صاحب کے پاس سند لے کر پہنچا اور اب فتحپوری میں امتحان مولوی فاضل کی تیاری کر رہا ہوں۔ مگر اس ماحول میں رہنے کے باوجود میرے عقائد کچھ اس طرح کے ہو گئے ہیں جن کے ماننے والے کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ یوں تو بچپن ہی سے کسی کی شخصیت سے متاثر ہو کر کبھی کسی نظریہ کو میں نے تسلیم نہیں کیا مگر جب احادیث کی کتابیں نظر سے گزریں تو صاف غیر مقلد بن گیا۔ حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہوتے وقت میرے اصول مذہب کے متعلق میرے پاس صرف ایک گورکھ دھندا تھا اور کچھ نہیں مگر آج کل کی حالت یہ ہے کہ میں نہ خدا کا قائل ہوں نہ کسی نبی کا نہ قرآن کا نہ کسی الہامی کتاب کا حشر و نشر کا تو سوال ہی نہیں مذہب کو تجارتی منڈی اور پیغمبروں کو کامیاب لیڈر اور سزا کو بچوں کا ڈراوا سمجھ رہا ہوں۔ وقس علی ہذا حضور اکرم اور خلفاء اربعہ کی سوانح عمریوں میں ایسی ایسی پالیسیاں نظر آ رہی ہیں۔ جیسی کہ سر اقبال مسٹر جینا اور سر شفیع میں دیکھ رہا ہوں قرآن شریف حفظ کر چکا ہوں قریب قریب روز مرہ تلاوت کرتا رہتا ہوں نورانیت تو درکنار ہر ہر آیت پر ہنسی آتی ہے کہ دیکھو دنیا کو کس طرح بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ کتابوں کا مطالعہ شروع کر چکا۔ تقریر دلپذیر حجت اللہ البالغہ الرسالتہ الحمیدیہ۔ سائنس اور اسلام وغیرہ دیکھ چکا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مناظرہ کی طرف جب متوجہ ہوا تو اس چنگاری نے ایک ہولناک صورت اختیار کر لی۔ بلکہ تعجب یہ کہ اکثر نوجوان کو (اور ضغث علی الابالہ یہ کہ متعدد غربی تعلیم یافتوں کو بھی) اس مرض میں مبتلا پایا۔ (اسباب مرض کو ابتداء معمولی سمجھنا۔ شبہات کا تسکین بخش جواب نہ ملنا۔ بالشویکی مذہب پر کافی غور و خوض نفسیات کا مطالعہ خصوصاً" کتاب فلسفہ جذبات اور موسیولیبان کی کتاب روح الاجتماع میرے تبدیلی خیالات کی کافی حد تک ذمہ دار ہیں) اپنے سے کم حیثیت والوں سے گفتگو کر کے ان کو چپ کرا دینا اور بڑے لوگوں سے بجائے ازالہ وہم کبھی تو الزامی جواب اور کبھی گالیاں سننا۔ انگریزی دانوں سے تبادلہ خیالات۔ تاریخ مذاہب اور ان کی لم کی ٹٹول۔ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں سے ملنا۔ ان کے عقائد و مسلمات کا سننا۔ ان پر غور و خوض کرنا۔ اور روشنی طبع اس مرض کے اسباب ہیں۔ اب جب کہ تحقیق کے تمام راستہ میرے لئے مسدود ہیں تو صرف یہ صورت رہ گئی ہے کہ استدلالات منطقیہ کا سلسلہ چھوڑ کر روحانیت کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کروں کہ آیا واقعی میں مریض ہوں یا مفت کا نکو بنایا جا رہا ہوں۔ اور اس

مقصد کے لئے میری نظروں میں صرف خانقاہ امدادیہ ہی کام آسکتی ہے ممکن ہے کہ حضور والا دست گیری فرمائیں لہٰذا جو نسخہ جناب تجویز فرمائیں۔ اسے استعمال کروں گا مگر بشرائط مرقومہ ذیل۔ مراقبہ نہیں کروں گا اور یہ بھی تسلیم نہیں کہ عقل کی پرواز محدود اور خدا تعالیٰ غیر محدود ہے۔ حسن عقیدت بھی نہیں رکھوں گا۔ ہاں کوئی خفیف وظیفہ ہو جو مراقبہ کی حد تک نہ پہنچے تو پڑھوں گا۔ کتابوں کے مطالعہ کا اگر حوالہ نہ دیا جاوے تو اچھا ہو گا ورنہ بدرجہ مجبوری اس سے بھی انکار نہیں۔ اور اگر ملاقات کی اجازت ملے تو زہے نصیب اور خط کشیدہ اسباب کو بھی نہیں چھوڑ سکتا (یعنی نفسیات کا مطالعہ۔ انگریزی دانوں سے تبادلہ خیالات۔ تاریخ مذاہب عالم اور ان کی لم کی ٹٹولی۔ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں سے ملنا۔ ۱۲) مولانا خط میں بندہ نے سختی سے کام لیا ہے۔ مگر جب تک پوری تحقیق واضح نہ کی جاوے علاج کیوں کر ہو سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ جناب عفو فرمائیں گے از مدرسہ فتح پوری۔

حضرت والا نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی ۔۔۔ باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند

میرے نزدیک تمہارے علاج کی ابتدا دعا سے ہونا چاہیے یعنی سب تدابیر سے پہلے تم یہ عمل شروع کرو کہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ مجھ کو صراط مستقیم پر قائم فرما۔ رہا یہ شبہ کہ جب تم خدا تعالیٰ کے ہی قائل نہیں تو پھر دعا کس سے کی جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تم خدا تعالیٰ کے قائل نہیں مگر تمہارے پاس حق تعالیٰ کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ جب تمہارے پاس نہ وجود کی دلیل ہے نہ نفی کی تو تم کو حق تعالیٰ کے وجود کے متحمل اور ممکن ہونے کا عقلاً قائل ہونا پڑے گا اور دعا کے لئے احتمال کافی ہے جس سے تمہارا نہ کوئی ضرر نہ مشقت۔ جب تم میری اس تجویز پر عمل شروع کر کے اپنی حالت سے مجھ کو مطلع کرو گے تو پھر آگے مشورہ دوں گا۔ پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھنا بلکہ مختلف مذاق کے لوگوں سے ملنا مضر ہے۔ پھر اس کے ایک عرصہ بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر یہ شخص میری تجاویز پر عمل کرتا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست ہو جاتی مگر اس شخص نے پھر مجھ کو کسی قسم کی کوئی اطلاع ہی نہیں کی۔

(۱۵۱) اذیت کی بات پر روک ٹوک کرنا سنت ہے

ندوہ کے ایک فاضل حضرت والا کی خدمت میں آئے انہوں نے اپنے قیام کے زمانہ میں حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کی جاوے تو اول مسلمانوں کی کی جاوے یا غیر مسلموں کی کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہنچ ہی جائیں گے باقی رہے کفار سو وہ تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نصیب نہ ہوگی لہٰذا کفار کے لئے زیادہ ضرورت ہے اس کی کہ ان کو حق کی تبلیغ کی جاوے۔ حضرت حکیم الامتہ نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں کو فروع کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو اصول کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول ضروری ہیں اسی طرح فروع پر بھی عمل ضروری ہے تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں ان کی اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے۔ پس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے اور یہ نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں اپنی رائے نہیں دے رہا بلکہ اس کا فیصلہ خود قرآن میں فرمادیا گیا ہے چنانچہ سورہ عبس میں ان نابینا صحابی کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا اور ان دونوں موقعوں میں سے جس موقع میں نفع کی زیادہ امید تھی اس کو ترجیح دی گئی ہے یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقع کا ذکر ہے کہ جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا کیونکہ کفار کے بعض روساء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کو اصول کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع متیقن نہ تھا اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور گو یہ موقع فروع کی تبلیغ کا تھا مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔

(۱۵۲) حضرات صحابہ پر عشق نبوی ﷺ کا اثر

آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ بزرگی کے لوازم سے ایک بات یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس بزرگ کو کسی بات کی حس نہ رہے کوئی شخص کتنی ہی تکلیف اس کو پہنچائے مگر اس کو اذیت نہ ہو اور اگر کوئی بزرگ کسی کی بد تمیزی پر اس کو روک ٹوک کرتے ہیں تو ان کو سخت مشہور کیا جاتا ہے اس کے متعلق حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بعض لوگ بے ضرورت آپس میں باتیں کرنے لگے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی اس حرکت سے اذیت محسوس ہوئی تھی اور اذیت بھی ایسی کہ اس کی شہادت حق تعالی نے دی چنانچہ قرآن میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ الآیۃ تو جب حضورؐ کو جو کہ سید الانبیاء تھے اذیت کی بات سے اذیت کا احساس ہوا تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اذیت کی بات سے اذیت محسوس ہونا بزرگی کے خلاف ہے اب رہی یہ بات کہ آگے ارشاد ہے فیستحیی منکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گو اذیت پہنچی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اذیت کو برداشت فرماتے تھے اور ان لوگوں پر کچھ دار و گیر نہ فرماتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فَیَسْتَحْیِیْ مِنْکُمْ سے آگے جو ارشاد ہے اس کو بھی تو دیکھنا چاہیے وہ یہ کہ وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالی حق سے بات کے ظاہر کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتے پس معلوم ہوا کہ اگر خاموش رہنا سنت نبویہؐ ہے تو روک ٹوک کرنا سنت الٰہیہ ہے بس اگر ایک بزگ نے سنت نبویہؐ اور اخلاق محمدیؐ پر عمل کیا تو دوسرا اگر لوگوں کی اصلاح کی غرض سے ان کی نامناسب باتوں پر ان کو آگاہ کرتا ہے تو وہ سنت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اس کو سخت مزاج اور بد مزاج کیوں مشہور کیا جاتا ہے کیونکہ جیسے اخلاق محمدیہؐ اور سنت نبویہؐ قابل عمل ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اخلاق الٰہیہ اور سنت الٰہیہ قابل عمل ہے۔

(۱۵۴) اسماء اور مسمیات میں کچھ مناسبت ضروری ہے

ایک بار حضرت والا اکابر مثل حضرت مولانا گنگوہی و حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہم کا تذکرہ فرما رہے تھے اور ان حضرات کے محامد و محاسن بیان فرما رہے تھے پھر ان حضرات کے فرقت پر اظہار افسوس فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان حضرات کی زندگی میں گو اس کا عقیدہ تھا کہ ایک دن سب کو مرنا ہے مگر ان کی زندگی میں ہم لوگوں کو

اس کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اس وقت یہ حضرات اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں گے پھر ارشاد فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ احد کے واقعہ میں حضرات صحابہ نے جب اس ندا کو سنا کہ ان محمد اقد قتل تو حضرات صحابہ کے اوپر اس ندا کا ایسا اثر ہوا کہ حضرات صحابہ کے پیر اکھڑ گئے تو اس پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیے کہ صحابہ ایسے متاثر کیوں ہوئے کیونکہ حضرات صحابہ کو حضورؐ سے جتنی محبت اور عشق تھا وہ سب کو معلوم ہے تو اس محبت اور عشق کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کو حضورؐ کے متعلق اس کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ کوئی وقت ایسا بھی ہو گا کہ جس میں حضورؐ اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں گے تو جب انہوں نے یکایک یہ ناگوار خبر سنی تو حضرات صحابہ کو اس خبر کو سن کر اس قدر رنج و غم ہوا کہ اس صدمہ نے پھر ان کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑ سکیں لہٰذا میدان سے واپسی کا صدور ہو گیا تو صحابہ کی میدان سے واپسی اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ دشمن سے ڈر گئے بلکہ فرط غم کی وجہ سے اس وقت وہ اس قابل نہ تھے کہ دشمن سے لڑ سکیں۔

(۱۵۴) علم قیافہ کا حاصل

فرمایا اسماء اور مسمیات میں کچھ مناسبت ضرور ہوتی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جیسا نام ہوتا ہے ویسے ہی صفات اس مسمی کے اندر اس نام کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ جیسے صفات اس شخص کے اندر ہوتے ہیں اسی کے مناسب کوئی نام لوگوں کے قلوب میں اس شخص کے لئے آجاتا ہے اس کے بعد حضرت والا نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں کوئی متعصب بد دین رہتا تھا اس کے پاس دو خچر تھے اس نے تعصباً ان میں سے ایک کا نام ابو بکر رکھا تھا اور دوسرے کا عمر نعوذ باللہ۔ اتفاق سے ان دونوں میں سے ایک نے اس شخص کے ایسی لات ماری کہ وہ مر گیا۔ امام صاحب سے کسی نے آکر یہ واقعہ بیان کیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ جس کا نام اس شخص نے عمر رکھا ہو گا اس نے لات ماری ہو گی۔ چنانچہ جا کر دیکھا گیا کہ واقعی جس کا نام عمر رکھا تھا اس نے لات ماری تھی۔

(۱۵۵) دنیا کے انتظام سے دینی امور میں اعانت ہوتی ہے

ایک بار علم قیافہ کے متعلق حضرت والا کچھ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی کے اندر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بقراط کے زمانہ میں ایک شخص بڑا قیافہ داں تھا اس شخص کے کمال کی یہ حالت

تھی کہ اس کو کسی شخص کے دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ وہ صرف اس شخص کی تصویر دیکھ کر بتلا دیا کرتا تھا کہ یہ شخص ایسا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کا امتحان لیا اور اس کے پاس بقراط کی تصویر لایا اور اس شخص پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ کس کی تصویر ہے تو اس قیافہ داں نے اس تصویر کو دیکھا تو کہا کہ جس شخص کی یہ تصویر ہے وہ ایک زانی شخص ہے تو یہ سن کر وہ سائل ہنسا اور کہا کہ صاحب یہ تو حکیم بقراط کی تصویر ہے کہ جن کی عفت اور پارسائی سب میں مشہور ہے پھر حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ بقراط ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جتنے حکماء بھی گزرے ہیں گو ان میں سے بعض کافر سہی مگر عفیف سب تھے اسی طرح بقراط کی عفت پر اتفاق تھا اس قیافہ داں نے جواب دیا کہ افسوس تم نے مجھ سے پہلے نہ کہا کہ یہ حکیم بقراط کی تصویر ہے ورنہ میں اس راز کا افشانہ کرتا مگر اب جب کہ یہ بات ظاہر ہو گئی تو اب میں اپنے اس قول پر مصر ہوں کہ یہ شخص زانی ہے۔ وہ شخص اس کے بعد بقراط کے پاس پہنچا اور اس قیافہ داں کا یہ قول بیان کیا تو بقراط نے کہا کہ واقعی یہ شخص اپنے فن میں کامل ہے مگر علم قیافہ سے جذبات کا پتہ چلتا ہے نہ کہ افعال کا تو اس کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے اندر یہ جذبہ موجود ہے اور مجھ کو بے حد شہوت کا تقاضا ہوتا ہے مگر میں چونکہ ضبط کرتا ہوں اور اس جذبہ کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتا اس لئے میں زانی نہیں ہوں۔ اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک بار علم قیافہ کا حاصل بیان فرمایا تھا کہ باطنی نقص پر حق تعالیٰ کسی ظاہری ہیئت کو علامت بنا دیتے ہیں تاکہ ایسے شخص سے احتیاط ممکن ہو یہ حاصل ہے اس علم قیافہ کا مگر ایسے امور علامات ہیں کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ اور اس ہیئت کے متعلق بعض کا قول ہے کہ انسان کے ہر عمل سے خواہ وہ عمل خیر ہو یا شر اس شخص کے اندر اس عمل کے کرنے سے اس کے مناسب ایک ہیئت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو اہل بصیرت پہچانتے ہیں اور بعض نے کراماً کاتبین کے اعمال لکھنے کی یہی حقیقت بیان کی ہے کہ وہ اعمال کے بعد ان ہیئتوں کو فاعل کے اندر پیدا کر دیتے ہیں اور وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا میں حضور کی تفسیر ان ہیئتوں کے تمثل کے ساتھ کی ہے مگر یہ سب ذوقیات ہیں اور اوپر جو میں نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ہر عمل سے بدن میں ایک ہیئت پیدا ہوتی ہے اس کی قید نہیں کہ وہ عمل دینی ہو بلکہ جب کوئی شخص کوئی دنیوی کام کرتا ہے تو اس سے بھی اس شخص کے

اندر ایک مناسب ہیئت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ دو بزرگوں کا قصہ ہے جو مسجد میں بیٹھے تھے انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھنے آیا تھا اس کو دیکھ کر ایک بزرگ نے یہ کہا کہ یہ شخص بڑھئی ہے دوسرے بزرگ نے کہا کہ یہ لوہار ہے جب اس شخص سے دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے میں بڑھئی کا کام کرتا تھا مگر آج کل میں لوہار کا کام کرتا ہوں تو چونکہ یہ بزرگ اہل کشف تھے اس لئے ان کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو اس شخص کے عمل سے اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی مگر اس کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو نجاری سے پیدا ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے اس کو نجار سمجھا اور دوسرے کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو آہنگری سے پیدا ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے اس کو لوہار خیال کیا۔ اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا بغرض اصلاح باطن شیخ نے اس کو دیکھا تو اس کے اندر آثار شقاوت آپ کو محسوس ہوئے آپ نے اس شخص سے عذر فرمادیا کہ میں شقی کی تربیت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ شخص شیخ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ آؤ بھائی آؤ تم بھی شقی ہم بھی شقی اور اس شخص کی تربیت باطنی شروع کر دی اور برابر اس کے لئے دعا کیا کرتے جب وہ رخصت ہونے لگا فرمایا کہ جاؤ اب شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس حاضر ہو چنانچہ وہ شخص جب شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں بھائی یہ طاقت حق تعالیٰ نے بھائی کبیر ہی کو دی ہے کہ وہ شقی کو سعید بنوادیں

(۱۵۶) آج کل کی خوش اخلاقی

ایک صاحب نے ایک شخص کی بدانتظامی کا ذکر کیا کہ اپنے کاروبار کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کو کسی دین کے کام میں مشغولی ہو اس وجہ سے وہ اپنے دنیوی کاروبار کی دیکھ بھال نہ کر سکے تو یہ بھی اس کی کوتاہی ہے کیونکہ دین کے اندر مشغولی دنیوی امور کے انتظام سے مانع نہیں بلکہ اور داعی ہے کیونکہ اس انتظام سے دین میں بھی اعانت ہوتی ہے لیکن جو شخص دین کے اندر بھی مشغول نہ ہو اور پھر وہ اپنی دنیا کے انتظام کی طرف توجہ نہ کرے تو اس کے پاس کوئی عذر ہو ہی نہیں سکتا۔

(۱۵۷) بڑا ہونا ہر شخص کے لئے مناسب نہیں

ارشاد فرمایا کہ بڑا ہونا بھی ہر شخص کے لئے مناسب نہیں بلکہ بعض کے لئے اسی میں خیر

ہوتی ہے کہ وہ چھوٹے ہی رہیں۔ ایک خاں صاحب تھے جو اپنی رعایا پر بہت ظلم کیا کرتے تھے ایک بار وہ مسجد میں گئے۔ وہاں کے ملاجی کو دیکھا کہ بہت دبلے اور خستہ حال ہو رہے ہیں پوچھا ملاجی کیا حال ہے ملاجی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اچھا حال ہے خاں صاحب نے کہا کہ ملاجی یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس وقت شکر کس بات پر ادا کیا کیونکہ بظاہر تو اس وقت کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ جو سبب ہو شکر کا ملاجی نے جواب دیا کہ میں اس وقت اس بات پر شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں ایک غریب جولاہا ہوں خاں صاحب نہ ہوا کہ میں اس وقت تو لوگ مجھ پر ہی ظلم کرتے ہیں تو یہاں کی زندگی تو تھوڑے ہی دنوں کی ہے جس طرح بھی ہو سکے گزاری جاسکتی مگر وہاں آخرت میں تو میرے لئے خزانہ جمع ہو رہا ہے اور اگر خاں صاحب ہوتا تو یہاں دنیا میں نہ معلوم کس کس پر ظلم کرتا جس کی وجہ سے میرا ساری عمر کا نماز روزہ دوسروں کے پاس چلا جاتا اور میں قیامت کے روز کورا رہ جاتا۔

(۱۵۸) بزرگوں کی صحبت افادہ سے خالی نہیں

فرمایا آج کل تو خوش اخلاقی یہ ہے کہ بس طالبین کی غلامی کرو اگرچہ اس غلامی سے طالب کے دین کو نقصان ہی پہنچے اور آج کل کے اکثر شیخ بھی اسی طرز کو پسند کرنے لگے ہیں چنانچہ میں نے ایسے دو مواقعے سنے ہیں جن میں سے ایک بیان کرتا ہوں کہ ایک صاحب اپنے شیخ سے ملنے گئے جب شیخ سے ملاقات کرکے واپسی کے قصد سے اٹھے تو جوتہ ڈھونڈنے لگے پیر صاحب نے فوراً ان مرید کا جوتہ لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ ہم سے تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو طالب کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ اگر اس نے اس کو گوارا کر لیا تب تو اس کا دماغ بگاڑنا ہوا اور اگر اس نے اس کو گورا نہ کیا تو دیکھنا چاہیے کہ شیخ کے اس فعل سے مرید کو کس قدر گرانی اور اذیت ہوتی ہوگی میرے پاس ایک صاحب سندھ سے آئے تھے۔ جب مجھ کو گھر جانے کی ضرورت ہوئی تو میں اپنا جوتہ اٹھا کر چلا تو ان صاحب نے جوتہ میرے ہاتھ سے چھین لیا اور خود لے چلے میں نے نرمی سے منع کیا کہ آپ نہ لے چلئے بلکہ مجھ کو دے دیجئے کیونکہ میرا معمول ہے کہ جن لوگوں سے میری بے تکلفی نہیں ہوتی ان سے میں کوئی اپنی خدمت نہیں لیتا کیونکہ ایک اجنبی شخص سے خدمت لینے میں طبعاً شرم معلوم ہوتی ہے اور طبیعت پر گرانی ہوتی ہے مگر انہوں نے نہ مانا آخر جب میں مجبور ہو گیا تو میں نے کہا کہ اچھا صاحب آپ نہ

دیجئے میں آج ننگے پیر ہی چلوں گا کیونکہ صحابہ بھی تو کبھی کبھی برہنہ پا چلتے تھے تو میں آج صحابہ کی ہی سنت پر عمل کروں گا اور یہ کہہ کر میں ننگے پیر ہی چل دیا اب وہ مجبور ہوئے اور دوڑے کہ لیجئے صاحب لیجئے۔ تو جب ایک اجنبی شخص سے خدمت لینے میں اتنی گرانی ہوتی ہے اور شرم آتی ہے تو مرید جب دیکھے گا کہ میرا شیخ میرے جوتے اٹھا رہا ہے تو اس کو تو کیوں نہ شرم آئے گی۔ اور اگر ایسے موقع پر بھی مرید کو گرانی نہ ہو تو وہ مرید ہی نہیں۔ البتہ ایک تو ضرورت کا موقعہ ہوتا ہے وہ مستثنیٰ ہے مثلاً مرید کسی سواری میں چلا جا رہا ہے اور جوتہ اس سواری سے نکل کر راستہ میں نکل پڑا اور شیخ کی نظر پڑ جائے تو وہ اس کو اٹھا کر اس مرید کو دے دے تو اس کا نام تو ہمدردی ہے اور جہاں کوئی ضرورت نہ ہو وہاں تو ایسا برتاؤ کرنا بجائے اصلاح کے اس مرید کا ستیاناس کرنا ہے اس کے بعد حضرت والا نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ قصبہ کیرانہ میں ایک حکیم صاحب تھے اور واقعی وہ اپنے فن میں کامل تھے مگر باوجود اس فضل و کمال کے فیس ان کی صرف آٹھ آنے ہی تھی بہت ہی شفیق و ہمدرد تھے اور گھر کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کسی گاؤں سے آیا اور حکیم صاحب کے لئے گھوڑا لایا کہ ایک مریض ہے اس کو چل کر دیکھ لیئے حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی یہ وقت تو مطب کا ہے سو تو اپنا کیوں حرج کرتا ہے تو چلا جا اور گھوڑا چھوڑ جا میں مطب کے بعد آجاؤں گا۔ وہ شخص چلا گیا جب حکیم صاحب مطب سے فارغ ہوئے تو اس گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں گھوڑے نے جو شرارت کی تو اس کی زین کا تنگ ٹوٹ گیا اور حکیم صاحب مع چار جامہ کے گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گھوڑا بھاگ گیا اب حکیم صاحب بے چارے حیران کھڑے تھے آخرکار حکیم صاحب چار جامہ کو کندھے پر اٹھا کر اس گاؤں میں اس شخص کے یہاں پہنچے اس شخص نے جو حکیم صاحب کو اس حالت میں دیکھا تو پوچھا کہ اجی حکیم جی یہ کیا کہنے لگے کہ بھائی گھوڑا تو پھر بھی آجائے گا مگر یہ چار جامہ تو اپنے پاؤں نہیں آسکتا تھا کوئی اٹھا کر لے جاتا اس لئے میں لے آیا تو اب مثلاً حکیم صاحب کا جو یہ فعل تھا کہ چار جامہ خود اٹھا کر لے گئے یہ بھی ایک کھلی ہوئی تواضع تھی جس کا مضائقہ نہیں بخلاف اس کے کہ بلا ضرورت مرید کا جوتا اٹھا کر رکھنا کہ یہ محض تکلف اور اس مرید کے لئے مضر ہے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں کوئی ضرورت ہو وہاں تو ایسے امور اپنے مرید کے ساتھ ہمدردی میں داخل ہیں اور اگر بلا ضرورت ہو تو محض تصنع

اور صورت ریاء ہے۔

(۱۵۹) اجنبی مہمان کا اپنا تعارف کرانے کی ضرورت

فرمایا آج ... ایک صاحب کا خط آیا ہے وہ ابھی کچھ دنوں یہاں قیام بھی کر کے گئے ہیں اور ہر روز وہ بعد ظہر مجلس میں بھی آیا کرتے تھے انہوں نے لکھا ہے کہ مجلس میں جو کچھ آپ فرمایا کرتے تھے اس کو جائے قیام پر جا کر لکھ لیا کرتا تھا جب لکھتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ اب تو سب باتیں بیان ہو چکیں۔ اب دیکھئے کل کیا باتیں بیان فرمائیں گے پھر جب دوسرا دن ہوتا تھا اور گھر آکر اس دوسرے روز کے ملفوظات لکھنے بیٹھتا تھا تو پھر یہی خیال ہوتا تھا کہ آج تو سب باتیں بیان ہو گئیں اور کوئی ضروری بات باقی نہیں رہی اب دیکھئے کل حضرت کیا بیان فرمائیں گے مگر پھر خیال ہوا کہ خود یہ خیال ہی غلط ہے بھلا کہیں سمندر بھی ختم ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ لوگوں نے آج کل صحبت کو سب سے گھٹیا درجہ کی چیز سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ سب سے بڑی چیز ہے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی بزرگ کی صحبت میں ہم جا کر بیٹھ گئے تو خالی صحبت سے اور محض پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ جب تک کہ وہ بزرگ کچھ تعلیم نہ فرمائیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی غلط ہے کہ بزرگوں کی صحبت افادہ سے خالی ہوتی ہے بلکہ اکثر کچھ نہ کچھ افادہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ کوئی صحبت ایسی ہو کہ اس کے اندر وہ بزرگ بالکل خاموش رہیں اور کچھ نہ فرمائیں تو ایسی صحبت بھی فائدے سے خالی نہیں اور اس کی وجہ حکماء نے یہ بیان کی ہے کہ انسان کی طبیعت میں خاصہ ہے مسارقت کا یعنی انسان اپنے ہم نشین کے اخلاق و عادات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور یہ جذب اور مسارقت ایسی خفیہ طور پر ہوتی ہے کہ خود اس سارق کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں چورا رہا ہوں اور پھر اس مسارقت کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ وہ ہم نشین معتقد فیہ ہی ہو بلکہ انسانی طبیعت غیر معتقد فیہ کے اخلاق و عادات کو بھی جذب کرتی ہے تو جب غیر معتقد فیہ کے ساتھ بھی یہ مسارقت ہوتی ہے تو اگر کسی اپنے معتقد فیہ اور بزرگ کی صحبت اختیار کی جاوے گی وہاں تو یہ مسارقت بدرجہ اولی ہوگی بس یہ وجہ ہے کہ بزرگوں کی خالی صحبت بھی مفید ہوتی ہے اور صحبت تو بڑی چیز ہے محض تصور جو کہ صحبت کے اعتبار سے ادنی

درجہ کی چیز ہے کیونکہ صحبت میں ذات کے ساتھ معیت ہوتی ہے اور تصور میں صرف اسی چیز کی صورت ذہنیہ سے معیت ہوتی ہے مگر پھر بھی وہ اثر سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اتنا اثر ہوتا ہے کہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کوئی شخص مرید ہونے آیا تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم کو کسی چیز سے محبت بھی ہے کہا جی ہاں میری ایک بھینس ہے اس سے مجھ کو بہت محبت ہے فرمایا بس تم یہ کیا کرو کہ چالیس روز تک ایک گوشہ میں بیٹھ کر اس بھینس کا تصور کیا کرو۔ جب چالیس روز گزر گئے تو وہ بزرگ اپنے اس مرید کے پاس گئے اور اس کو حکم دیا باہر آؤ جب آنے لگا تو در میں پہنچ کر رک گیا اور کہا کہ سینگ اڑتے ہیں کیونکر آؤں وہ بزرگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بس اب ساری چیزیں اس کے قلب سے نکل گئی ہیں صرف بھینس رہ گئی ہے اس کو میں دفع کردوں گا اور پھر اس شخص کو تعلق مع اللہ باسانی حاصل ہوجائے گا تو جب تصور کے اندر اتنا اثر ہے تو صحبت کا درجہ تو اس سے کہیں زیادہ ہے اس کے اندر اثر کیوں نہ ہوگا۔ پھر بھینس کے تصور کی حکمت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ عشق مجازی بھی ایک جاروب ہے جیسے کہ جھاڑو سے تمام مکان کا کوڑا ایک جگہ اکٹھا کردیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے اٹھا کر ایک دم سے باہر پھینکا جاسکے اس طرح بعض بزرگوں نے عشق مجازی کے ذریعہ سے طالب کے تمام تصورات کو ایک جگہ جمع کردیا ہے پھر اس تصور کو تدبیر سے دفع کردیا اور اصل بات یہ ہے کہ امراض باطنی کے علاج کے طریقے مختلف ہیں ان میں سے ایک عشق بھی ہے مگر قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب وہ علاج جمع ہوجائیں ایک بے خطر اور دوسرا خطرناک تو جو علاج بے خطر ہے اس کو اختیار کیا جاوے گا نہ کہ خطرناک کو اس لئے عشق سے علاج کرنا مناسب نہیں ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا پہلے لوگوں کا عشق مجازی زیادہ قوی ہوتا تھا فرمایا جی ہاں یہ بھی تھا مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی تھا کہ پہلے لوگوں کے قوی اچھے ہوتے تھے اس لئے ان کے اندر قوت مقاومت بھی زیادہ قوی ہوتی تھی اس لئے صبر و ضبط سے کام لے کر کوئی امر عفت کے خلاف نہ کرتے تھے بخلاف اس کے کہ اب تو فسق و فجور میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہی ضعف مقاومت راز ہے اس کا کہ جو لوگ بوڑھے ہوتے ہیں وہ بھی فسق و فجور میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے بوڑھے امرء پرستی میں مبتلا ہیں کیونکہ گو بڑھاپے میں جوش کم ہوجاتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے قوت مقاومت بھی ضعیف ہوجاتی ہے اس کی وجہ قبلہ و لمس و نظر سے رک نہیں سکتے اس کے بعد ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کے

ایک حاشیہ میں لکھا ہے کہ ان شھودۃ المتقی اشد۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ متقی شخص عفت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا نہ دیکھتا ہے نہ بات کرتا ہے یہاں تک کہ نامحرم کے تصور سے بھی بچتا ہے اس لئے اس کے قوی مدرکا فاعلہ مجتمع رہتے ہیں اور ان کے اندر انتشار نہیں ہوتا اس لئے اس کے قوی مدرکا فاعلہ میں بہ نسبت غیر متقی کے زیادہ قوت ہوتی ہے۔

(۱۶۰) تازہ غم میں وعظ و نصیحت انتہائی مضر ہے

اکثر لوگ جو آداب معاشرت سے ناواقف ہیں جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بوقت ملاقات اپنا تعارف نہیں کراتے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے حاضر ہوئے ہیں اور حاضری سے ہمارا مقصد کیا ہے۔ جس سے حضرت والا کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ ایک بار ایک حضرت آئے جو کہ اجنبی تھے انہوں نے بالکل اپنا تعارف نہ کرایا بس ملاقات کر کے خاموش بیٹھ گئے حضرت والا کو اس سے اذیت ہوئی۔ اول حضرت والا نے ان سے اس تعارف نہ کرانے کی وجہ دریافت کی جب وہ صاحب اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو حضرت والا نے ان کو تنبیہہ فرمائی اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی اجنبی کسی کے پاس جاتا ہے تو اس میزبان کے دل میں طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک اجنبی کے متعلق بوقت ملاقات تعارف ہونا ضروری ہے اب اتنی بات باقی رہ گئی کہ آیا یہ اجنبی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنا تعارف کرائے یا اس میزبان کے ذمہ ہے کہ وہ ہر آنے والے سے ان امور کو دریافت کیا کرے۔ سو میرے نزدیک جو شخص یہ خیال کرے کہ ایسے امور کا دریافت کرنا میزبان کے ذمہ ہے نہایت ہی بے حس ہے کیونکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ تعارف میں مصلحت اور غرض کس کی ہے سو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غرض آنے والے کی ہے کیونکہ آنے والے کا جو مقصود ہے وہ موقوف ہے ایسے امور مذکور کے ظاہر ہونے پر بس جب آنے والے کی غرض ہوئی تو اس غرض کے حصول کی تدابیر اختیار کرنا بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیے نہ کہ میزبان کے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ جب وہ کسی نئی جگہ جائے تو اس کا انتظار نہ کرے کہ جب میزبان مجھ سے دریافت کرے گا تب میں اپنا تعارف کراؤں گا بلکہ ملاقات کے وقت خود ہی اپنا ضروری تعارف کرا دے اور جس غرض سے آنا ہوا ہے اس کو ظاہر کر دے۔ البتہ میزبان کے ذمہ یہ ضروری ہے

کہ ان امور کے ظاہر کرنے کے وقت اور موقع دے مثلاً ملاقات کے وقت اپنا شغل چھوڑ دے۔

(۱۶۱) کام میں لگے رہنے کی ضرورت

ایک صاحب جو حضرت والا کے خاص اعزہ میں سے ہیں ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہو گئی بہت مال چوری گیا۔ جس سے سب کو بہت افسوس تھا خاص کر ان کی مستورات کو بے حد صدمہ تھا۔ ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ دل چاہتا تھا کہ اگر وہ لوگ یہاں اس وقت تھانہ بھون میں ہوتے تو صبر کے متعلق حضرت والا کا ایک وعظ سن لیتے جس سے ان لوگوں کی تسلی تشفی ہو جاتی حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں یہ بات غلط ہے ہمیشہ یاد رکھیے کہ تازہ غم میں کبھی وعظ و نصیحت نہ کرنا چاہیے ایسی حالت میں وہ نصیحت اس مصیبت زدہ کے لئے کچھ مفید نہیں ہوتی بلکہ الٹی اور مضر ہوتی ہے اور وجہ اس کے مضر ہونے کی یہ ہے کہ اس وقت نصیحت تو ہوتی ہے اس بات کی کہ تم اپنے جذبہ غم کو روکو اور وہ مصیبت زدہ اس نصیحت کو سن کر کوشش بھی کرتا ہے غم کے روکنے کی مگر چونکہ اس وقت غم کی شدت ہوتی ہے اس لئے اس کے روکنے سے یہ بات تو ہوتی نہیں کہ غم فرو ہو جائے بس یہ ہوتا ہے کہ وہ غم دل کا دل ہی میں رہتا ہے۔ اور زیادہ عرصہ تک دل میں اس غم کے رہنے سے اس مصیبت زدہ کے قلب میں ایک گھٹن پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مصیبت زدہ کے اندر مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور غم جوں کا توں قلب کے اندر موجود رہتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس وقت اس کی نصیحت سے اس مصیبت زدہ کو کچھ نفع پہنچے نقصان ہوتا ہے بس شدت غم کے وقت نہ تو یہ مناسب ہے کہ اس مصیبت زدہ سے ایسی باتیں کرے کہ جس سے ان کا صدمہ اور بڑھے کہ ہائے اتنا مال چلا گیا تمہارا اتنا نقصان ہوا اور نہ ایسی باتیں کرے کہ ارے میاں کیوں فکر میں پڑے ہو اتنا صدمہ کیوں کرتے ہو بس جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ اس شخص مصیبت زدہ کی طبیعت دوسری طرف مشغول رہے اس حادثہ کی طرف توجہ نہ ہی ہونے پائے چنانچہ میں نے بھی ایک خط اس وقت ان کو لکھا ہے مگر قصداً میں نے ایک لفظ بھی ان کو ایسا نہیں لکھا کہ جس سے ان لوگوں کے لئے رنج و غم کی ممانعت پائی جاتی ہو یا یہ کہ اس لفظ سے ان کے غم میں اور اضافہ ہو ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایسے وقت

میں اگر اس مصیبت زدہ کے سامنے اس کے اس نقصان پر کچھ اظہار افسوس نہ کیا جاوے تو اس کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اوہام ہیں البتہ یہ شبہ عدم ہمدردی کا اس پر ہوتا ہے کہ جو اس مصیبت زدہ کا مخالف ہو اور محبت والے کے متعلق ایسا شبہ نہیں ہوتا۔ اب بھلا میرے اوپر بھی کہیں ان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مجھ کو ان کے ساتھ ہمدردی نہیں حالانکہ میں نے ان کو خط میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا کہ جس سے ان کے اس حادثہ پر افسوس کیا گیا ہو مگر باوجود اس کے ایک منٹ کے لئے بھی ان کو میرے متعلق یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ مجھ کو ان سے ہمدردی نہیں۔

(۱۶۲) دوران ذکر کوئی کام یاد آجائے تو کیا کرے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر دو شخصوں نے کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی کوشش بھی کی مگر ایک شخص تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا ناکامیاب رہا تو ثواب ان دونوں شخصوں کو برابر ملے گا یا کم و بیش مثلاً" دو شخصوں نے کلام مجید سیکھنا شروع کیا ان میں سے ایک تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا یعنی تلاوت پر قادر ہو گیا اور اس کے بعد وہ برابر تلاوت کرتا رہا اور دوسروں کو بھی پڑھاتا رہا اور دوسرا شخص بوجہ اپنے ضعف یا مرض یا غباوت وغیرہ کے ناکامیاب رہا اور اس کو کلام مجید پڑھنا نہ آیا مگر اس نے اپنی ساری عمر اسی کوشش اور سیکھنے میں گزار دی۔ تو اب دونوں کو ثواب برابر ملے گا یا کم و بیش۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو ثواب برابر ملے گا بلکہ عجب نہیں کہ ایسے ناکامیاب کا اجر کہ جس نے کوشش میں کمی نہیں کی اس کامیاب سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مشکوۃ میں حدیث ہے۔

عن عائشه قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماهر بالقران مع السفرة الكرام البررة والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران متفق عليه

اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے لگاؤ کس کو ہے بس اس کی قدر ہے لہذا کام میں لگا رہنا چاہیے اگر ساری عمر بھی کامیابی نہ ہو۔

(۱۶۳) مرض باطن کی حقیقت

ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہوں تو کوئی کام یاد آجاتا ہے جس کا

انجام دینا فورا" مناسب ہوتا ہے تو کیا ایسی حالت میں ذکر ترک کر کے اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے یا ذکر کو ترک نہ کرے اور اس کام کو بعد فراغ کے انجام دے لے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے یا اکثر اگر کبھی کبھی ہو تو پہلے اس کام کو کر لے اس کے بعد اپنا معمول ادا کرے اور اگر اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہے تب ہی کوئی نہ کوئی کام یاد آتا ہے تو ایسی حالت میں ہرگز ذکر کو ترک نہ کرے بلکہ اس کو وسوسہ سمجھے اور اپنا ورد پورا کرنے کے بعد اس کام کو انجام دے لے۔

(۱۶۴) بزرگوں سے عقیدت کا مفہوم

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک ملازم پیشہ شخص ہوں میری تنخواہ بھی کافی ہے مگر باوجود اس کے مجھ کو اس کی خواہش ہے کہ میری ترقی ہو اور میں اس کی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر حب دنیا کا مرض ہے لہٰذا میرے اس مرض کا جو علاج ہو وہ فرمادیا جاوے۔ حضرت والا نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ ان کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ مرض باطنی کی حقیقت ہی نہیں سمجھے اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مرض باطنی کی کیا حقیقت ہے فرمایا مرض باطن کی تعریف یہ ہے کہ جو بات معصیت ہو وہ مرض ہے اور جو معصیت نہیں وہ مرض نہیں اب مثلا" حب دنیا کو مرض کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حب دنیا کی ہر قسم مرض ہے بلکہ حب دنیا کی جو قسم معصیت میں داخل ہے مثلا" روپے پیسے کی اتنی محبت ہونا کہ اس کے پیچھے حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے یہ معصیت ہے اور حب دنیا کی یہی قسم مرض باطن ہے اسی طرح حرص ہے کہ اس کو جو مرض قرار دیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حرص کے تمام اقسام مرض باطن میں داخل ہیں۔ بلکہ جو قسم معصیت ہے مثلا" کسی منکر اور منہی عنہ چیز کی حرص ہو یہ مرض ہے اور کسی حلال چیز کی حرص ہو تو گو وہ لغتا" حرص ہوگی مگر حرص کی اس قسم کو امراض باطنہ میں داخل نہیں کریں گے اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم نے ارشاد فرمایا کہ اب اگر کہا جاوے کہ مثلا" حرص کے گو تمام اقسام معصیت نہیں لیکن اگر کسی شخص میں حرص کی عادت ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس شخص کا حرص (کی) اس قسم پر عمل ہو جائے گا جو قسم معصیت ہے لہٰذا اگر کسی کے اندر مطلق حرص ہو تو اس کو بھی معصیت کہنا چاہیے تو

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایسے اندیشہ کی وجہ سے اس کو معصیت نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسا اندیشہ تو ہر وقت اور ہر شخص کو ہے اور ہونا چاہیے کیونکہ اندیشہ کا نہ رہنا تو بے فکری مفضی الی الکفر ہے چنانچہ ایک بار مجھ پر خوف کا بے حد غلبہ ہوا تو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمایئے کہ جس سے اطمینان حاصل ہو تو فرمایا کہ کیا کفر کی تمنا کرتے ہو۔

(۱۶۵) بدگمانی سے بچنے کا طریقہ

ایک بار حضرت والا مجلس کے اندر مختلف حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے اسی کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو بعضے علوم مجھ کو عطا ہوئے ہیں یہ سب حضرت حاجی صاحب کی صحبت کی برکت ہے۔ اس وقت مجلس شریف میں ایک بزرگ اہل علم بھی جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں تشریف رکھتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت تو اور حضرات کو بھی نصیب ہوئی مگر بعض کو یہ علوم حاصل نہیں ہوئے جناب کو حاصل ہوئے جواب ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ وہ عقیدت ہے جو مجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے تھی پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آجکل لوگ بزرگوں کی صحبت میں تو رہتے ہیں مگر جیسی عقیدت ان بزرگ سے ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتی عقیدت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فنا کردے اس پر ایک دوسرے اہل علم نے دریافت کیا کہ حضرت ایسی عقیدت کہ جس سے اپنی رائے شیخ کی رائے کے مقابلہ میں بالکل فنا ہو جائے اس کے حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے فرمایا کہ بس طریقہ یہی ہے کہ اول اول بہ تکلف اپنی رائے کو شیخ کی رائے کے مقابلہ میں فنا کردے یعنی ہیچ سمجھے پھر چند روز بعد یہ تکلف حال بن جائے گا۔

(۱۶۶) بدگمانی کا علاج

ایک صاحب حضرت والا کے زیر تربیت باطنی تھے انہوں نے ایک بار حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا کہ میرے اندر سے فلاں مرض باطنی تو جاتا رہا ہے اب میں فلانے دوسرے مرض کا علاج دریافت کرنا چاہتا ہوں حضرت والا نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو جواب تحریر کیا ہے کہ مگر میرا دل قبول نہیں کرتا کہ تمہارے اندر سے وہ مرض ابھی جاتا رہا ہو پھر ارشاد فرمایا کہ یہاں بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اندر فلاں مرض نہیں تو بلا وجہ اس کی تکذیب کی کیا وجہ بلکہ اس کو اس دعوی

میں سچا سمجھ لینا چاہیے۔ ورنہ یہ تو بد گمانی ہوگی ایک مسلمان کی طرف سے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ بلاوجہ کسی طرف سے بد گمانی جائز نہیں مگر بد گمانی کے مذموم ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دنیا بھر کو سچا ہی سمجھتا رہے بلکہ اگر کسی کی کوئی بات دل قبول نہ کرے اور اس قول کے سچا ہونے میں کسی وجہ سے شبہ پیدا ہو جائے تو وہاں پر گناہ سے بچنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس قائل کو یقیناً" جھوٹا نہ سمجھے لیکن احتمال پیدا ہو جائے جس سے معاملہ احتیاط کا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

(۱۴۷) مرید کا وارد غیبی شیخ کی رائے پر موقوف ہے

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ میرے اندر بد گمانی کا مرض ہے اس کا علاج فرمایا جاوے میں نے ان کو حسب ذیل جواب لکھا ہے۔

تم کو جو لوگوں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے اندر فلاں فلاں عیب ہو گا تو کیا تم اس کا یقین کر لیتے ہو۔

اور کیا تم زبان سے اس بد گمانی کے مضمون کو بیان کرتے ہو۔

اور کیا تم اس شخص کے ساتھ برتاؤ بھی ویسا ہی کرتے ہو جیسا کہ تم کو اس کے متعلق گمان ہوتا ہے اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو پھر تم پر مواخذہ نہیں۔

(۱۴۸) شیخ کو صاحب فنا ہونے کی ضرورت

فرمایا اگر کسی مرید کا کوئی وارد شریعت کے خلاف نہ ہو مگر اپنے شیخ کی رائے کے خلاف ہو تو اگر وہ اپنے اس وارد پر عمل کرے تو اجازت ہے اور اس شیخ کو بھی چاہیے کہ محض اس وجہ سے وہ اس کی رائے کے خلاف کرتا ہے اس پر نکیر نہ کرے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے صاحبین امام صاحب کے شاگرد تھے مگر باوجود اس کے صاحبین نے بعض مسائل میں امام صاحب کے خلاف کیا ہے مگر امام صاحب نے صاحبین پر اس کی وجہ سے کوئی نکیر نہیں کیا البتہ یہ بات کہ یہ امر جو مرید کے قلب پر وارد ہوا ہے در حقیقت یہ وارد غیبی ہے بھی یا نہیں یہ بات شیخ ہی کی رائے پر موقوف ہے اگر شیخ کہہ دے کہ تمہارا یہ وارد غیبی ہے تب تو اس کو غیبی سمجھے ورنہ مرید کو چاہیے کہ نہ اس کو وارد سمجھے اور نہ اس پر عمل کرے۔ اور اگر شیخ کہہ دے کہ یہ وارد غیبی ہے تب بھی وارد اس شیخ ہی کا فیض ہو گا اور مرید کو چاہیے کہ یہی اعتقاد رکھے کہ اس

وارد کا ورود بھی شیخ ہی کی برکت سے ہوا ہے اپنے کو مستقل نہ سمجھے۔

(۱۶۹) حب عقلی اور حب طبعی

ایک بزرگ نے جو حضرت والا کے مجاز طریقت ہیں عرض کیا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ کی محض تدبیر اور تعلیم سے طالبین کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے شیخ میں برکت کی ضرورت ہے فرمایا کہ بے شک یہی بات ہے پھر انہیں بزرگ نے دریافت کیا کہ اس برکت کے حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے ارشاد فرمایا کہ اس کا حصول تو محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے بندہ کے اختیار میں نہیں جب حق تعالیٰ کسی سے کام لینا چاہتے ہیں اس میں برکت بھی عطا فرمادیتے ہیں مگر تاہم اس میں خلوص اور صدق کو خاص دخل ہے بالخصوص اس میں فنا کو زیادہ دخل ہے شیخ کو چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے اپنے آپ کو فنا کرے اور دعوے کو مٹائے۔

(۱۷۰) ملکہ یادداشت کو نسبت کہنا غلط ہے

ایک بار ایک صاحب کے پاس جو حضرت والا سے اپنے امراض باطنہ کی اصلاح کرا رہے تھے حضرت والا نے حب عقلی اور طبعی کی تفسیر لکھ کر بھیجی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ انسان دنیا کی حب عقلی کے ازالہ کا مکلف ہے نہ کہ حب طبعی کا اس کے بعد ان صاحب کا خط آیا کہ مجھ کو جناب کی اس تعلیم سے بے حد نفع ہوا اور بفضلہ تعالیٰ اب میرے اندر حب دنیا کا مرض نہیں رہا۔ حضرت والا نے یہ سب تحریرات حاضرین مجلس کو سنائیں۔ اس پر ایک بزرگ نے جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں عرض کیا کہ حضرت قرآن و حدیث کے جن حقائق پر جناب کو اطلاع ہوئی دوسرے اکثر حضرات کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچی اس کی کیا وجہ۔ فرمایا میں جو کچھ کہتا ہوں کتاب و سنت میں فکر کر کے کہتا ہوں۔ اور حب عقلی اور طبعی کے متعلق جو تحقیق میں نے ان صاحب کو لکھی تھی اس کا ماخذ بھی کتاب و سنت ہی ہے چنانچہ جہاں ایک مقام پر کتاب و سنت میں حب دنیا کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر یہ بھی ارشاد ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور یہ مشاہدہ ہے کہ حب طبعی باوجود کوشش کے بھی زائل نہیں ہوتی بس جب ان سب مقدمات کو ذہن میں جمع کر لیا جاوے تو سمجھ میں آجاوے گا کہ حب دنیا بے شک مذموم ہے مگر اس حب مذموم سے مراد وہ حب ہے جو طبعی نہ ہو کیونکہ حب طبعی کا ازالہ وسعت سے خارج ہوتا ہے اور جو چیز وسعت سے خارج ہو انسان اس کا مکلف نہیں لہذا

جب طبعی کے ازالہ کا انسان مکلف نہیں باقی جس محبت کا ازالہ اختیار میں ہے اس کے ازالہ کا انسان مکلف ہوگا اور اسی اختیاری محبت کا نام محبت عقلی ہے۔ مگر جن لوگوں کے ذہن میں یہ ساری باتیں جمع نہیں ہوتیں اس وجہ سے کہ الگ الگ مذکور ہیں اس لئے ایسے لوگ یہاں تک نہیں پہنچے۔

(۱۷۱) بزرگوں کی اولاد کا لحاظ کرنے کی ضرورت

فرمایا آج کل لوگ ملکہ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں جو صرف ذاکر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور جو معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے حالانکہ نسبت مطلوبہ نام ہے اس لگاؤ اور تعلق کا جو جانبین سے ہو یعنی عبد کی طرف سے حق تعالیٰ کے ساتھ اطاعت اور ذکر کا تعلق ہو اور حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہو یہ ہے نسبت مطلوبہ۔

(۱۷۲) باری تعالیٰ کے علم کی کنہ کسی کو معلوم نہیں

ایک مقام پر ایک متفق علیہ بزرگ کے پوتے کے ساتھ علی الاعلان ایسا برتاؤ کیا گیا جس سے ان صاحبزادہ کی اہانت ہوئی۔ جب حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی کو اس کی اطلاع ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ کو یہ معلوم کر کے کہ ان صاحبزادہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا بہت افسوس ہوا۔ ان صاحبزادہ کی اگر کوئی کوتاہی تھی تو یہ چاہیے تھا کہ ان کو تنہائی میں بلا کر چاہے خوب ڈانٹ لیا جاتا اس میں کچھ حرج نہ تھا نہ اس میں ان کی اہانت تھی باقی علی الاعلان ایسا برتاؤ کرنا مناسب نہ تھا آخر ان بزرگ کا جن کی یہ اولاد میں سے ہیں کچھ تو لحاظ ہونا چاہیے تھا بس جی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے محض دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے قلوب میں بزرگوں کا ادب اور ان سے محبت صرف ان بزرگوں کی زندگی تک رہتا ہے اور ان بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی محبت ان کا ادب سب رخصت ہو جاتا ہے میں نے ایک ایسے ہی بزرگ زادہ کو ایک بار بہت ہی سخت اور ناراضی کا خط لکھا تھا مگر باوجود اس کے جس کا دل چاہے وہ اس خط کو ان سے لے کر دیکھ لے کہ ایک بھی لفظ اس خط میں ایسا نہیں ہے جو ان کی شان کے خلاف ہو تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ انہوں نے ایک بار مجھ کو لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں میں نے جواب دیا کہ ہاں صحیح ہے۔ لیکن وہ ناراضی ایسی ہے جیسے اگر کسی شخص کی اولاد میں سے کوئی سنکھیا کھالے اور اس لڑکے کی ایسی نازک

حالت ہو کہ مرنے لگے تو اس بنا پر تو اس لڑکے پر اس کی حرکت کی وجہ سے غصہ بھی ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی اس کی اس حالت زار کو دیکھ کر رحم بھی آئے گا بس وہی حال میرا تمہارے ساتھ ہے۔

(۱۷۳) سلسلہ چشتیہ میں تخلیہ تجلیہ سے مقدم ہے

فرمایا فلسفہ نے جو علم کے متعلق بحث کی ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے یا مقولہ انفعال سے یا مقولہ اضافت سے تو یہ باری تعالیٰ کے علم کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ بحث صرف مخلوق کے علم کے متعلق ہے باقی باری تعالیٰ کے علم کی کنہ یہ کسی کو معلوم ہی نہیں اور جب کنہ معلوم نہیں تو اس کے سب احکام بھی معلوم نہیں اسلئے اگر اس پر کوئی اشکال وارد ہو تو سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ ہم کو اس کا علم نہیں۔

(۱۷۴) حق تعالیٰ شانہ کے سوا تمام اشیاء حادث ہیں

فرمایا ایک شب کے زیادہ حصہ میں خواب میں خود بخود ذہن میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر مکرر وارد ہوتا رہا۔

بھر چہ از دوست وامانی چہ کفران حرف وچہ ایماں
بھرچہ از یار دورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

جب بیدار ہوا اب بھی یہ شعر ذہن میں تھا اسی وقت دفعتاً یہ خیال ہوا کہ کیا اس مضمون کا کوئی منقول ماخذ ہو سکتا ہے۔ وجہ اس خیال کی یہ ہوئی کہ ظاہراً اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایمان اور نقش زیبا جس سے مراد احوال و اعمال صالحہ ہیں محبوب سے مانع اور مبعد کیسے ہو سکتے ہیں سو فوراً ہی یہ آیت قلب میں وارد ہوئی۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا دیکھئے کہ صلوۃ ایک عمل صالح اور ایمان کا شعبہ ہے مگر خاص محل میں منہی عنہ ہے اور منہی عنہ کا مانع عن القرب ہونا ظاہر ہے تو ایک عمل میں دونوں وصف یعنی ایمان اور ابعاد جمع ہو گئے جس میں راز یہ ہے کہ ایمان تو اپنی ذات میں ہے اور موجب بعد عارضی سے ہے یعنی حسن لنفسہ اور قبیح لغیرہ اور ایسے اعمال بکثرت ہیں پس شعر مذکور شریعت پر منطبق ہو گیا اور محقق صوفی کے کسی قول پر خلاف شریعت ہونے کا شبہ نہیں رہا اور اسی کے بالکل ساتھ ہی ایک فقہی مسئلہ کا حل بھی دفعتاً ذہن میں آگیا جو صلوۃ الجنائز فی المقبرہ کے متعلق تھا صبح ہی کو اس

کی تقریر ترجیح الراجح میں جو امداد الفتاوی کا ایک جزو ہے نقل کرادی جس پر تاریخ ۲۳ ذیقعدہ ۵۷ ۱۳ھ لکھی ہے۔

(۱۷۵) قلب کی شہادت سے احتیاط کا برتاؤ

ایک بار حضرت والا یہ بیان فرما رہے تھے کہ سلوک کے اندر اصل چیز اصلاح اخلاق و اعمال ہے مگر اسی کی طرف سے لوگ بالکل بے توجہی کرتے ہیں اور جن لوگوں کو اصلاح کی طرف توجہ ہوتی بھی ہے تو وہ صرف وظیفوں کو اصلاح نفس کے لئے کافی سمجھ بیٹھتے ہیں اسی کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ اصلاح یعنی ازالہ رزائل کا اہتمام یوں تو تمام سلاسل میں ہے مگر سلسلہ چشتیہ میں سب سے زیادہ اس کا اہتمام کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ چشتیہ میں مرید کا تخلیہ مقدم ہے تجلیہ سے۔ بخلاف نقشبندیہ کے وہاں تجلیہ مقدم ہوتا ہے تخلیہ سے۔

(۱۷۶) حضرت خواجہ صاحب ضبط ملفوظات کے مشورہ کا جواب

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ تو عقیدہ ہے کہ حق تعالی کے سوا تمام اشیاء حادث ہیں اور ان اشیاء میں عرش بھی داخل ہے لیکن اگر عرش کو قدیم نہ مانیں بلکہ حادث کہیں اور کسی دوسری چیز میں قدم کا شبہ بھی نہیں تو کوئی چیز بھی قدیم نہ ہوگی اور اس صورت میں ظاہرا" صفات باری تعالی کا تعطل لازم آتا ہے کہ ان کا کوئی اثر ہی ظاہر نہیں ہوا اس کا کیا جواب ہوگا ارشاد فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ صفات کا تعطل لازم آئے گا کیونکہ صفات کے تعطل کے معنی یہ ہیں کہ موصوف اگر اس صفت کے اثر کو ظاہر کرنا چاہے تو بھی نہ کرسکے تب کہہ سکتے ہیں کہ تعطل ہوا اور اگر اس کو ظاہر کرسکے اور پھر اپنے اختیار سے نہ کرے تو اس کو تعطل نہیں کہتے چنانچہ اگر کوئی شجاع ہو تو اس کے شجاع ہونے کے معنی یہ نہیں کہ اس کا ہاتھ کبھی رکتا ہی نہیں بلکہ ہر وقت وہ حرب و ضرب ہی میں مشغول رہتا ہے حتی کہ اگر کسی وقت وہ شخص میدان جنگ سے واپس آکر اپنے گھر میں خورد و نوش وغیرہ یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو تو وہ شجاع نہ رہے اسی طرح جو شخص تلوار چلانا اچھی جانتا ہو تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ہر وقت مار دھاڑ ہی کرتا رہتا ہے پس جب تعطل کے معنی معلوم ہو گئے تو اب دیکھنا چاہیے کہ جب عرش نہ تھا اور نہ کوئی اور مخلوق موجود تھی تو اس وقت بھی حق تعالی اپنی صفات کے اظہار پر قادر تھے یا نہیں سو ظاہر ہے کہ جیسی مخلوقات کے پیدا کرنے کے بعد اپنی صفات کے اظہار پر

قادر ہیں اسی طرح مخلوق کے حدوث سے قبل بھی وہ اپنی صفات کے اظہار پر قادر تھے تو پھر تعطل صفات کا کہاں لازم آیا۔

(۱۷۷) بچپن میں فوت شدہ بچوں کا اپنے والدین کو جنت میں لے جانے کے اشکال کا جواب

فرمایا ایک صاحب نے مجھ کو لکھا تھا کہ میرے اندر بد نظری کا مرض ہے اور انہوں نے اپنے اس مرض کا علاج دریافت کیا تھا اور حاضری کی اجازت چاہی تھی میں نے ان کو ان کے مرض کا علاج تحریر کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ جب تک اس مرض سے شفا نہ ہو جائے اس وقت تک یہاں حاضری کی اجازت نہیں اس کے ایک عرصہ کے بعد انہوں نے لکھا کہ چونکہ میں نے جناب کے تجویز فرمودہ معالجہ پر پورا عمل کیا اس لئے اب میرے اندر وہ مرض نہیں رہا لہذا اب مجھ کو حاضری کی اجازت عطا فرمائی جاوے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خدا کرے ایسا ہی ہو مگر میرا قلب شہادت نہیں دیتا کہ تمہارے اندر سے ابھی وہ مرض چلا گیا ہو اس کے بعد اب ان کا دوسرا خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ واقعی یہ میرا دعوی ہی دعوی تھا کہ اور یہ بات میں نے حاضری کی اجازت کے شوق میں عرض کر دی تھی۔ میں نے اب اس خیانت سے ناراضی ظاہر کرنے کے لئے یہ کیا کہ ان کا خط بلا جواب واپس کر دیا پھر حاضرین سے حضرت والا نے فرمایا کہ قلب کی شہادت کی وجہ سے اس شخص کی خیانت کا یقین کر لینا تو جائز نہیں مگر اس سے احتیاط کا برتاؤ کرنا جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ملفوظات حسن العزیز

(ضبط کردہ احقر عزیز الحسن عفی عنہ) ماہ شوال المکرم ۵۹ ۱۳ھ

(۱۷۸) آزاد طبیعت کا نتیجہ

ان ملفوظات کو قلم بند کرنے کے طریق کے متعلق استفسار اور مشورہ کیا تو فرمایا کہ آپ ہی جس طرح چاہیں ضبط کریں میری اب سوچنے سے طبیعت گھبراتی ہے۔ جب میں نے امامت

چھوڑ دی خطبہ چھوڑ دیا تربیت باطنی چھوڑ دی اور سب کچھ چھوڑ دیا تو بھلا میں اب ضبط ملفوظات کا مشورہ دینے تو کیا بیٹھوں گا جو آپ کی سمجھ میں آوے کیجئے میری سمجھ میں تو اب کچھ نہیں آتا۔ مشورہ سے دلچسپی تو مجھے کبھی بھی نہیں تھی مگر خیر پہلے کچھ دماغ کام کرتا تھا لیکن اب کچھ کام نہیں کرتا۔ ہاں بکواس تو لگایا ہی کروں گا آپ جیسے چاہیں ضبط کیجئے۔ مجھ سے مشورہ نہ لیجئے۔

(۱۷۹) آزاد طبیعت کا نتیجہ

ایک صاحب نے اپنی ہمشیرہ کے چھوٹے بچے کے انتقال کا حال بیان کر کے استفسار کیا کہ آیا یہ یقینی ہے کہ ایسے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں ضرور لیجائیں گے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا کہ جی ہاں اگر کوئی اس کا معارض قوی نہ ہو جیسے گل بنفشہ کا پینا جبھی مفید ہے کہ اس کے معارض کوئی چیز نہ کھائی جاوے مثلاً" کسی نے گل بنفشہ پیا اور اوپر سے دو تولہ سنکھیا بھی کھالیا تو کیا ایسی صورت میں بھی گل بنفشہ کا پینا کچھ فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جو مختلف اعمال واحوال کی خاصیتیں مذکور ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں فی نفسہ یہ خاصیت ہے باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا تو ظاہر ہے کہ اس معارض کا اثر غالب ہو جائے گا غرض ان میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی معارض قوی نہ ہو یہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق ہے جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی سبحان اللہ قرآن حدیث پڑھے تو ایسے تو پڑھے۔ دیکھئے اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال واحوال کے فضائل مذکور ہیں حل ہو گئیں۔ مثلاً" بروے حدیث مساکین اغنیاء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے تو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبوت کے ساتھ ایک زبردست بادشاہ تھے وہ بھی ایک مزدور کے بعد جنت میں جائیں گے مولانا کی تحقیق کے بعد کوئی اشکال نہیں رہتا چونکہ یہاں ایک معارض قوی دوسری جانب موجود ہے یعنی نبوت اس لئے یہ اثر مرتب نہ ہو گا غرض اعمال و احوال خاصہ کے آثار و خواص جب ہی مرتب ہونگے جب ان کے مقابلہ میں کوئی معارض قوی ادھر یا ادھر نہ ہو۔

(۱۸۰) نیچریت کا منشاء غلو فی الدین ہے

بعض لوگ مصافحہ میں ہاتھ پکڑے رہتے ہیں چھوڑتے نہیں اس سے حضرت اقدس کو

بڑی الجھن ہوتی ہے اور اکثر اظہار ناراضی فرمایا کرتے ہیں۔ کسی کے ہاتھوں کو خواہ مخواہ محبوس کر لینا ویسے بھی برا ہے بالخصوص حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں کو جو اکثر اوقات کام ہی میں مشغول رہتے ہیں اور صرف .ضرورت مصافحہ کام سے تھوڑی دیر کے لئے فارغ کر لئے جاتے ہیں۔ فرمایا کرتے ہیں کہ پیروں نے ناس کیا ہے اس واسطے کہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ عاشق ہے معتقد ہے اور میں ایسا برتاؤ کرتا ہوں کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گو میں نہ اس کا قصد کرتا ہوں نہ اس کا جیسا جس وقت مناسب ہوا برتاؤ کیا

ع ہر کہ خواہد گو بیا وہر کہ خواہد گو برو

مجھ سے بنا نہیں جاتا صاحب۔ آزاد ہے طبیعت۔ اوروں کو بھی آزاد رکھتا ہوں اور خود بھی آزاد رہتا ہوں بس اسی میں لطف ہے۔

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند
اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(۱۸۱) بدعت دوسرے گناہوں سے سخت کیوں ہے

فرمایا کہ بدعت اور گناہوں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اور گناہوں کو دین نہیں سمجھا جاتا بلکہ گناہ سمجھا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بدعت کو دین سمجھا جاتا ہے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا یہ زیادہ سخت بات ہے ایک بار فرمایا کہ نیچری بھی بدعتوں سے نفرت کرتے ہیں لیکن ان کی نفرت بیدینی کی وجہ سے ہے اور یہ بدعت سے بھی بدتر ہے۔ ان سے تو بدعتی ہی ہزار درجہ بہتر ہیں کیونکہ بدعت کا منشاء اتنا فاسد نہیں جتنا کہ نیچریت کا بلکہ اس کا منشاء تو غلو فی الدین ہے نہ کہ بیدینی۔

(۱۸۲) سنت عادیہ اور سنت عبادت میں فرق

اس کا تذکرہ تھا کہ باوجود معصوم ہونے کے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خائف ہی رہتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ قدرت ہے کہ جس کو چاہیں نبوت عطا فرما دیں وہاں یہ قدرت بھی تو ان کو حاصل ہے کہ اپنی دی ہوئی چیز کو جب چاہیں واپس لے لیں نیز عظمت جس کے لوازم سے ہیبت ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جیسے بلا تشبیہ اگر کوئی شیر کٹہرے کے اندر بند ہو اور یہ بالکل اطمینان ہو کہ ایسی حالت میں وہ ہرگز حملہ نہیں کر سکتا پھر

بھی پاس کھڑے ہو کر اس کی ہیبت بے اختیار طاری ہو جاتی ہے اور زیادہ پاس جانے کی ہمت نہیں ہوتی جس کی وجہ اس کی ذاتی شان ہے آج میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا۔ مکان سے آرہا تھا دیکھا کہ راستہ میں سانڈھ کھڑا ہے مجھے پورا علم تھا کہ وہ بہت شائستہ ہے حملہ نہ کرے گا پھر بھی میں حفاظت کی دعا کرتا ہوا گذرا تو حضرت خوف کی چیز سے تو خوف ہو تا ہی ہے ایاز کو اچھی طرح معلوم تھا کہ محمود بادشاہ کو اس سے بے حد محبت ہے لیکن بادشاہ پھر بادشاہ ہے۔ ایاز پر باوجود اس علم کے پھر بھی محمود کی ہیبت طاری رہتی تھی۔ بلکہ بادشاہ کا جو محبوب ہو اس کو تو اور بھی زیادہ خائف رہنا چاہیے کہ جو عنایتیں بادشاہ کی اب ہیں ان میں کہیں خلل نہ آجائے اسی طرح عارف کو تو اور زیادہ ہیبت ہو جاتی ہے کہ کہیں ہماری بے ہودگیوں سے اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں فرق نہ آجاوے ؎ مقرباں را بیش بود حیرانی۔ اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ کسی کا کوئی رشتہ تھوڑا ہی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور محبوب کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے بجائے اس قول کا تحقیقی ومل کرنے کے محبوب نہ ہونے کی الزامی دلیل خوب بیان فرمائی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو تو پھر تمہیں وہ گناہوں کی سزا کیوں دے گا۔ آگے فرماتے ہیں۔ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ۔ یعنی جیسے اور مخلوق تم بھی مخلوق۔ غرض اللہ تعالیٰ پر کسی کا اثر تھوڑا ہی ہوتا ہے جیسے بعض جاہل نعت والے اللہ تعالیٰ کو عاشق حضورؐ کو معشوق کہتے ہیں یا شیعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ حضورؐ سے بھی بڑھا دیتے ہیں چنانچہ کسی شیعی نے ایک شعر لکھا ہے جس میں صریح طور پر تو فضیلت کا حکم نہیں دیا لیکن یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضورؐ کے داماد تھے اور داماد ایسے ہی کو تجویز کیا جاتا ہے جو اپنے سے افضل ہو لیکن اگر یہی بات ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تو حضورؐ کے داماد تھے بلکہ داماد ہونے کی صفت ان میں حضرت علی سے زیادہ موجود تھی کیونکہ ان کے نکاح میں حضور نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دیں تو انہیں افضل کیوں نہیں کہتے۔

(۱۸۳) حضرت حکیم الامت کو زیادہ اشیاء ملکیت میں ہونا ناگوار تھا

اس کا تذکرہ تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو اس کے سوال پر

اپنی کل بکریاں جو کہ شمار میں سو تھیں مرحمت فرمادیں۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر اس کا ذکر کیا اور سب کو ترغیب دی کہ مسلمان ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت دینے والے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ ایسا ایمان بھی معتبر ہے جو کسی طمع سے ہو بشرطیکہ دل میں بھی سچا سمجھتا ہو۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے استفسار کیا بکریاں پالنا سنت ہے۔ فرمایا جی ہاں سنت ہے لیکن سنت عادیہ ہے سنت عبادت نہیں اور اصل مقصودیت سنت عبادت میں ہے البتہ سنت عادیہ میں اگر منشاء اس کا محبت ہو ایک درجہ کا ثواب اور برکت ہے۔ اس میں غلو نہ سنت عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جاوے۔ بعض لوگ اس کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضورؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصائے مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا۔ یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے اس کا منشاء تو محبت ہے باقی ان کے پیچھے پڑ کر اکثر لوگ ضروریات دین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں سو اگر اس میں ایسا غلو ہو تو دین سے بے کار ہو جائے۔ ہر شے اپنی حد پر رہنی چاہیے یہ تو خیر سنت عادیہ ہیں سنت عبادت میں بھی یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لئے کسی مفسدہ کا احتمال غالب ہو تو مستحب کا چھوڑ دینا بھی واجب ہے۔ چنانچہ حضورؐ کا معمول جمعہ کے روز فجر میں الم تنزیل اور سورہ دہر پڑھنے کا تھا مگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ قرار دے دیا اسی واسطے تو کم فہم لوگوں نے حضرت امام پر مخالف سنت ہونے کا الزام لگایا ہے حالانکہ حضرت امام کی اس پر نظر گئی کہ عوام الناس میں اس کا احتمال ہے کہ شاید اس کو واجب سمجھ جاویں اس کے انتظام کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ فرمادیا۔ باقی اور مفسدے بھی ہیں چنانچہ بخارا کا ایک جاہل مکہ معظمہ میں شافعی کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ کر حنفیت کی مضبوطی کی یہ دلیل بیان کرتا تھا کہ ہمارے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ٹھیک ہے اور مذہبوں میں گڑبڑ ہے دیکھئے شافعی لوگ فجر میں بجائے دو رکعتوں کے تین رکعت پڑھتے ہیں۔ حالانکہ الم تنزیل میں چونکہ سجدہ کی آیت ہے اس لئے شافعی نے بیچ میں سجدہ کیا تھا وہ حضرت سمجھے کہ یہ نئی رکعت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو دراصل اس درجہ کے ہیں جیسے کوئی بادشاہ کا مزاج شناس ہوتا ہے۔ حضورؐ کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہمارے امام صاحب ہی تھے وہ سب سے پہلے امام تھے اور سب سے بڑے تھے ان کا امام اعظم

ہوناسب کے نزدیک مسلم ہے استفسار پر فرمایا کہ حضرت امام مالک ہمارے امام صاحب کے معاصر تھے گو عمر میں چھوٹے تھے وہ امام صاحب کی ذہانت کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی کے استفسار پر فرمایا کہ اتنے ذہین تھے کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو ثابت کر کے دکھادیتے۔ عرض کیا گیا کہ کیا زمانہ میں دو دو مجتہد بھی ہو سکتے ہیں۔ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا ایک زمانہ میں دو پہلوان نہیں ہوتے اس زمانہ میں بھی سینکڑوں مجتہدین تھے لیکن خدا کی مصلحت ہے کہ ان کا مذہب چلا نہیں اور ان چار اماموں کا چل گیا باوجود یہ کہ اس کے لئے نہ کوئی پروپیگنڈہ کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام کیا گیا۔ استفسار پر فرمایا کہ مجتہد اب بھی ہو سکتے ہیں مگر ہوئے نہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے پھر کوئی نہیں ہوا۔ گو اب بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ بے باپ کے پیدا کر دیں یہ محال نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر ایسا کیا نہیں لیکن نہ کرنے سے ان کی قدرت تھوڑا ہی بند ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت شریف یہ ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت اس کو پیدا کرتے ہیں اس وقت احکام مدون نہیں تھے اب مدون ہو گئے اب تو بس یہ کافی ہے کہ ان کا اتباع کرو اس لئے اب کیا ضرورت ہے کہ مجتہدین پیدا کئے جاویں یہ ہے اس کا راز لیکن یہ بھی ظنی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں قطعی طور پر کون سمجھ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوتی ہیں۔ تقریب فہم کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ راز ہے تاکہ کچھ سمجھ میں آجاوے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بن بہت تھے اب کاٹ کر زمین مزروعہ کر لی گئی ہے۔ جب بن تھے اس وقت بہت بارش ہوا کرتی تھی چونکہ ان بنوں کے لئے ضرورت تھی اس لئے ان کے لئے زیادہ بارش ہوتی تھی۔ اب اتنی بارش کی ضرورت نہیں رہی تو بارش کم ہونے لگی۔ نیز تجربہ کاروں کا یہ قول ہے کہ جب سے نہریں ہو گئی ہیں بارش کم ہو گئی ہے کیونکہ تم نے خود پانی کا انتظام کر لیا غرض جس چیز کی ضرورت کم ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اس میں کمی ہو جاتی ہے اور اس کی یہ حقیقت بھی علی سبیل الجزم نہیں کہہ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا قطعی علم کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمی را

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا کہ معراج شریف میں کیا کیا حالتیں گزریں انہوں نے جواب دیا۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

پھر اس سے قطع نظر جو شخص مشغول بحق ہوا اسے اسرار کی تحقیق کی فرصت ہی کہاں بلکہ جو درپے ہو اسرار کے اس کو تو بجائے اسرار پر مطلع کرنے کے اشرار میں داخل کیا جاتا ہے وہ سزا کے قابل ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے خادم کو از راہ عنایت اپنے خاص محل کی سیر کرا دے اور پھر اس کو یہ جرات ہو جائے کہ وہ یہ درخواست کرے کہ حضور اپنی بیگمات کو بھی دکھا دیجئے تو اس کے سر پر جوتے پڑیں گے کہ نالائق تیرا منہ اور یہ درخواست۔ تو جناب اسرار الٰہیہ بھی مثل مخدرات کے ہیں ان کی درخواست کرنا اور واقفیت کے درپے ہونا جوتے کھانا ہے بس سالک کا تو یہ مسلک ہونا چاہیے۔

زباں تازہ کردن بہ اقرار تو نینگیختن علت از کار تو

تسلیم و رضا چاہیے اگر آقا کی طرف سے ہمارے پاس فرنی آئے تو سعادت مندی یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کر کے کھالو آقا نے محض اپنی عنایت سے بھیجی ہے اور اگر یہ پوچھنے لگے کہ کیوں صاحب اس کے اجزاء کیا کیا ہیں یہ گستاخی ہے۔ مجھے تو زمخشری کا قول بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کلام مجید میں ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً کہیں واؤ سے کہیں ف سے ہے کہیں ثم ہے اور لوگوں نے اس کے مختلف نکتے لکھے ہیں۔ لیکن زمخشری نے حالانکہ وہ بہت بڑے ادیب تھے اور دوسروں سے زیادہ نکتے بیان کر سکتے تھے لیکن انہوں نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ نکتے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں فصحا بلغا کی عادت ہے کہ ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانات سے بیان کرتے ہیں یہ تو متقدمین کی تحقیق ہے پچھلے لوگوں نے بڑے بڑے نکتے بیان کئے ہیں اور وہ سب کی نفی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تفنن ہے کلام کا اور حسن ہے عبارت کا کبھی اس طرح فرما دیا کبھی اس طرح وہ نکتوں کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اب کوئی شفیق باپ کہے کہ دیکھو بیٹا فلاں کی صحبت میں مت بیٹھنا۔ ایک دن تو اس نے یہ کہا۔ پھر جو ضرورت ہوئی تو یہ کہا کہ دیکھو فلاں کی صحبت میں مت بیٹھنا بیٹا۔ کوئی

پوچھے کہ یہ مختلف ترتیب کے عنوان کیوں اختیار کئے تو کیا اس کی وجہ بیان کر سکتا ہے کہ ایک دن تو بیٹا پہلے کہا اور ایک دن بیٹا بعد کو کہا۔ اب اس میں کاوش کرنا کہ تقدیم کیوں کی اور تاخیر کیوں کی یہ محض تکلف ہے۔ میری تو ربط آیات میں بھی یہی رائے ہے اتنا تو اجمالاً" معلوم ہے کہ باہم آیات میں ربط ضرور ہے لیکن اس کی تعیین کوئی نہیں کر سکتا اور ربط کا ہونا بھی دلیل شرعی سے معلوم ہو اور نہ اس کا بھی قائل ہونا ضروری نہ تھا میں تو اس کا بھی قائل نہ ہوتا کیونکہ اس کا احکام و نصائح میں باہم ربط ہونا لازم نہیں مگر چونکہ دلیل شرعی سے ربط کا ہونا ثابت ہے اس لئے فی الجملہ ربط کا قائل ہونا ضروری ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ نزول کی ترتیب اور ہے اور تلاوت کی ترتیب اور ہے کہ کیونکہ ہر آیت کے نزول کے بعد بذریعہ وحی حکم ہوتا ہے کہ فلاں آیت کو فلاں صورت میں فلاں مقام پر رکھ دیجئے۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام سے کوئی مناسبت ضرور ہے۔ باقی مناسبت کی وجہ کیا ہے یہ علی سبیل القطع نہیں معلوم کیونکہ وحی کے ذریعے سے یہ نہیں بتایا گیا۔ اب متاخرین نے تعین کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا مناسبت ہے سو یہ اگر جزماً" ہے تو غلو ہے۔ ہاں اگر بہ طور نکتے کے کوئی مناسبت بیان کی جائے لیکن علی سبیل الجزم نہیں تو خیر مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کو علم مقصود سمجھنا غلطی ہے۔ یہی میں نے کیا چنانچہ میں نے خود ربط آیات کی تقریریں اپنی تصنیف سبق الغایات فی نسق الآیات میں کی ہیں جس کی بڑی تعریف کی جاتی ہے لیکن میں خود کہتا ہوں کہ وہ علوم نہیں ہیں بلکہ محض نکتے ہیں اور ظنی ہیں جزم کے ساتھ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی ہیں اس کا قطعی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کیونکہ وحی سے ہم کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ باہم آیات میں کیا ربط ہے۔ لہٰذا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض رائے ہے دلیل قطعی نہیں۔ اور اگر ترتیب نزول و تلاوت مختلف نہ ہوتی تو میں اجمالی ربط کا بھی قائل نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ نزول کی ترتیب ہے اور تلاوت کی اور ترتیب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مناسبت تو ضرور ہے اور مناسبت کی وجہ ہی سے تلاوت کی خاص ترتیب رکھی گئی ہے باقی وجہ مناسب کی کیا ہے اس کا علم ہم کو نہیں دیا گیا یہی وجہ ہے کہ مناسبت کی تقریریں مختلف ہیں ایک نے کچھ اور تقریر کی ہے دوسرے نے کچھ اور تو کیا دونوں تقریریں صحیح ہو سکتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ سب ظنیات ہیں۔ اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگوں نے زوائد کو مقاصد بنا لیا ہے میں نے جو مضمون

ربط الایات کا لکھا اس کی لوگ بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن خود مصنف سے اس کی حقیقت پوچھو میں کہتا ہوں کہ وہ محض میری رائے ہے۔ ممکن ہے وہ خلاف واقع ہو۔ دیکھئے کوئی اپنی کوشش کو بھی کم وقعت قرار کرتا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ حدود میں گڑبڑ نہ ہو ہر شے اپنی حد پر رہے جس چیز کا علم ہم کو قطعی نہیں ہے اس کو قطعی نہ سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار ہی جن پر کم کو مطلع نہیں کیا گیا ان میں قیاس کرنا اور اس کو قطعی سمجھنا سراسر غلطی ہے اللہ تعالیٰ کے اسرار میں قیاس کرنا تو بڑی بات ہے بندوں کے بھی بعض اسرار محض قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتے اب مثلاً" میں کبھی روئی دار صدری کرتے کے اوپر پہنتا ہوں کبھی کرتے کے اندر یہ ایک نظیر حسیات کی ہے سو صدری کرتے کے اندر تو اس لئے پہنتا ہوں تاکہ بدن کو روئی کی گرمی زیادہ محسوس ہو اور کبھی اوپر پہنتا ہوں تاکہ اگر نکالنے لگوں تو آسانی سے نکال سکوں۔ لیجئے میں یہ نکتہ بیان نہ کرتا تو کوئی نہیں سمجھ سکتا بلکہ دیکھنے والے اس کو بے ڈھنگا پن سمجھیں گے تو جیسے ایک ہی چیز کو کبھی کرتے کے اندر اور کبھی کرتے کے اوپر پہننے کی وجہ جب تک میں نہ بتاؤں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ تو اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے باہم آیات کا ربط بتایا نہیں تو پھر کسی کی سمجھ میں کیسے آسکتا ہے لہٰذا جو تقریریں ربط آیات کے متعلق علماء نے کی ہیں وہ محض قیاسات اور تخمینات ہیں اسی لئے میں کبھی وعظ میں لطائف اور نکات بیان کرتا ہوں تو صاف کہہ دیتا ہوں کہ یہ نکتہ ہے اور بعضے علوم بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے عنایت کئے ہیں کہ شاید صدیوں سے کسی کو نہ عنایت ہوئے ہوں ناشکری کیوں کروں وہ البتہ علوم ہیں ان کو بھی صاف ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے مواہب میں سے ہیں اور نکتے اس لئے بیان کر دیتا ہوں کہ عجب نہیں عام مذاق رکھنے والے جو نکتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے وہی منتفع ہو جاویں علوم تو ایسے حسین ہیں کہ جن کا حسن ذاتی ہے اور بلا زیور کے بھی حسین ہیں اور نکتے ایسے ہیں جیسے کوئی غیر حسین زیور پہنچ کر اور گوٹا چمک لگا کر حسین معلوم ہونے لگے سو یہ شخص حسین ہی نہ معلوم ہو اگر زیور وغیرہ اتار دے اور وہ جب زیور وغیرہ اتار دے تب اس کا اصلی حسن نمایاں ہو جو مصنوعی حسن سے زیادہ دلفریب ہے کما قال لمتنبی؎ حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب او کما قال العارف الشیرازی۔

دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند　　　دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد

(احقر مولف حضرت اقدس کے علوم موہوبہ قرآنیہ کے حسن معنوی پر یہ شعر نقل کرتا ہے

مخدرات سرا پردہ ہائے قرآنی　　　چہ دلبرآند کہ دل مے برند پنہانی

بس یہ فرق ہے علوم میں اور لطائف میں۔ میں نے ایک مصری عالم کی کتاب تجیب المسلمین کا ترجمہ کرانا تجویز کیا ہے انتخاب کے وقت میں نے آدھی سے زیادہ وہ کتاب حذف کردی ہے کیونکہ اس حصہ میں علوم نہیں تھے بالکل زائد چیزیں تھیں۔ علوم علوم تو لے لئے اور جو زائد چیزیں تھیں ان کو حذف کردیا۔ خود بے چارے مصنف اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ جو زائد چیزیں ہیں ان کا نام انہوں نے اسرار رکھا ہے بات یہ ہے کہ نکات اور لطائف مزیدار ہوتے ہیں اور علوم پھیکے پھیکے ہوتے ہیں علوم کی مثال ایسی ہے جیسے محمود خان کا نسخہ کہ اس کو دیکھ کر نہ کسی کو وجد ہوتا ہے نہ کچھ مزہ آتا ہے اور نکات کی مثال ایسی ہے جیسے داغ کی غزل جس کو پڑھ کر سر ہلتا ہے گر شفاء اسی سے ہوتی ہے اس سے نہیں بلکہ اس سے تو اور مرض پیدا ہوتا ہے یہ نسبت ہے علوم میں اور لطائف میں۔ اکثر جن کو اسرار سمجھا جاتا ہے وہ محض لطیفے ہیں۔ میں تو رنگ کو دھوتا ہوں اور لوگ چڑھاتے ہیں۔ بلکہ میں تو چڑھائے ہوئے کو بھی دھوتا ہوں۔ میری اس تقریر کی قدر اہل علم کر سکتے ہیں کہ میں اس وقت کیا کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالی کے اسرار تو کیا سمجھتے بندوں کے اسرار بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً ”ہم نے دو شخصوں کو کھانا بھیجا ایک کو چار روٹیاں بھیجیں اور ایک کو آٹھ اور یہ بتایا نہیں کہ ایسا کیوں کیا اب لوگوں نے قیاسات کرنا شروع کئے کہ فلاں کو چار اس لئے بھیجیں ہیں کہ وہ کم محبوب ہے آٹھ والا بہت زیادہ محبوب ہے۔ حالانکہ ہمارے ذہن میں اور ہی مصلحت ہے جس کو کم روٹیاں بھیجی ہیں وہ زیادہ محبوب ہے ادھر اس لئے بھیجی ہیں کہ اس کے پیٹ میں درد نہ ہو جائے اور جس کو آٹھ بھیجی ہیں وہ کم محبوب ہے اچھا ہے اگر زیادہ کھاوے تو مرے سسرا۔ اور دیکھنے والوں نے الٹا سمجھا کہ غیر محبوب کو محبوب اور محبوب کو غیر محبوب سمجھ لیا۔ اسی طرح اللہ تعالی نے ایک کو کم مال دیا اور ایک کو زیادہ کم مال والا سمجھا کہ میری بے قدری کی اور زیادہ والا سمجھا کہ میرا اکرام کیا حالانکہ اللہ تعالی دونوں خیالوں کی تکذیب فرماتے ہیں ارشاد ہے۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا

ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ۔ پھر فرماتے ہیں کہ کلا ہرگز نہیں یعنی کلے پر ایک چپت لگا۔ (یہ تفسیر نہیں حاصل تفسیر ہے) جس کو دنیا کی نعمتیں زیادہ دی ہیں وہ کم محبوب ہے اور جس کو کم دی ہیں وہ زیادہ محبوب ہے۔ کم اس لئے دی ہیں کہ وہ ہمارا ہی ہو رہے۔ عارف نے یہ راز سمجھا جاہل نہ سمجھا اور شکایت کرنے لگا کہ خدا کے اسرار کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ان میں گفتگو کرنا گستاخی ہے۔ ایک مجذوب نے خوب کہا کہ کسی نے کسی واقعہ کے متعلق پوچھا کہ کب ہوگا بگڑ کر کہا میں کیا جانو۔ کیا میں اللہ میاں کا رشتہ دار ہوں یا سررشتہ دار ہوں۔ مجھے کیا خبر ایک بزرگ نے گھر کی حفاظت کے لئے ایک کتیا پال لی جب وہ بیائی تو ان بزرگ نے اس کے بچے ہونے کی خوشی میں تمام شہر کی دعوت کی۔ لوگ بزرگ کے بہت معتقد تھے حتی کہ بادشاہ بھی معتقد تھا۔ اس کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ سب نے شرکت کو فخر سمجھا۔ ایک بزرگ تھے جو کسی مسجد میں موذن تھے وہ صاحب نسبت تھے اور صاحب مقام تھے ان بزرگ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور آپس میں جو دوستانہ تھا ان کی دعوت نہیں کی۔ بعد دعوت کے انہوں نے کہا کہ مجھے بڑی شکایت ہے کہ اپنی اس تقریب میں آپ نے سب کو پوچھا مجھے نہ پوچھا یہ دوستانہ شکایت کی اور کہا کہ کیا میرے اوپر آپ کی عنایت کم ہو گئی۔ دیکھئے باوجود عارف ہونے کے اور ان بزرگ کے ہمراز ہونے کے ان کی بھی سمجھ میں اس تقریب میں نہ بلانے کا راز نہ آیا۔ جب انہوں نے شکایت کی کہ کیا عنایت کم ہو گئی تو وہ بزرگ بولے کہ توبہ توبہ کیا آپ کی شان میں ایسی گستاخی کرتا کہ کتیا کے بیانے میں آپ کو دعوت دیتا۔ کتیا کے بیانے میں میں نے دنیا کے کتوں کی دعوت کی جب میرا بیٹا ہوگا اس کی تقریب میں آپ کو دعوت دوں گا۔ کتیا کی تقریب میں تو کتوں ہی کو بلانا مناسب تھا لیجئے وہ عارف صاحب بھی نہیں سمجھے کہ اس نہ بلانے میں کیا راز ہے اب بتلایئے جب اللہ والوں کے اسرار سمجھ میں نہیں آتے تو اللہ کے اسرار کون سمجھ سکتا ہے۔ ان میں خوض کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ اتنی دیر سبحان اللہ کہتے تو قرب بڑھتا۔ ایک لاکھ اسرار پر مطلع ہونے سے بڑھ کر ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا ہے یہ احمق یوں سمجھتا ہے کہ میں محقق ہو گیا۔ صاحب اسرار ہو گیا ارے کاش تو سبحان اللہ میں مشغول ہوتا تو تیرے لئے زیادہ اچھا ہوتا۔ جب بندوں کے اسرار پر مطلع ہونا مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ کے

اسرار پر کوئی کیوں کر مطلع ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بھی اسرار دو قسم کے ہیں اسرار کونیہ اور اسرار ذاتُ صفات جب اسرار کونیہ بھی ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں جیسا کہ حضرت حافظ فرماتے ہیں۔

حدیث مطرب وے گو وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشو دو نکشاید بحکمت ایں معمی را

تو اسرار ذات و صفات تو کیا کسی کی سمجھ میں آسکتے ہیں جن کے بارے میں حضرت حافظ کہتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ رند ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے وہ بڑے محقق ہیں۔ فرماتے ہیں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ، کا نجا ہمیشہ باد بدست است دام را

سبحان اللہ ذات کی تشبیہ عنقا سے دینا بہت ہی موزوں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی کسی کو نظر نہیں آتی اور عنقا بھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ اور میں ایک اور بات کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی کنہ تو کیا معلوم ہوتی۔ ہمیں تو خود اپنی ہی کنہ معلوم نہیں۔

(۱۸۴) حضرت حکیم الامت کا حضرت پیرانی رحمۃ اللہ علیہا سے عجیب حسن سلوک

کسی خاص کار آمد چیز کے متعلق عرض کیا گیا کہ اگر منگالی جائے تو سہولت ہو فرمایا کہ مجھے اس سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں زیادہ چیزیں ہوں بہت تھوڑی چیزیں ہیں جن کا میں مالک ہوں۔ بس بدویانہ زندگی پسند ہے۔ سچ جانئے یہ جو ہاتھوں سے کھینچنے والی گاڑی نواب صاحب باغپت نے بھیج دی ہے اس میں گو بضرورت بیٹھتا ہوں مگر شرم آتی ہے کیونکہ ذرا تکلیف کی چیز ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ایک دیہاتی گاڑی بنوالوں یا کم از کم اس کے پہیے نکلوا کر سادہ قسم کے پہیے چھڑوادوں تاکہ لڑھو کی سی شکل کی ہو جائے لیکن گاڑی کا تخمینہ کرایا تو بہت لاگت بیٹھتی ہے اور پہیے اس سے اچھے آرام کے بن نہیں سکتے مجبور ہو گیا۔ نوٹ حضرت اقدس مد ظلہم العالی بوجہ ضعف پیری و درد زانو تا در دولت اسی گاڑی میں تشریف لے جاتے ہیں کیونکہ پیادہ اچھی طرح چلا نہیں جاتا بلکہ بوجہ سڑک کی ناہمواری کے کئی بار گر بھی پڑے لہٰذا مجبوراً اس گاڑی پر بیٹھ کر گھر تشریف لے جاتے ہیں۔

(۱۸۵) مفسدہ پرداز جماعت کی کمزوری کی دعا

ایک جوابی لفافہ پر گوند لگا ہوا نہ تھا اس کو حضرت اقدس نے الگ رکھ لیا کہ گوند لگا کر ڈاک خانہ جانے والے خطوط میں رکھوں گا۔ عرض کیا گیا کہ جو ملازم خطوط کو پانی لگا لگا کر بند کرتا ہے وہی گوند بھی لگاوے گا۔ فرمایا کہ میں کوئی الجھا ہوا کام نوکروں سے بھی نہیں لیتا یہی تو میرے اندر عیب ہے کہ اتنی رعایت کرتا ہوں کہ جس سے لوگ اور بھی بے پرواہی کرتے ہیں۔ نوکروں سے بھی جب کوئی کام لیتا ہوں تو اس کام کا زیادہ الجھا ہوا حصہ خود اپنے ذمہ رکھتا ہوں اور صرف سہل حصہ ان کے سپرد کرتا ہوں تاکہ ان کو کسی قسم کی الجھن یا دقت پیش نہ آئے جب میں ان کی راحت کا اس قدر خیال رکھتا ہوں تو مجھے کوئی ایذا پہنچاتا ہے سخت ناگواری ہوتی ہے اور حال ہی میں ایک صاحب نے حضرت اقدس کو انڈے کو نیم برشت کرنے کی ایک خاص ترکیب بتلائی جس میں زردی کو باریک کپڑے میں رکھ کر کھولتے ہوئے پانی میں روزانہ بمرات مختلفہ غوطے دینے پڑتے ہیں۔ جب کئی دن اس ترکیب کو بتلائے ہوئے ہو گئے تو استفسار کیا گیا کہ آیا انڈوں کو اس ترکیب سے کھانا ابھی شروع فرمایا گیا یا نہیں۔ فرمایا کہ میں ایک دم سے کوئی کام نہیں کرتا رفتہ رفتہ کرتا ہوں اور میرا طبعی امر ہے۔ پہلے گھر میں اس ترکیب کا ذکر کر دیا ہے۔ پھر ایک آدھ مرتبہ اس کا ذکر کر دوں گا۔ رفتہ رفتہ جب ان کو اس ذکر کا خوگر کر دوں گا تو پھر کسی دن فرمائش بھی کروں گا۔ ایک ساتھ ان پر بار نہیں ڈالنا چاہتا انگریزوں کے بارے میں بھی سنا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں بڑا انتظام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے بھی انتظام مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے۔ ہماری شریعت مقدسہ نے ہر چیز میں انتظام کی تعلیم دی ہے دینی کاموں ہی میں نہیں بلکہ دنیوی کاموں میں بھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے وہاں ان کو ارشاد ہے۔ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ یعنی زرہ کی کڑیاں انداز سے برابر برابر بناؤ دیکھئے زرہ بنانے میں بھی تناسب کے اہتمام کی تعلیم فرمائی حالانکہ اگر تناسب نہ بھی ہو تب بھی زرہ سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو سکتا تھا یعنی حفاظت۔

(۱۸۶) کشف کوئی حجت شرعی نہیں

ایک بڑے غیر مسلم مفسد کے قید ہو جانے پر ایک شخص نے اظہار مسرت کیا کہ اچھا ہے اب مفسدہ پردازی نہ کر سکے گا فرمایا کہ مسرت نہیں چاہیے کیا خبر کس کے لئے کیا مقدر ہے

اپنے ہی بارے میں کسی کو کیا اطمینان ہے کہ اس کے لئے کیا ہونے والا ہے۔ ہاں مفسدہ پرداز جماعت کی کمزوری کی دعا عام کی جاوے کسی خاص شخص کی مصیبت پر بجائے خوشی کے اس کی اصلاح کی دعا کی جاوے پھر فرمایا کہ مفسد کی حرکتوں پر تو غصہ آتا ہے لیکن جب اس کی حرکتوں کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو دل فورا" پگھل جاتا ہے۔ مشرقی کی حرکتوں پر سخت غصہ تھا لیکن جب اس کو قید ہو گئی تو رحم آیا کہ کیوں ایسی حرکتیں کیں جو قید ہوا۔

(۱۸۷) حضرت حکیم الامت کا سبب استغناء

یہاں ایک شیعی تھانہ دار تھے ان کا ایک لڑکا تھا وہ درویشوں کا بہت معتقد تھا وہ کہتا تھا کہ میں ایک مرتبہ دہلی کے چاندنی چوک میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوب نظر پڑے جو برہنہ سر اور برہنہ پا تھے میں نے ان کو دیکھتے ہی دل میں یہ ارادہ کیا کہ بازار سے خرید کر ان کو جوتا اور ٹوپی پہناؤں گا یہ خیال دل میں آتا تھا کہ ان مجذوب نے بہت ڈانٹ کر یہ شعر پڑھا۔

پابرہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولیٰ ترک ترک

اس شعر کی تاویل اہل طریق جانتے ہیں پھر اس شیعی لڑکے نے تھانہ بھون کے لئے دعا کرائی کہتا تھا خدا جانے سچ یا جھوٹ کہ اس مجذوب نے کہا کہ تھانہ بھون کے لئے دعا کراتا ہے ارے وہ قصبہ تو اس قابل ہے کہ غرق کر دیا جائے مگر دو شخصوں کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔ ایک مردہ کی وجہ سے اور ایک زندہ کی وجہ سے مردہ تو شاہ ولایت صاحب کو بتایا کہ وہ قبر میں مچل رہا ہے غرق نہیں ہونے دیتا زندوں میں میرا نام لیا مگر ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو کشف کوئی حجت شرعی نہیں بڑی چیز تو شریعت ہے۔ اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

(۱۸۸) بعض تواضع بھی کبر ہے

غالبا" کسی کے رد ہدیہ کا ذکر تھا فرمایا کہ میں جب کسی کا ہدیہ بضرورت بھی واپس کرتا ہوں تو مارے ڈر کے کانپتا ہوں کہ کہیں اعراض از نعمت نہ ہو اور ادھر کی طرف سے عطایا بالکل ہی بند نہ ہو جاویں۔ بہت چاہتا ہوں کہ کسی کی دل شکنی نہ کروں لیکن کیا کروں غلو بہت ہو گیا ہے ذرا ڈھیلا پن کیا جائے تو جہل پکا ہو جاتا ہے اگر جہل ہو گا تو خود ذمہ دار ہوں گے میں تو سبب نہ بنوں گا۔ ایک صاحب نے میرا مطبوعہ اعلان دیکھ کر جس میں یہ لکھا ہے کہ بوجہ ضعف میں

خدمت تربیت و افتلو وغیرہ سے معذور ہوں دس روپے بھیجے کہ ضعف بہت ہوگیا ہے یہ روپے غذا و دوا میں صرف کئے جاویں تاکہ ضعف رفع ہو مجھے غیرت آئی گویا میں نے معذوری اس لئے ظاہر کی کہ لوگ روپے دیں اس لئے میں نے منی آرڈر واپس کردیا علاوہ غیرت کے یہ بھی خیال ہوا کہ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ نہ جانے کتنا ضعف ہوگیا اور دراصل اتنا نہ ہو تو اس مصرف میں جو بنا ہدیہ کے خلاف ہو صرف کرنا جائز کہاں تھا اور کیا میں ان کے دس روپے میں بالکل اچھا ہو جاتا۔ میں نے اللہ پر توکل کر کے واپس کردیا اور اس استغناء کی یہ بھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس لئے اینٹھ مروڑ نبھ رہی ہے ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو کیا عجیب ہے کہ نفس تاویلیں کرلیتا۔ اس کا سبب تقوی نہیں ہے کیونکہ میں جائز ناجائز کی تحقیق میں زیادہ کاوش نہیں کرتا۔ ہاں غیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دین ہے میں اس کا کیوں انکار کروں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہدیہ میں شرائط کیسی نفع ہو رہا ہے مال مل رہا ہے لوٹا ناکیسا۔ بس یہ سمجھتے ہیں کہ پیسہ دیکھ کر سب قواعد ختم ہو جائیں گے ملانوں کو سمجھتے ہیں کہ کوئی حق ہی نہیں قواعد مقرر کرنے کا۔

(۱۸۹) شریعت کے قوانین اٹل ہیں

کسی سلسلہ میں فرمایا بعضی تواضع بھی تکبر ہے۔ بعض اوقات تواضع اس لئے اختیار کی جاتی ہے کہ ہمیں لوگ متواضع سمجھیں یہ تکبر ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو متواضع سمجھنا بھی تکبر ہے چمار کو کبھی یہ خیال تک نہیں آتا کہ میں اپنے کو چمار سمجھتا ہوں۔

(۱۹۰) بزرگوں کی برکت

بہ سلسلہ گفتگو فرمایا کہ شریعت مقدسہ کے قوانین میں حقائق اور مصالح واقعیہ مرعی ہوتے ہیں اور باقی جتنے قوانین ہیں وہ سب اغراض کے تابع ہیں۔ شریعت کے قوانین اٹل ہیں۔ اور اکثر ان کا نفع جب معلوم ہوتا ہے جب ان پر عمل کیا جاوے۔ چنانچہ حضور ﷺ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تین اہم امور پیش تھے۔ ایک تو مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کرنے کے متعلق اختلاف رائے تھا دوسرے مرتدین کے خلاف لشکر بھیجنا تھا جو مسیلمہ کذاب سے جا ملے تھے تیسرے جیش اسامہ کی روانگی کا مسئلہ درپیش تھا جس کے جھنڈے کو خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا مگر قبل روانگی حضورؐ مرض وفات میں علیل ہو گئے اور وہ لشکر بھی اس پریشانی میں نہ روانہ ہو سکا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے جواز ہی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کلام تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قطعی رائے تھی کہ ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ وہ تاویل کے ساتھ ایک رکن اسلام کے منکر تھے (کیونکہ ضروریات دین میں تاویل دافع کفر نہیں) چنانچہ حضرت نے نہایت شدومد کے ساتھ فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں نکالتا تھا اور اب دینے سے انکار کرتا ہے تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا چاہے کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اجبار فی الجاہلیۃ خوار فی الاسلام تم جاہلیت میں ایسے مضبوط تھے اسلام میں آکر ایسے بودے ہو گئے یہ تقریر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے متعلق بالکل شرح صدر ہو گیا۔ نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ بھی رائے تھی کہ جیش اسامہ کو ابھی نہ روانہ کیا جائے کیونکہ اندرون ملک میں جو گڑبڑ ہے پہلے اس کو رفع کیا جائے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس جھنڈے کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے میں اس کو کسی حال میں نہیں کھول سکتا میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔ چاہے مدینہ کے اندر کتنا ہی فتنہ و فساد کیوں نہ برپا ہو جائے حتی کہ میں اس کی بھی پرواہ نہیں کروں گا کہ فتنہ و فساد کی وجہ سے خدا نخواستہ مقدس بیبیوں کی ٹانگیں پکڑ کر کتے مدینے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں۔ چنانچہ یہ ہی کیا اور تینوں کام ایک ساتھ شروع کر دیئے۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی کاروائی بھی شروع کر دی۔ مرتدین کے مقابلہ میں بھی لشکر کشی کر دی اور جیش اسامہ کو بھی روانہ کر دیا۔ اس سے تمام کفار پر رعب طاری ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اندرونی کوئی بڑی زبردست قوت ہے کہ تین تین جگہ لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔ دیکھئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شریعت مقدسہ پر بلا لحاظ دیگر مصالح کے عمل فرمایا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سب کفار مرعوب اور مغلوب ہو گئے جس کا پہلے سے کسی کو علم نہ تھا مسلمانوں کی دھاک تمام بلاد و امصار میں بیٹھ گئی۔ غرض اکثر شریعت مقدسہ کے مصالح اس پر عمل کرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۹۱) صرف مرید ہونا کافی نہیں

ایک نو وارد طالب نے غایت ادب کی بناء پر بہت دھیمی آواز سے اپنا تعارف کرایا۔ جو حضرت کی سمجھ میں بالکل نہ آیا چونکہ آتے ہی طبیعت کو مکدر کر دیا اس لئے فرمایا کہ جائیے مسجد میں بیٹھیے۔ جب آدمیت آجائے اس وقت پھر جو کچھ کہنا ہو آکر کہئے۔ بعد کو فرمایا کہ خدا ناس کرے اس عجمی تکلف کا بات یہ ہے کہ لوگ مجھ کو بزرگ سمجھ کر آتے ہیں اور میں بہ آواز دہل کہتا ہوں کہ میں بزرگ نہیں ہوں میں مشائخ کا سا ادب نہیں چاہتا میں تو ایک طالب علم ہوں جو معاملہ ایک طالب علم کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ میرے ساتھ کیا جائے۔ جو بزرگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اس کا میں متحمل نہیں اور یہاں تک فرمایا تھا کہ ایک صاحب جو اس سے قبل بخاری شریف کے سند لینے کی بلا ضرورت اور باوجود مشاہدہ ہجوم اشغال و کسل وتعب درخواست کر چکے تھے (اور جن کو حضرت نے ڈانٹ دیا تھا کہ یہ کیا پیروں کی سی رسمیں یہاں برتنے لگے۔ مجھے فرصت دھری ہے ایسی غیر ضروری باتوں کی اس کا منشا سوائے کید نفس کے کہ دیکھیے ہم بڑے محدث ہیں فلاں فلاں سے ہم کو سند حاصل ہے اور کیا ہے وہ صاحب) بغرض معذرت حاضر ہوئے اور حضرت کے اس استفسار پر کہ سچ سچ بتلایئے اس درخواست کا اصل منشا کیا ہے۔ اپنے کید نفس کا اقرار کیا۔ پھر دیر تک ایسی حالت میں سند حاصل کرنے کے فضول ہونے کے متعلق تقریر فرماتے رہے یہ بھی فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں کتاب آتی ہے یا نہیں آتی اگر کتاب آتی ہوگی تو سند کی ضرورت ہی کیا ہے طالب علم خود سمجھ لیں گے کہ کتاب آتی ہے اور اگر کتاب نہ آتی ہوگی تو کیا محض سند دکھانے سے طالب علموں کی تسلی ہو جائے گی کیا یہ کہنا کافی ہو جائے گا کہ مجھے اس مقام کا مطلب سمجھانا آیا نہیں مگر میں سند لا کر دکھلا دوں گا میرے پاس سند موجود ہے۔ بس یہ سب رسوم ہیں اور کچھ نہیں۔ ان رسوم نے ناس کیا ہے۔ ایسے ہی مشائخ کے یہاں بس رسوم ہی رسوم رہ گئی ہیں۔ دوکانداری ہو گئی ہے ہم نے بھی حدیث پڑھی ہے مگر ہمیں تو کبھی اس کی فکر نہ ہوئی کہ کسی سے سند حاصل کریں۔ جب ہم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے تو اسی زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی حدیث کا دورہ شروع ہو گیا اور طالب یہاں سے ٹوٹ ٹوٹ کر وہاں جانے لگے۔ مگر مجھے الحمد للہ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں آیا کہ وہاں چلا جاؤں حالانکہ میرا

یہ اعتقاد تھا اور اب بھی ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علم و فضل میں بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن باوجود اس کے جب کسی نے مجھ سے چلنے کے لئے کہا تو میں نے یہی جواب دے دیا کہ جس دن مولانا فرمادیں گے کہ مجھے اب حدیث پڑھانا نہیں آتا اس وقت کسی دوسرے کو ڈھونڈوں گا باقی میں کامل بننا نہیں چاہتا ناقص ہی سہی۔ بلا ضرورت مولانا کو نہ چھوڑوں گا ورنہ جناب رسم کا مقتضا تو یہ تھا کہ میں بھی حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں حدیث پڑھنے چلا جاتا کیونکہ وہ بڑی جگہ تھی اور عام دستور یہی ہے کہ۔

خاک از تودہ کلاں بردار

تو دیکھئے جناب ہم نے بڑے مدرسہ کو چھوڑ کر چھوٹے مدرس سے پڑھا اور سند ان سے بھی نہیں لی بلکہ جب سند فراغ و دستار بندی کا وقت ہوا تو ہم لوگ یعنی جن جن کی جلسہ میں دستار بندی ہونی تجویز ہوئی تھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے یہ سنا ہے کہ جلسہ میں ہماری دستار بندی کی جائے گی۔ اگر یہ حکم ہے تب تو ہمیں انکار نہیں اور اگر ہمارے اختیار کو بھی اس میں کچھ دخل ہے۔ تو ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ اسے موقوف فرمادیا جائے۔ اس واسطے کہ ہمیں کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں مدرسہ کی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کی دستار بندی کی گئی۔ تو لیجئے ہم سند کے لئے تو کیا کہتے کہا تو یہ کہا۔ سند کی درخواست تو کیا کرتے۔ ملتی ہوئی سند کو بلکہ ملتی ہوئی دستار کو بھی اپنی طرف سے روک دیا اور یہ نہیں کہ تکلف سے بلکہ سچے دل سے اور اس وقت تو اپنے آپ کو کسی قابل کیا سمجھتے الحمد للہ اب تک یہی اعتقاد ہے آپ چاہے حلف لے لیجئے کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ اور یہ تمنا ہے کہ خدا کرے عمر بھر یہی اعتقاد رہے بلکہ بڑھے کہ ہمیں کچھ نہیں آتا ہم تو اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ خیر علم کا تو علم نہ ہوا تو بڑی چیز ہے۔ اپنے جہل کا تو علم ہو گیا۔ جب ہم لوگوں نے یہ عرض کیا تو مولانا کو جوش آیا فرمایا کون کہتا ہے کہ لیاقت نہیں اس کو تم جانو یا ہم جانیں اپنے اساتذہ کے سامنے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور تم لوگوں کو یہی سمجھنا چاہیے ورنہ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہوگے میدان خالی ہے میدان خالی ہے یہ فقرہ کہ میدان خالی ہے کئی بار فرمایا۔ اب ڈر کے مارے بولے نہیں کہ کہیں مولانا خفا نہ ہو جائیں۔ ہم لوگ مولانا سے ڈرتے بہت تھے پھر مولانا نے یہ تماشا کیا کہ عین جلسہ میں فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو

قرآن حدیث فقہ فلسفہ منطق وغیرہ اتنے فنون میں فارغ کر دیا ہے اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ان فنوں میں صاحب کمال ہو گئے ہیں اگر کسی کو ان کے فضل و کمال میں شک ہو تو وہ جس فن میں چاہے اسی جلسہ میں ان کا امتحان لے لے۔ لو صاحب ہم تو دستار بندی ہی کرنے سے ڈر رہے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی درخواست کی تھی یہاں مولانا نے علی الاعلان بر سر جلسہ فرما دیا کہ جو چاہے اسی وقت ان کا امتحان لے لے مگر صاحب ان حضرات کی ہیئت ایسی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو ہم سے کوئی سوال کرتا اور محض اہلیت ہی نہیں بلکہ سب کو یقین تھا کہ جیسا مولانا فرما رہے ہیں ویسے ہی ہوں گے۔ کسی نے امتحان کی در حقیقت کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اور اس موقع پر بھی ہمیں کوئی سند نہیں دی گئی۔ بس یہ دستار ہی سند تھی۔ اس کے بعد جب پڑھانے کا وقت آیا تو اول ہی میر زاہد امور عامہ کا سبق میرے ذمہ ہوا۔ دوپہر کو مطالعہ جو کیا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا دعا کی اے اللہ یہاں استاد تو موجود نہیں اگر یہ مقام حل نہ ہوا تو پڑھاتے وقت بڑی ذلت ہوگی۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر جو مطالعہ کرنے بیٹھا ہوں تو کتاب بس پانی تھی۔ پھر تو خدا کے فضل سے ایسی طبیعت کھلی کہ اس زمانہ میں کانپور میں بڑے بڑے فضلاء موجود تھے اور کئی مدرسے تھے اور بعض طلباء مشترک بھی تھے کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ اس کو کچھ آتا نہیں۔ ہاں یہ رکاوٹ تو کچھ دن رہی کہ طلبہ یہ کہتے تھے کہ یہ بہت کم عمر ہے اس سے پڑھنے میں عار معلوم ہوتی ہے بس سات آٹھ طالب علموں کو لے کر بیٹھا رہتا تھا کوئی کم عمر سمجھ کر پڑھتا ہی نہ تھا۔ پھر جو داڑھی بڑھی ہوئی طالب علموں کی تعداد بھی بڑھنے لگی بس پھر طالب علم خوب آنے لگے۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دعاء سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ ایک شیعی مجتہد نے ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ مناظرہ کر لو میں نے لکھا بھیجا کہ آجاؤ حالانکہ یہ لوگ اپنے یہاں کی کتابیں بھی اور ہمارے یہاں کی کتابیں بھی دیکھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ مناظرہ کے موقع پیش آتے رہتے ہیں نیز ویسے بھی انہیں بحث مباحثوں میں دلچسپی ہوتی ہے مجھے نہ کبھی شیعوں سے مناظرہ کا اتفاق ہوا تھا نہ کبھی ان کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہوا۔ مگر چونکہ اس نے خود مناظرہ کے لئے کہلا بھیجا تھا اگر اس دعوت مناظرہ کو قبول نہ کرتا تو بڑی ذلت تھی۔ تو کلا" علی اللہ کہلا بھیجا کہ آجاؤ۔ مگر ڈرتا رہا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے خدا تعالیٰ عزت رکھ لے۔ اسی تردد میں تھا کہ رات

کو خواب میں دیکھا کہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بخاری شریف کا درس دے رہا ہوں بخاری کا نسخہ ایک مولانا کے سامنے ہے ایک میرے سامنے ہے اور مولانا نے رومال بچھا رکھا ہے اور کنگھا کر رہے ہیں۔ درس کے وقت بھی مولانا کا یہی معمول تھا کہ کنگھا فرماتے رہتے تھے اور سامنے رومال بچھا لیتے تھے تاکہ جو بال گریں رومال پر گریں فرماتے تھے کہ کنگھے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور دماغ کے بخارات نکل جاتے ہیں۔ غرض میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں اور میری تقریر مولانا فرماتے جاتے ہیں کہ ٹھیک ہے پھر تو میرے دل میں اتنی قوت ہو گئی کہ چاہے مجتہد کا دادا بھی آجائے میں اس پر غالب آجاؤں گا۔ حضرت اس خواب کی ایسی برکت ہوئی کہ اس شیعی مجتہد کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ مناظرہ کے لئے میرے پاس آتا ہاں چند روز بعد آیا تو نیاز مندانہ اور معتقدانہ آیا بس پھر اس نے معمول مقرر کر لیا کہ کبھی کبھی ملاقات کے لئے آتا لیکن مناظرہ کی کبھی ہمت نہ ہوئی کانپور میں بڑے بڑے رئیس شیعی سنی سب کے قلب میں خدا تعالیٰ نے ایسی بات ڈال دی تھی کہ سب نیاز مندانہ اور معتقدانہ آتے تھے یہ سب بزرگوں کی برکت تھی ورنہ لیاقت جس کا نام ہے اس وقت تو کیا اتنی عمر گزر گئی اب تک بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی پردہ پوشی فرمائی اور اب آسان عذر ہے کہ بڑھاپے سے مجھے قوت نہیں دوسری جگہ سے دریافت کر لو۔ تو حضرت وہ زمانہ تو ایسا تھا۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے تھے کہ بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا سے عرض کروں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجئے لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کے تو جاتا ہے۔ لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے۔ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں مجھے بھی سند دے دیجئے مگر پھر خیال ہوا کہ اگر مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے تو سند لیتا ہے تو کیا جواب دوں گا اس لئے کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہیں ہوئی حالانکہ حضرت مولانا دیوبندی ہندوستان میں حدیث کے اندر بے نظیر تھے۔ تو جناب ہم نے تو وہ وقت دیکھا ہے اب یہ ہے کہ درخواستیں کرتے ہیں کہ ہمیں سند دے دو۔ جس نے وہ زمانہ دیکھا ہو اس کو بھلا ایسی باتوں کا کیوں کر تحمل ہو۔ شمرو ایک فرانسیسی تھا اس کی ایک بیگم تھی جس کا امراء میں بڑا درجہ تھا یہاں تک کہ اس کے پاس مثل والیان ملک کے فوج

بھی تھی۔ میرٹھ میں جو بیگم کا پل مشہور ہے وہ بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے۔ اب کے اس کی ایک کوٹھی بھی دیکھی تھی جو فرانسیسی وضع پر بنی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ملازموں کی بڑی قدر دان تھی وہ کہا کرتی تھی کہ میں تمہیں ایسا کر کے چھوڑوں گی کہ تم کہیں کے نہ رہو گے۔ تمہیں کوئی بھیک بھی نہیں دے گا وہ کہتے کہ حضور اتنی عنایت کرتی ہیں اور حضور کے یہاں کے ہم تعلیم یافتہ ہیں تو ہمیں ملازمت کی کیا کمی وہ کہتی کہ دیکھ لینا چنانچہ یہ دیکھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ملازم کسی اور کی ملازمت کر نہ سکے نہ ویسا کوئی قدر دان ملا نہ وہ نوکری کر سکے۔ اس کے مرنے کے بعد وہ لوگ واقعی بھو کے ہی مرے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی اسی طرح ہمیں نکما کر دیا۔ اب کوئی پسند نہیں آتا۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے تم بھی بدل جاؤ۔ بھائی ہم سے تو اب بدلا جاتا نہیں۔ تمہیں اختیار ہے کسی نے کہا ہے زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ زمانہ بدل گیا ہے تو بھی بدل جا۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں ؂ زمانہ باتو نسازد تو باز مانہ مساز اور زمانہ کیا بدلتا اگر در حقیقت دیکھا جائے تو زمانہ ہمارا تابع ہے۔ ہمیں تو زمانہ کو بدلتے ہیں۔ زمانہ بے چارہ ہمیں کیا بدلے گا جب ہم اپنے آپ کو بدل دیتے ہیں تب ہی زمانہ بدلتا ہے۔ زمانہ ہم سے علیحدہ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے۔ تو جب زمانہ کو ہم خود بدل سکتے ہیں تو ہم اس کو محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں یہ اکبر حسین جج کا نکتہ ہے بڑی اچھی بات ہے کہتے تھے کہ لوگ زمانہ کی برائی کرتے ہیں کہ بھائی کیا کریں زمانہ ہی بدل گیا ہے حالانکہ یہ زمانہ کیا آپ سے آپ بدل جاتا ہے۔ ارے تم خود بدلے ہو زمانہ کیا بدلا ہے جب تم سب بدل گئے تو یہی زمانہ کا بدلنا ہو گیا۔ زمانہ کوئی مستقل چیز تھوڑا ہی ہے زمانہ تو خود ہو۔ واقعی سچ کہا ہے زمانہ کی حقیقت تو خود ہمیں ہیں۔ ہم اگر نہ بدلیں تو زمانہ بھی نہ بدلے۔ کیا اچھی بات کہی بڑا حکیمانہ دماغ تھا۔

(۱۹۲) سلطنت کے لئے ہیبت ضروری ہے

ایک صاحب نے خط میں حزب البحر کی اجازت طلب کی۔ حضرت اقدس نے حسب معمول اس کی غایت دریافت فرمائی اور حاضرین مجلس سے زبانی فرمایا کہ مشائخ کے یہاں یہ بھی ایک سلسلہ ہے معتقدین کے بڑھانے کا۔ کوئی آرہا ہے، کوئی جا رہا ہے۔ میں بعضوں سے غایت پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا کے واسطے۔ میں کہتا ہوں کہ جب حزب البحر تصنیف نہ ہوئی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کا کیا طریق تھا، وہی طریق تم بھی اختیار کرو، نیز حزب البحر کے جامع کو جو درجہ حاصل ہوا کہ آج ان کی تصنیف کو لوگ قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ خود ان کا ہے

سے حاصل ہوا تھا۔ بجز مجوب ندارد۔ سوائے خفگی کے کہ بزرگوں کا ایک معمول چلا آرہا ہے تم اس کے منکر ہو۔ مجھے ایسوں پر غصہ بھی نہیں آتا۔ سمجھتا ہوں کہ معذور ہیں بے چارے۔ دوسروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ غصہ تو کیا آتا بلکہ رحم آتا ہے۔ بقول شخصے

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

کسی نے میرے ایک وعظ میں دیکھا تھا کہ لوگ بزرگوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ کچھ سینہ میں سے عطا کیجئے میں کہتا ہوں کہ سینہ میں کیا رکھا ہے سوائے بلغم کے۔ اس پر انہوں نے بڑا خفگی کا خط لکھا کہ تم نے اس طریق کی توہین کی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تو فرماتے ہیں۔ از سینہ درویشاں بباید جست۔ تم درویشوں کے معتقد نہیں اور لطف یہ کہ جن صاحب نے لکھا تھا وہ حضرت مولانا گنگوہی کے مرید بھی تھے دیکھئے مرید ہو کر بھی جہل نہ گیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ نرا مرید ہونا کافی نہیں صحبت کی ضرورت ہے اور جو نری صحبت ہو مرید نہ ہو وہ کافی ہے۔ میں ان کا خط پڑھ کر ہنسنے لگا کہ انہیں یہ ہی خبر نہیں کہ میں نے یہ کسے کہا ہے ارے اسے کہا ہے جو خود تو کچھ نہ کرے اور سینہ ہی سے ڈھونڈتا پھرے اسے تو واقعی سینہ سے سوائے بلغم کے کچھ نہ ملے گا اور زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہیں۔ البتہ جو خود کام کرتا ہوا سے حق ہے کہ یہ فرمائش کرے کہ کچھ سینہ سے بھی عطا فرمادیجئے اس کو واقعی بزرگوں کے سینے سے فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ لوگ سمجھتے تو کچھ ہیں نہیں اور جھٹ اعتراض کر دیتے ہیں۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ایسی ہی باتوں سے تو کوئی شخص مجھے پورا پورا اپنا موافق نہیں سمجھتا نہ پورا پورا مخالف سمجھتا۔

ہر کسے از ظن خود شدیار من وز درون من نجست اسرار من

اس لئے ایک معترض مولوی صاحب نے تو کہہ دیا کہ وہاں کا تو دربار ہی نرالا ہے وہاں کی کیا پوچھتے ہو ارے میرا دربار تو کیا نرالا ہے۔ تمہیں نرالے ہو گئے ہو۔ اسی لئے تمہیں نرالا معلوم ہوتا ہے۔ تم نے نئی نئی باتیں ایجاد کرلیں ہیں۔ الحمد للہ یہاں تو وہی طریقہ ہے جو تیرہ سو برس پہلے تھا۔

(۱۹۳) حضرت حکیم الامت کی تواضع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اعتقاد تو سب کے ساتھ نیک رکھے لیکن معاملہ سب کے ساتھ احتیاط کا رکھے۔ اعتقاد میں بد گمان نہ ہو معاملہ میں بد گمان ہو مثلاً بلا اطمینان کامل کے قرض نہ دے محرم راز نہ بنائے کہ کوئی خدمت سپرد نہ کرے۔ معاملہ تو ایسا کرے باقی اعتقاد یہی رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے جیسے گلستان میں حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی　　پار سا دان و نیک مرد انگار

ورنہ بخشد خدائے بخشندہ　　محتسب را درون خانہ چہ کار

یہ تو اعتقاد کے متعلق فرمایا ہے اور معاملہ کے بارے میں بوستان میں فرماتے ہیں۔

نگہ دار دآں شوخ درکیسہ در　　کہ داند ہمہ خلق راکیسہ بر

مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی نے انہیں دونوں قولوں کے متعلق اشکال کیا تھا کہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہی جواب دیا تھا کہ گلستان کا شعر تو اعتقاد کے متعلق ہے اور بوستان کا معاملہ کے متعلق ہے۔ انہوں نے اس تحقیق کو بہت پسند کیا اور یہ جو قول مشہور ہے۔ الحزم سوء الظن وہ بھی معاملہ کے متعلق ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسے کرے جیسے کوئی بد گمان معاملہ کرتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی بد گمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں تو نیک گمان رکھے لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے۔ گو بعض صوفیوں نے اس قول کے یہ معنی لگائے ہیں کہ الحزم سوء الظن اے یعنی احتیاط یہ ہے کہ اپنے ساتھ سوء ظن رکھے۔ لیکن در حقیقت یہاں سوء ظن سے مراد سوء ظن بنفسہ نہیں ہے بلکہ سوء ظن بغیرہ ہے اور اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے ابھی بیان کی۔

(۱۹۴) ہم لوگوں کا معصیت سے بچنا ہی بڑی دولت ہے

ایک دیہاتی طالب نے عرض کیا کہ خواب میں آپ نے سورہ بقرہ آخری آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی کیا میں پڑھا کروں۔ فرمایا کہ جب پھر کبھی خواب میں نظر آؤں تب خواب ہی میں یہ پوچھ لینا اور یہ فرمایا کرکے مجلس سے اٹھا دیا کہ ایسی فضول باتیں یہاں نہ لایا کرو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو حاضر کیا اور کہا کہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ اس نے خواب میں میری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے اس پر حد جاری کی جائے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ بڑے عاقل تھے سوچا کہ یہ جاہل ہے یوں اس کی تسلی نہ ہوگی فرمایا کہ اچھا اس کو دھوپ میں کھڑا کرو اور اس کے سایہ پر سو درے مار دو۔ چونکہ خواب میں اس نے خود تو یہ حرکت کی نہیں اس کے وجود ظلی نے کی ہے تو وہی سزا کا مستوجب ہے نہ کہ اس کا وجود اصلی۔ اسی سلسلہ میں یا کسی اور سلسلہ میں یہ واقعہ بھی فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کافر اپنے کافر باپ اور دادا کی دو کھوپڑیاں قبر سے اکھاڑ کر لایا اور کہا کہ دیکھئے یہ بالکل ٹھنڈی ہیں اگر دوزخ کا عذاب ان پر ہوتا تو یہ گرم ہوتیں۔ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی تکلف یا تصنع نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بجائے خود جواب دینے کے حضرات علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا کہ وہ اس کا جواب دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ایک چقماق کا ٹکڑا منگوا کر اس شخص کے ہاتھ میں رکھا اور کہا دیکھو یہ بالکل ٹھنڈا ہے پھر اس سے فرمایا کہ اس پر ایک پتھر سے چوٹ لگاؤ جب اس نے ایسا کیا تو چقماق سے چنگاری پیدا ہوئی فرمایا کہ دیکھو اس کے اندر آگ موجود ہے لیکن اوپر سے یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اسی طرح یہ کیا ممکن نہیں کہ ان کھوپڑیوں میں دراصل آگ کا اثر ہو گو ہمیں اوپر سے ٹھنڈی معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مع چند ہمراہیوں کے تشریف لے جا رہے تھے ظاہر ہے کہ ہمراہی بڑے بڑے حضرات ہی ہونگے یعنی صحابی یا تابعی چلتے چلتے کسی ضرورت سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جتنے ہمراہی تھے وہ سب مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر گئے۔ اس پر بجائے اپنے رعب پر خوش ہونے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے اس نیت سے ان کو نہیں دیکھا تھا اور اے اللہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جتنا یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ میں آپ سے ڈرتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں یا کسی اور سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق یہ قول بھی نقل فرمایا کہ خلافت کے سب اوصاف موجود ہیں لیکن چونکہ طبیعت میں مزاح زیادہ ہے اس لئے ہیبت کی کمی ہے جو سلطنت کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ بہت کام تو ہیبت ہی سے نکل جاتے ہیں اور انتظام میں اس سے بہت سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ خلافت کے زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لوگوں پر زیادہ رعب نہ تھا اور جن خاص لوگوں کے سپرد انتظام تھا وہ

دبتے نہ تھے اسی وجہ سے آپ کے وقت میں گڑ بڑ ہوئی بہت کام حاکم کی ہیبت سے نکلتے ہیں حضرت رضی اللہ عنہ کے تو نام سے لوگوں کی روح فنا ہوتی تھی۔

(۱۹۵) ایک بزرگ کی صاحبزادی پر اپنے والد کا اثر

ایک طالب نے حاضر ہو کر ایک سال کے قیام خانقاہ کی اجازت طلب کی اور حسب معمول عرض کیا کہ اس دوران میں مخاطبت اور مکاتبت نہ کرنے کی شرط بھی بجالاؤں گا حضرت اقدس نے استفسار فرمایا کہ عدم مخاطبت و مکاتبت کی صورت میں قیام سے کیا فائدہ ہو گا۔ اس کے جواب میں انہوں نے تامل کیا تھوڑی دیر انتظار کر کے حضرت نے ان کو یہ فرما کر اٹھا دیا کہ جب تک اس کا معقول جواب نہ دو گے میں قیام کی اجازت نہ دوں گا۔ یہ صاحب مدرسہ دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر حاضر ہوئے تھے قبل واپسی وطن ایک سال خانقاہ میں قیام کرنے کے قصد سے آئے تھے جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت اقدس نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ان کو میں نہیں کہتا کہ ان کی نیت اچھی نہیں لیکن بعضوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہاں ایک سال قیام کیا اور پھر اپنے ملک پہنچ کر یہ فخر کیا کہ ہم ایک سال خانقاہ میں بھی رہ آئے ہیں جب سے مجھے ایسے موقعوں پر بہت شبہات ہونے لگے کہ یہاں سے واپس وطن ہو کر کہیں پیری مریدی کا جال نہ پھیلانا شروع کر دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو تھوڑی مدت تک بلا مخاطبت و مکاتبت قیام کرنے کی اجازت چاہتے ہیں ان کو تو میں اجازت دے دیتا ہوں لیکن اتنی طویل مدت تک بے کار پڑے رہنے کی میں کیونکر اجازت دے سکتا ہوں۔ انہیں طالب نے دوبارہ آکر قیام خانقاہ کا یہ فائدہ بیان کیا کہ مناسبت پیدا ہو جائے گی اور یہ واقعہ بھی عرض کیا کہ میری اصلاح کا تعلق پہلے حضرت کے فلاں صاحب اجازت سے تھا۔ اب فلاں صاحب اجازت سے ہے' انہیں سے اس دوران قیام میں اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرتا رہوں گا اور کام کرتا رہوں گا بے کار نہ رہوں گا اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ مناسبت اس کے ساتھ پیدا کرنا ضروری ہے جس سے اصلاح کا تعلق ہے نہ کہ مجھ سے یہ سن کر وہ صاحب پھر خاموش ہو گئے جواب کا تھوڑی دیر انتظار کر کے پھر ان کو مجلس سے اٹھا دیا اور فرمایا کہ جب تک قیام کا کوئی معقول فائدہ نہ بتاؤ گے میں قیام کی اجازت نہ دوں گا۔ جاؤ پہلے اس کا معقول جواب لاؤ۔ ان کے چلے جانے کے بعد کسی نے عرض کیا کہ اگر یہاں کے قیام کا مقصود

مناسبت بالطریق بتاتے تو غالباً" معقول جواب ہوتا۔ اس پر فرمایا کہ جائیے آپ یہ جواب سکھلا دیجئے پھر دیکھئے کہ اس پر بھی میں کیا سوال کرتا ہوں پھر فرمایا جی صاحب بات یہ ہے کہ میری غرض ان سب احتیاطوں سے حفاظت دین ہے۔ اگر میں دیکھتا ہوں کہ کسی بات کا بعید واسطوں سے بھی امت کے دین پر برا اثر پڑتا ہے تو میں اس کی روک تھام کرتا ہوں۔ اب اس کو چاہیے کوئی سختی کہے یا نرمی۔ میں فخر سے نہیں کہتا۔ جہاں نرمی ہو رہی ہے وہاں کے لوگوں کو بھی دیکھ لیجئے اور ہمارے یہاں کے لوگوں کو بھی دیکھ لیجئے۔ کوٹ پیٹ کے ٹھیک بنا دیا الحمد للہ ایک شخص تو کپڑے کو پیٹ پیٹ کر دھو رہا ہے اور ایک بیٹھا صابن مل رہا ہے کوئی کہے کہ ارے یہ دھوا دھو دھوا دھو کیوں پیٹ رہا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ جب یہ کپڑے سوکھ جاویں تب دونوں کو ملا لیجیو کون سا کپڑا زیادہ صاف ہوا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کوٹنا پیٹنا اچھا ہے یا کہ محض ملنا دلنا۔ الحمد للہ یہاں کے جو اطفال ہیں یعنی محض مبتدی ان میں جو دولت سمجھ کی اور نیک نیتی کی ہے وہ اور جگہ کے بعض مشائخ کو بھی حاصل نہیں۔ یوں کوئی دیکھے ہی نہیں وہ اور بات ہے۔ اور یہ میرا کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور آنے والوں کی نیک نیتی ہے۔ میری تو بس ایسی مثال ہے جیسے مرغی کے نیچے بط کے انڈے رکھ دیئے جاویں تو وہ بط کے بچے نکالے گی جو سمندر میں بھی تیرتے ہوئے چلے جائیں گے اور اماں جان کنارے ہی کھڑی تکتی رہے گی کہ ارے یہ میرا بچہ کہاں چلا جا رہا ہے اسی طرح گو میں ناقص ہوں مگر میرے اکثر متعلقین اپنی خوبی استعداد سے صاحب کمال ہو جاتے ہیں اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہے کہ جن کی استعداد قوی ہے انہیں کو میرے یہاں بھیج دیتے ہیں لیکن عادت اللہ یہی ہے کہ کمال جب ہی حاصل ہوتا ہے جب کسی کی تربیت میں رہے خواہ وہ مربی ناقص ہی ہو یہ مربا جو کامل ہوتا ہے تو اس مربی ناقص ہی کی بدولت نہ مربی تکلے کوچ کوچ کے اور شیرہ بھر بھر کے ٹھیک کرتا نہ مربا ٹھیک بنتا۔

مربی کوچتا ہے تو مربا ٹھیک ہو جاتا ہے اچھی میں ناقص ہی سہی اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ کرے۔ مگر میری نیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی اصلاح کرے اور سب سیدھے راستہ پر چلنے لگیں اور میں گو ناقص ہوں لیکن الحمد للہ اناڑی نہیں ہوں۔ جو چیز مجھے آتی ہے اس کا کیوں انکار کروں مجھے تکلف آتا نہیں۔ تھانہ بھون کا ہوں۔ اودھ کا نہیں ہوں۔ مشہور ہے کہ

لکھنؤ میں دو شخص کیچڑ میں گر پڑے۔ اب دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ قبلہ آپ اٹھئے۔ میری تو یہ رائے ہے کہ جس میں بھی ہمت ہو وہ خود کھڑا ہو جائے بلکہ دوسرے کو بھی پکڑ کر کھڑا کر دے۔ ایسی ہاری ہوئی بات کیوں کہے کہ قبلہ آپ اٹھئے' نہیں قبلہ آپ اٹھئے اس ملفوظ کے بعد جب مجلس برخاست ہو گئی تو احقر سے فرمایا کہ بعض مرتبہ جوش میں شیخی کیسی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اگر نیت میں کوئی خرابی ہو تو اس کو دور فرمائے۔

(۱۹۶) ظلم کی حقیقت

ایک طالب نے بذریعہ تحریر اپنا ایک مرض باطنی عرض کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تنہا کھانا کھاتا ہوں تو کوئی مقوی حلوا بھی دسترخوان پر ہوتا ہے لیکن جب کوئی مہمان کھانے میں شریک ہوتا ہے تو سادہ کھانا ہوتا ہے تاکہ خرچ بھی زیادہ نہ ہو اور اپنی خاص مقوی خوراک میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ حضرت اقدس نے مجلس میں بلا اظہار نام ذکر فرمایا کہ آج ایک عجیب سوال مجھ سے کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی میں نے عجیب دیا ہے پھر حضرت اقدس نے وہ سوال اور اپنا جواب پڑھ کر سنایا اس جواب باصواب ولاجواب کو سن کر حاضرین مجلس عش عش کرنے لگے۔ وہ سوال و جواب یہ ہے۔

حال۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ علیہ وبرکاتہ حضور والا میرے یہاں اگر کوئی مہمان آتا ہے تو میں سادہ اور معمولی کھانا مہمان کے ساتھ کھاتا ہوں اور اگر مہمان نہیں ہوتا تو معمول کے علاوہ کچھ ایسی غذا بھی کھاتا ہوں جس سے قوت حاصل ہو مثلاً" دودھ یا حلوہ وغیرہ۔ مہمان کی موجودگی میں اس غیر معمولی اور مقوی غذا کو اس خیال سے ملتوی کر دیتا ہوں کہ مہمان کے ساتھ نہ کھانا خصوصاً" رشتہ دار کے ساتھ تو مہمان کی شکایت کا باعث ہوگا اور مہمان کی شرکت سے اس غیر معمولی اور مقوی غذا میں یا تو میری حق تلفی ہوگی اور اگر کمیت میں اضافہ نہ کیا جاوے ورنہ خرچ میں زیادہ ہوگی جس کا تحمل طبیعت کو نہیں ہوتا۔ حضور والا اگر یہ حرص یا کوئی مرض ہو تو درخواست ہے کہ علاج تجویز فرمایا جائے اور اگر یہ طبعی اور غیر اختیاری ضعف ہے جس کی وجہ سے خود پر مجھ کو بہت نفرت اور ندامت ہے تو بتقاضائے طبعی کی رعایت میں کوئی گناہ تو نہیں یا مخالفت نفس اور اس معمول کا ترک ضروری ہے حضور والا کی ہدایت کا محتاج

ہوں۔ فقط

تحقیق۔ ہم جیسوں کے لئے معصیت سے بچنا ہی بڑی دولت ہے۔ نہ کہ مقامات عالیہ و غالیہ کا قصد اور اس کے موانع کی تحقیق۔

آرزومی خواہ ولیک اندازہ خواہ　　برنتابد کوہ را یک برگ گاہ

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ لیجئے میں نے ان کا حلوہ بھی بچالیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ جو ان کی حالت ہے وہ بہت ہی پست ہے۔ گویا ان کو عبدیت کی تعلیم دے دی جو ایک بڑا مقام ہے غرض .فقط اس جواب میں سارے پہلوؤں کی رعایت ہو گئی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اتنا آسان سلوک حضرت حاجی صاحب ہی کا ہے بات یہ ہے کہ چونکہ خود ضعیف ہوں اس لئے میں دوسروں کو بھی سہل بات بتاتا ہوں تاکہ اس پر سہولت کے ساتھ عمل ہو سکے اور جس سے حلوے میں فرق آئے نہ جلوہ میں نہ خلوہ میں پھر مزاحاً" فرمایا کہ بس پیر کرے تو کم ہمت کو کرے لیکن اناڑی کو نہ کرے کسی واقف کو کرے۔

پھر غالباً" اسی سلسلہ میں فرمایا کہ لوگ عقل عقل ہر جگہ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اگر عقل کا اتباع کیا جاوے تو وہ ہر جگہ سخت فتوی دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تمہاری اکثر باتیں مانتے تو تم سخت مشقت میں پڑ جاتے۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور حضرت اقدس کے اس آسان سلوک پر احقر کو اپنا یہ شعر یاد آتا ہے۔

اتنا کیا ہے آپ نے آسان طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

(۱۹۷) حضرات مجتہدین کا اعلیٰ مقام

اپنی جماعت کے ایک متوفی بزرگ کی سوتیلی صاحبزادی صاحبہ مد ظلہا اپنے ایک محرم کے ہمراہ حضرت اقدس کی خدمت میں کسی معاملہ کے لئے دعا کرانے تھانہ بھون تشریف لائیں لیکن ان کے ہمراہی نے ان کو گھر میں اتارنے کی اجازت چاہی اور شاہ صاحب کی بیٹی ہونے کا رشتہ ظاہر کیا حالانکہ وہ شاہ صاحب کی سوتیلی بیٹی تھیں حقیقی بیٹی نہ تھیں۔ حضرت اقدس کو

جب اس عنوان سے اطلاع ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کی بیٹی تشریف لائی ہیں تو حضرت پر اس کا خاص اثر ہوا اور بہت اہتمام کے ساتھ گھر کو رقعہ لکھا کہ یہ ایک بڑے بزرگ کی صاحبزادی ہیں ان کو گھر میں اکرام کے ساتھ اتارا جائے اور اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں ظہر کی نماز کے پڑھتے ہی آجاؤں گا۔ اس کے بعد سوتیلی بیٹی ہونے کا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ ان دونوں رشتوں میں بہت تفاوت ہے۔ ہمراہ آنے والے صاحب کو بیٹی نہ کہنا چاہیے تھا بلکہ صاف ظاہر کر دینا چاہیے تھا کہ سوتیلی بیٹی ہیں۔ لوگوں کو اس کا احساس نہیں کہ اس تفاوت سے اثر میں زمین آسمان کا تفاوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے سے میرا پختہ خیال تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد ہی جاؤں گا اور اب اس عزم میں یہ ترمیم ہو گئی کہ یہ دریافت کیا ہے کہ اگر جلدی کا کام ہو تو ابھی آؤں ورنہ ڈاک لکھنے کے بعد آؤں گا۔ چونکہ ان کو دوسری ہی ریل گاڑی سے واپس جانا تھا اس لئے حضرت اقدس اس اطلاع ملنے پر گھر تشریف لے گئے۔ واپسی پر فرمایا کہ ان بزرگ کا ان پر کافی اثر معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس پر اس بات سے استدلال کیا کہ انہوں نے صرف دعا کی درخواست کی کسی تعویذ یا وظیفہ کی فرمائش نہیں کی۔ اسی طرح جب میں کاندھلہ حضرت مولانا شاہ مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صاحبزدی صاحبہ کی جو بہت معمر تھیں بزرگی کی روایتیں سن کر ان سے ملنے گیا تو میں نے پہلے سے اپنے ذہن میں ان کی بزرگی کا معیار قائم کر لیا تھا کہ اگر انہوں نے عجز و انکساری کی باتیں کیں تو میں سمجھوں گا کہ وہ واقعی بزرگ ہیں اور ان پر مولانا کا اثر ہے اور اگر کچھ دعوی کی سی باتیں کیں تو سمجھوں گا کہ مولانا کا کوئی خاص اثر نہیں جیسے اور عورتیں ہوتی ہیں کہ ذرا نماز روزہ کسی نے کیا اور اپنے کو بزرگ سمجھ بیٹھیں ویسی ہی یہ بھی ہیں چنانچہ ایک بی بی یہاں تھیں اب ان کا انتقال ہو گیا اللہ تعالی مغفرت فرمائے۔ یوں کہا کرتی تھیں کہ ہائے مجھ جیسی نمازی اور پارسا ایسے بے نمازی اور فاسق فاجر کے نکاح میں آئے۔ ان کے شوہر آزاد تھے۔ مگر مولانا کی صاحبزادی اس معیار پر پوری اتریں۔

(۱۹۸) اشغال سے مقصود یکسوئی ہے

ایک صاحب جو عرصہ دراز سے حضرت کے خادم ہیں عرصہ تک کوئی خط و کتابت یا آمد و رفت اپنی اصلاح کے متعلق نہ رکھی۔ بہت دن بعد کچھ ہوش آیا تو دس یا بیس روپے کا منی

آرڈر حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اقدس نے زجراً منی آرڈر واپس فرمادیا کہ کیا رشوت دے کر راضی کرنا چاہتے ہو۔ پھر ایک عرصہ دراز کی خاموشی کے بعد غالباً یہ سمجھ کر اب شاید بھول گئے ہوں دوبارہ دس یا بیس روپے بھیجے۔ حضرت اقدس نے پھر واپس فرما دیئے۔ اب پھر تقریباً سال بھر کے بعد ان کا خط آیا جس کے ہر جزو کا حضرت نے اکھڑا اکھڑا ہی جواب دیا۔ مثلاً انہوں نے خیریت مزاج پوچھی تحریر فرمایا کہ تم کو کیا غرض۔ انہوں نے لکھا کہ معمولات بفضلہ ادا ہو جاتے ہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ من جملہ ان معمولات کے ستانا بھی ہے انہوں نے لکھا کہ گھر میں سب بفضلہ خیرت سے ہیں تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ خوشی کی بات ہے تاکہ اطمینان سے ستاسکو اور ان کے اس لکھنے پر آج کل سفرنامہ سہارنپور، لکھنؤ و لاہور کا مطالعہ کر رہا ہوں بفضلہ بہت کچھ نفع باطنی محسوس ہو رہا ہے یہ تحریر فرمایا کہ باطن ہی خراب ہو گیا ہے کہ ظلم کی ظلمت محسوس نہیں ہوئی۔ آخر میں انہوں نے مطالعہ سفرنامہ کا یہ بھی فائدہ لکھا کہ معمولات میں بھی اضافہ کی ہمت پیدا ہو گئی ہے اس پر بھی حضرت نے تنبیہاً یہ پیرایہ اعتراض تحریر فرمایا کہ بڑے فائدے کی چیز ہے اس ہمت سے بہت کام نکلتے ہیں ان میں سے ظلم بھی ہے۔

اس ظلم کے لفظ پر احقر نے عرض کیا کہ کہیں وہ اور کوئی خاص ظلم نہ سمجھ جاویں جس کا محل محتمل ایک خاص واقعہ ہو بھی چکا تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر یہ سمجھے گا تو چور کی داڑھی میں تنکا ہو گا اچھا ہے سمجھیں اور اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں لکھوں گا کہ کیا تعلق اصلاح قائم کرنے کے بعد اپنی اصلاح سے اور پچھلی تنبیہات جو بسلسلہ ہدیہ بھیجنے کے کی گئی تھیں ان پر خاموشی ظلم نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ ظلم کی تعریف یہ ہے وضع الشی فی غیر محلہ۔ کسی کام کو بے موقع کرنا ظلم ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں گناہوں کے لئے یہ فرمایا گیا ہے۔ ظلمتم انفسکم دیکھئے اپنے ساتھ کوئی ظلم تھوڑا ہی کیا کرتا ہے۔ یہاں ظلم کے معنی ناکردنی کام ہی کے ہیں تو حقیقت یہ ہے ظلم کہ اس میں ان کی یہ حرکت اور غفلت بھی داخل ہے۔ الفاظ کو صحیح معنی پر محمول کرنے سے بہت جگہ قرآن مجید میں مجاز وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی مثلاً ومکروا ومکر اللہ۔ میں مکر قبیح کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں لازم آتی جس کے لئے تاویل کی ضرورت ہو کیونکہ مکر اور کید کی حقیقت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ

یہ فرماتے تھے کہ مکر و کید کہتے ہیں تدبیر خفی کو اور تدبیر خفی کبھی محمود بھی ہوتی ہے مذموم بھی۔ نہ کسی مجاز کی ضرورت نہ توجیہ کی ضرورت۔

اسی اصل کی ایک فرع یہ ہے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کے متعلق یہ اشکال ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ تو اکثر بہت خائف اور محزون رہتے ہیں اس اشکال کا جواب بھی اسی اصل پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لَا خَوْفٌ لَّهُمْ یا لَا خَوْفٌ بِهِمْ نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیھم فرمایا ہے یعنی ان پر آخرۃ میں خوف واقع نہیں ہوگا یہ نہیں کہ اُن میں خوف نہیں خلاصہ اس توجیہ کا یہ ہے کہ ان میں خوف ہے ان پر خوف نہیں اسی طرح ذلک الکتاب لاریب فیہ پر جو اشکال ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تو بہت لوگوں کو شک ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اس کی توجیہ بھی مولانا نے اسی اصل پر یہ فرمادی کہ وہ شک اس کتاب میں نہیں ہے بلکہ جن کو شک ہے خود ان میں خباثت ہے در حقیقت ان کے فہم میں کھوٹ ہے اس کتاب میں کوئی کھوٹ نہیں یہ تو حضرت مولانا کی تحقیق ہے اور مجھ کو اس کی ایک مثال مل گئی ہے جس سے مولانا کا مقصود اور واضح ہوگیا وہ مثال یہ ہے کہ یرقان اصفر والے کو جب سب چیزیں زرد ہی زرد نظر آتی ہیں تو اس کی آنکھوں میں زردی ہوتی ہے نہ کہ ان چیزوں میں جب وہ کسی چیز کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اس میں زردی ہے تو اس سے یہی کہا جاتا ہے کہ لا صفرۃ فیہ کہ اس چیز میں زردی نہیں ہے تیری آنکھوں میں ہے اسی طرح در حقیقت قرآن میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اس میں شک کرتا ہے اس کے فہم کا قصور ہے۔ مولانا یوں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں کوئی شبہ ہو وہیں ایک لفظ ایسا ہے جس میں اس شبہ کا جواب ہے جیسے تکوین نظام میں جہاں بچھوڈنک کا درخت ہوتا ہے اسی کی جڑ میں ایک اور درخت نکلتا ہے جو اس کا علاج ہے اور اسی کے پاس ہوتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آم ثقیل ہوتا ہے اس لئے اسی موسم میں جامن بھی ہوتی ہے جو اس کی مصلح ہے اور خود جامن میں بھی جو ایک ثقل ہے اس کا آم میں علاج ہے غرض آم کی مصلح جامن ہے اور جامن کا مصلح آم ہے چنانچہ اس آیت پر بھی ایک اشکال مشہور ہے۔ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ یعنی مومنین پر کافروں کا ہرگز غلبہ نہ ہوگا۔ حالانکہ مومنین پر کافروں کا غلبہ بہت جگہ مشاہد ہے

اس اشکال کا بھی جواب وہیں کے وہیں موجود ہے چنانچہ جس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت میں کفار اور مومنین کے درمیان جو فیصلہ کیا جائے گا اس فیصلہ میں مومنین پر کافر غالب نہ ہوں گے پوری آیت اگر پڑھی جاوے تو وہیں اس اشکال کا جواب بھی موجود ہے اسی لئے غیر محقق کا قرآن مجید سے استدلال سراسر بے محل اور مضر ہوگا چنانچہ قصبہ رام پور میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ میں طلاق کے متعلق کوئی فتویٰ دیا تھا کسی عورت نے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر اس کے خلاف یہ فتویٰ دے دیا کہ قرآن میں یہ لکھا ہے کہ حکیم ضیاء الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے بیان کیا فرمایا کہ وہ کیا جانے مسئلہ چٹو کہیں کی کہہ دو اس سے کہ اگر زبان درازی کرے گی تو ناک چوٹی کاٹ دی جائیں گی۔

(۱۹۹) طریق میں ہر ایک کا معاملہ جدا ہے

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ محض علم درسی سے کیا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں۔

آں طرف کہ عشق می افزود درد   بوحنیفہ شافعی درسے نکرد

مجھے ایک بار شبہ ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بلکہ سب مجتہدین عارف بھی تھے۔ چنانچہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عارف ہیں انہوں نے فرمایا کہ مجتہدین علماء کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑا طبقہ مجتہدین ہی کا ہے اس لئے مجھے مولانا کے اس شعر پر شبہ ہوا۔ مثنوی شریف میرے پاس رکھی رہتی ہے جس کو کبھی کبھی دیکھتا رہتا ہوں گو میں نے ساری کتابیں اپنی ملک میں جدا کر دی ہیں بجز چند کے جن میں مثنوی شریف بھی ہے ان کو میں نے اپنی ملک میں جدا نہیں کیا حضرت حاجی صاحب کو بھی مثنوی کا بہت شوق تھا۔ خیر ایسا تو مجھ کو نہیں لیکن ایسا ضرور ہے جیسا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کے عشق میں کوٹھے پر سے گر پڑا تھا وہاں لوگ جمع تھے آپ نے پوچھا تو یہ واقعہ معلوم ہوا آپ بھی زینہ پر دو سیڑھی چڑھ کر کود پڑے اور کہا کہ عشق سعدی تا بزانو تو ہمارا عشق مثنوی شریف کے ساتھ زانو تک ہے حضرت حاجی صاحب کو کامل عشق تھا ہم کو ناقص ہے غرض اس شبہ کے بعد میں ایک روز مثنوی دیکھ رہا تھا کہ اتفاقاً

وہی مقام نکل آیا جہاں یہ شعر ہے اس کے نیچے میرے ہی ہاتھ کا پنسل سے لکھا ہوا تھا اے علماء ظاہری بس اس سے وہ میرا شبہ جاتا رہا کیونکہ مراد ابو حنیفہ اور شافعی سے علماء ظاہری ہیں نہ کہ وہ خود حضرات جیسے بعض اشعار میں جیسے حاتم سے مراد خود حاتم نہیں ہوتا بلکہ سخی مراد ہوتا ہے یہ تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق مضامین ذہن میں ڈالے ہیں اس لئے یہ اس زمانہ میں زیادہ نافع ہیں اور پہلے زمانہ میں وہ زیادہ نافع تھیں۔ اب حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے جو مجاہدے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اس زمانہ کے مناسب تھے کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بہت قوی ہوتے تھے اور ان کی ہمتیں بھی قوی ہوتی تھیں۔ اس زمانہ کے لوگ اگر ان مجاہدات کو کریں تو چونکہ آج کل قویٰ اور ہمتیں بہت ضعیف ہیں ہرگز ان کا تحمل نہ کر سکیں۔ اسی طرح اگر میری تصنیفات متعلق تدبیرات اس زمانہ میں ہوتیں تو یہ نافع نہ ہوتیں کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بہت قوی تھے اور جو یہ تدبیریں میں نے لکھی ہیں نہایت ضعیف ہیں جیسا میں ضعیف ہوں یہ ان قوی لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ کرتیں طبیعت کے آثار و احکام میں استطراداً و تفریحاً یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے کہ جب کسی بیماری کے بعد مجھے صحت ہوتی ہے تو طبیعت خود بخود دوا سے ہٹ جاتی ہے حکیم محمد ہاشم صاحب مرحوم فنِ طب میں کامل تھے بہت اچھے طبیب تھے دوا پیتے پیتے ان سے جس دن کہتا کہ آج تو دوا پینے کو جی نہیں چاہتا وہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس صحت ہو گئی اور نبض سے اس کی تائید ہوتی۔ اس کے تو اطباء بھی قائل ہیں کہ طبیعت مدبر عادل ہے اطباء محققین نے یہی لکھا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اسی کو علی الاطلاق مدبر بدن لکھتے تھے۔ اسلام میں یہ فرق ہو گیا کہ جہاں طبیعت کو مدبر بدن لکھا ہے وہاں یہ الفاظ بھی بڑھا دیئے ہیں۔ باذن خالقہا۔

(۲۰۰) محبت عقلی مامور ہے

ایک خط میں تصور شیخ کے متعلق کچھ استفسار تھا اسی کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ ایک شغل ہے اور شغل خود کوئی مقصود نہیں بلکہ شغل اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ اس سے یکسوئی حاصل ہو کہ وہ ذکر اللہ میں معین ہیں۔ جب یکسوئی مقصود ٹھہری تو اس کے لئے یہ قید نہیں کہ کوئی خاص شغل ہو حتیٰ کہ قاعدہ کی رو سے اگر چھت کی کڑی کو دیکھ کر کسی کے سب خطرات دور ہو جاتے ہوں تو اس کے لئے یہی شغل تجویز کیا جاوے گا۔ غرض شغل فی نفسہ دین نہیں ہے بلکہ یکسوئی کی ایک تدبیر ہے چنانچہ کانپور میں ایک بی بی مدقوق

تھیں انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ مجھے نیند نہیں آتی ساری رات پریشان رہتی ہوں۔ اس وقت میری طبیعت کا رنگ اور تھا ایسی تدبیرات کی بھی تعلیم کر دیتا تھا۔ میں نے ان کے لئے یہ شغل تجویز کیا کہ جب رات کو سونے کے لے پلنگ پر لیٹا کرو تو چھت کی کڑی کی طرف دیکھا کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہنے لگے کہ اس تدبیر سے نیند آگئی۔ وجہ یہ تھی کہ جب انہوں نے کڑی کی طرف مسلسل دیکھنا شروع کیا تو اس سے خیال میں یکسوئی پیدا ہوئی جس سے دماغ کو سکون ہوا اور ایسی غرق نیند آئی کہ انہیں چین آگیا۔ غرض اشغال سے مقصود یکسوئی ہے۔ تصور شیخ بھی اسی کلی کی ایک جزئی ہے اسی طرح عشق مجازی کے متعلق جو یہ شعر ہے۔

عتاب از عشق رو گرچہ مجازیست کہ آن بہر حقیقت کار سازیست

اس سے بھی مقصود یہی یکسوئی ہے اور عشق مجازی کے یہ معنی نہیں کہ ناجائز عشق ہو۔ اگر کسی کو اپنے لڑکے سے یا اپنی بیوی سے عشق ہو اور اس کے تصور سے اس کو یکسوئی ہوتی ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے بس یہ حقیقت ہے شغل کی۔ خلاصہ یہ کہ شغل کوئی عبادت نہیں ہوتی البتہ وہ ذریعہ ہو جاتا ہے عبادت میں یکسوئی و حضور قلب کا۔ میں نے اشغال کا ماخذ بھی تلاش کر لیا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ بزرگوں کے اقوال کا ماخذ بھی مجھے مل گیا اور وہ ماخذ ایک حدیث ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں بالتصریح شغل کی تعلیم نہیں ہے لیکن اس سے بناء پر قول علماء کی تائید ہوتی ہے۔ مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ نماز میں سجدہ کی جگہ دیکھو۔ شراح حدیث نے (یعنی صوفیہ نے نہیں بلکہ علماء ظاہر نے) اس کی مصلحت یہ لکھی ہے۔ لانہ اجمع للخاطر اور یہ مصلحت اشغال میں ہے۔ یہ ہے حقیقت اور دوسرا ماخذ سترہ ہے مشہور اس کی مصلحت یہ ہے کہ دوسرا دیکھ کر قریب سے نہ گزرے اسی لئے محقق علماء خط کو کافی نہیں سمجھتے مگر ابوداؤد کی حدیث صریح ہے۔ فیخط خطا۔ اس لئے بعض ائمہ اس کے قائل ہیں اور مصلحت اس کی یہ لکھتے ہیں کہ خود مصلی کے لئے اجمع للخاطر ہے چنانچہ ہمارے بعضے علماء محققین بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ غرض کہ سترہ کی دو غرض ہیں ایک مرور والے کی طرف راجع ہے اور ایک خود نماز پڑھنے والے کی طرف مرور والے کے متعلق تو وہی ہے کہ وہ قریب سے یعنی سترہ کے اندر سے نہ گزرے اور دوسری غرض سترہ کی جمع

خاطر ہے جو خود مصلی کے متعلق ہے تو لکڑی نہ ملنے کی صورت میں خط کھینچ دینے سے یہ مقصود تو حاصل ہے کہ مصلی کی خاطر جمع رہے۔ چنانچہ علماء حنفیہ میں سے ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہو گئے تو یہ حدیثیں شغل کی اصل نکل آئیں۔ میں نے حضرات صوفیہ کے اور اقوال کی تائید میں بھی حدیثیں جمع کی ہیں۔ جس پر بعضے غیر مقلد خفا ہیں کہ تم شر القرون کے صوفیوں کی بھی حمایت کرتے ہو۔ ارے میں کیا حمایت کرتا ہوں ان کی حمایت میں تو حدیثیں موجود ہیں۔ گو شغل کی جو حکمت ہے اس میں کسی نص کی حاجت نہیں جیسا تدابیر طبیہ کے لئے بعد اثبات جواز شرعی کسی نص خاص کی حاجت نہیں۔ مثلاً ”گل بنفشہ کی خاصیت کا منصوص ہونا ضروری نہیں۔ اسی لئے غالباً“ آپ تعجب کریں گے میں نے تو اسی بناء کو سمجھ کر ایک عجیب شغل تجویز کیا ہے اگر کسی حسین پر نظر پڑ جائے جس سے طبیعت مشوش ہو جائے۔ اور تعلق خاطر ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس مصلحت سے کہ تعلق خاطر بڑھ نہ جائے اسی وقت بازار جا کر کسی موٹے بنئے کو دیکھے جس کی توند نکلی ہوئی ہو۔ بدن بے ڈول ہو۔ رنگ کالا بھجنگ ہو میلا کچیلا ہو مکھیاں بھنک رہی ہوں اٹھتے بیٹھتے ریحیں نکلتا ہو اور دیر تک اس کو دیکھتا رہے تاکہ وہ اچھی طرح ذہن میں جم جائے بس پھر اس کے تصور کو ذہن میں لے کر چل دئے تو اس شغل سے تشویش خاطر زائل ہو جائے گی اور یہی حکمت تھی شغل کی۔ تو لیجئے میں نے کافروں سے بھی دین کا کام لے لیا۔ بعض احوال میں تصور شیخ تو ناجائز ہو گیا مگر تصور کافر عبادت ہو گیا کیونکہ عبادت کا ذریعہ ہے تو اللہ تعالیٰ اگر ذہن میں فن کی حقیقت ڈال دے تو ہر چیز سے فن کا کام لے سکتا ہے۔

(۲۰۱) حضرت حکیم الامت کا جوش فیض رسانی

ایک طالب نے جو متبحر عالم ہیں ایک صاحب کو جو مقیم خانقاہ ہیں ایک طویل خط میں اپنے مفصل حالات اس غرض سے لکھے کہ وہ حضرت اقدس کے گوش گزار کر دئے جائیں اس میں بار بار یہ تحریر تھا کہ کاش یہ ہوتا کاش وہ ہوتا۔ حضرت اقدس نے اس کو سن کر فرمایا کہ میری سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں کہ ان کا مقصود کیا ہے یہ تو حالات ہوئے کہ کاش یہ ہوتا کاش وہ ہوتا۔ اس پر فرمایا کہ ہے تو فحش لیکن یہ ”ہوتا ہوتا“ تو ایسا ہی ہے جیسا حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے۔

خالہ را خایہ بودے خالو شدے　　　　این بتقدیر است یعنی گرو بُدے

اس میں بھی بدے بدے ہے۔ ہوتا ہوتا سے کیا ہوتا ہے اپنا مقصود صاف لکھیں اور براہ راست لکھیں۔ یہ طریق باطن تو وہ ہے کہ اس میں کسی کا واسطہ ہے ہی نہیں۔ پھر ان صاحب سے جو واسطہ تھے فرمایا کہ آپ ان کو یہی لکھ دیجئے کہ جو کچھ ان کو لکھنا ہو وہ خود مجھ کو لکھیں۔ پھر فرمایا کہ اس طریق میں تو سالکین کا مردوں کا سا حال ہے کہ ہر ایک کے ساتھ جدا معاملہ ہے۔ مثلاً" ایک ہی مرتبہ میں دو مردے ہیں۔ ایک مرحوم ہے ایک مقہور۔ ایک پٹ رہا ہے ایک جنت کی ہوائیں لے رہا ہوں۔ بلا واسطہ لکھیں جو کچھ لکھیں۔ اور تو اور اس طریق میں ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ پیر کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ جیسے مشاطہ دولھن کا بناؤ سنگار کر کے دولھا کے پاس پہنچا آتی ہے پھر دولہا دولھن کی خلوت میں وہ بھی موجود نہیں رہ سکتی۔

(۲۰۲) حضرات چشتیہ پر بدعتی ہونے کا الزام غلط ہے

بہ سلسلہ گفتگو فرمایا کہ محبت ایک طبعی ہوتی ہے ایک عقلی۔ محبت طبعی مامور بہ نہیں بلکہ محض محبت عقلی مامور بہ ہے۔ اس میں اتفاق سے اگر طبعی بھی ہو جائے تو ہو جائے۔ اور اگر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور یہی محبت ہے جو اس حدیث میں مراد ہے۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین ان ہی مسائل کو تو لوگوں نے گم کر دیا ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ عقلی محبت کا معیار یہ ہے کہ محبوب کی کبھی مخالفت نہ کرے نہ ظاہرا" نہ باطنا" نہ عزم کرے مخالفت کا نہ صدور ہو مخالفت کا۔ بس پھر اگر ساری عمر بھی طبعی شوق و ذوق نہ ہو تو ذرہ برابر نقصان نہیں۔ بس یہی عقلی محبت بالکل کافی ہے اور صرف نجات ہی کے لئے نہیں بلکہ۔ درجات عالیہ کے لئے اور مقبولیت کے لئے بھی کافی ہے۔ پھر فرمایا کہ اسی سے تو اکثر اہل طریق کو غفلت ہو گئی لوگ طبعی محبت کے پیچھے پڑ گئے کیونکہ اس کا رنگ نمایاں ہے اور عقلی محبت کا نمایاں نہیں وجہ یہ ہے کہ وہ انفعال ہے اور یہ محض فعل ہے تو انفعال تو محسوس ہوتا ہے اور فعل محسوس نہیں ہوتا۔ اس کا پھیکا پھیکا رنگ ہوتا ہے۔ دیکھئے ذوق و مومن کے شعروں میں ایک کیفیت ہوتی ہے ان کو سن کر دل میں شورش پیدا ہو جاتی ہے اور حکیم محمود خاں کے نسخہ میں جو اجزاء ہیں ان میں کوئی شورش اور کوئی کیفیت نہیں مگر فرق دیکھ لیجئے۔ ان چیزوں کا اثر تو صحت ہے اور ان کا اثر صحت ہے تو یقیناً"

نہیں۔ عجب نہیں کہ مرض ہی ان کا اثر ہو جو بعض اوقات شورش سے پیدا ہو جاتا ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ عقلی محبت میں کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ حاصل اس کا اعتقاد ہے۔ مزید استفسار پر فرمایا کہ اسی طرح ایمان میں بھی کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ ایمان تو تصدیق و اعتقاد عقلی کو کہتے ہیں۔ اور یہی معنیٰ ہیں بعض اکابر کے قول کے کہ جیسا حضرت جبریل علیہ السلام کا ایمان ہے ویسا ہی ہمارا۔ ہاں ضعف و قوت کا فرق ہے۔ کمی بیشی اور چیز ہے ضعف و قوت اور چیز ہے۔ ان میں عام لوگ فرق نہیں کرتے۔ درسیات پڑھنے کی ضرورت ہے درسی کتابوں سے اسی طریق کے مسائل سمجھنے میں۔ بہت اعانت ہوتی ہے۔ اور ایسے دقیق فرق سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ یہ تو حقیقت تھی دونوں کی آگے بحث ہے ترجیح کی۔ سو حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ حب عشقی پر حب عقلی کو ترجیح دیتے ہیں اور حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کا مذاق اس کے برعکس ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مذاق بھی حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ہے خود حضرت پر حب عشقی کا بہت غلبہ تھا اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فیصلہ فرمایا جو بے نظیر ہے۔ فرماتے تھے کہ زندگی میں تو حب عقلی کو ترجیح ہے اور عین موت کے وقت اگر اللہ تعالیٰ نصیب فرماویں تو حب عشقی کو ترجیح ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زندگی میں تو عمل کی ضرورت ہے اور حب عشقی کے غلبہ کے وقت عمل میں کمی ہونے کا اندیشہ ہے اور عین موت کے وقت اس اندیشہ کا کوئی موقع نہیں کیونکہ وہ وقت ہی عمل کا نہیں۔ ایسے وقت حب عشقی کا غلبہ ظاہر ہے کہ اچھا ہے یہ مولانا کا فیصلہ ہے اور اس اختلاف سے تعجب نہ کیا جاوے اس فن میں ہر بزرگ امام ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی قابل تنبیہ کے ہے کہ ان تحقیقات میں ماہر ہونے سے خدا کا قرب نہیں بڑھتا اور اگر دو رکعت پڑھ لے یا ایک بار بھی سبحان اللہ کہہ لے تو اس سے قرب بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں ان تحقیقات کو کوئی نہیں پوچھتا البتہ لوگ معتقد ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ ان تحقیقات سے عرفان تو حاصل ہوتا ہے جس سے وساوس دفع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ خود دفع وساوس ہی مقصود نہیں۔ اگر ساری عمر بھی وساوس میں گھرا ہوا رہے اور ہر وقت گھرا ہوا رہے پھر بھی مطلق ضرر نہیں۔ اور اس سے رائی برابر بھی قرب الٰہی میں کمی نہیں ہوتی اگر کسی مقرب شاہی کو مکھیاں لپٹی ہوئی ہوں تو خود بادشاہ کے ساتھ جو اس کو قرب حاصل ہے اس میں کیا کمی ہوئی۔ وہ مکھیوں

کو اڑا دیتا ہے اور اگر نہ بھی اڑائے تب بھی اس سے قرب شاہی میں کیا خلل پڑتا ہے۔ ہاں بادشاہ کی اجازت ہے کہ اگر مکھیاں بہت ستائیں تو اڑا دو اور اگر نہ اڑاؤ تو اس کی بھی اجازت ہے۔ سو اگر کوئی مقرب شاہی مکھیاں اڑاتا ہے وہ اپنی تکلیف کے لئے ان کو دفع کرتا ہے اور بادشاہ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں لیکن بادشاہ کی طرف سے اس کے ذمہ مکھیوں کا دفعہ کرنا واجب بھی نہیں کیونکہ وہ قرب شاہی میں خلل انداز نہیں بلکہ اگر مکھیوں کو دفع نہ کرے تو یہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ قابل قدر ہے کہ مکھیاں لپٹ رہی ہیں اور یہ پھر بھی بادشاہ کی طرف توجہ کئے بیٹھا ہوا ہے اور توجہ میں بالکل فرق نہیں۔ تو یہ تو بڑی قدر کی بات ہے کہ اتنی چیزیں پریشان کرنے والی ہیں مگر توجہ میں ذرا فرق نہیں۔

یہ ہے حقیقت احکام کی مگر ناواقفی کی وجہ سے بعضے لوگ اس سے پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ لوگوں نے وساوس کا درجہ نہیں سمجھا۔ وساوس کو معاصی کے درجہ میں سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اصولی غلطی ہے اگر ایسا سمجھے گا تو قرآن کو غلط سمجھے گا جس میں تصریح ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا حدیث کو غلط سمجھے گا جس میں تصریح ہے ان اللہ تجاوز لامتی مالم تکلم او تفعل وما حدثت بہ انفسہا للسنتہ لا مالکا (جمع الفوائد) ہاں اس وقت ایک آیت یاد آئی جس سے ناواقف کو شبہ ہو سکتا ہے وہ آیت یہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہو گا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا رگ جان سے بھی قریب تر ہونا بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ہم وسوسوں تک سے بھی واقف ہیں۔ اس سے لوگ یہ سمجھے کہ وساوس کے علم کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ ان پر مواخذہ بھی فرمائیں گے جیسا کہ جا بجا ارشاد ہے يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ یعنی جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ اس جگہ علم کے ذکر سے مقصود یہی ہے کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ جزا و سزا دیں گے لیکن اس آیت میں یہ مراد نہیں ہے جیسا کہ سیاق و سباق کو دیکھنے سے واضح ہے۔ چنانچہ اس سے قبل بھی بعث و نشر کا ذکر ہے ارشاد ہے اَفَعَيِيْنَا

بالخلق الاول بل هم فی لبس من خلق جدید کیا ہم پہلی مرتبہ پیدا کر کے تھک گئے کہ کفار دوبارہ پیدا کرنے میں شک کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے انسان کو پیدا کیا جب ہم نے اس کو معدوم سے موجود کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا تو اس سے سہل ہے کیونکہ ابتداء کسی چیز کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت مکرر پیدا کرنے کے۔ وجہ ظاہر ہے کہ پہلے تو مادہ بھی موجود نہ تھا اب ایک بار پیدا کر دینے کے بعد مادہ تو موجود ہے گو اس کے اجزاء منتشر ہو گئے مگر جن مواد سے انسان مرکب ہے وہ بعد مرنے کے بھی منتشر ہونے کے موجود ہیں ان کا پھر مجتمع کر دینا کیا مشکل ہے دوسرے ایک مرتبہ کسی چیز کو بنا لینے کے بعد دوبارہ اس کا بنانا ویسے بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد بھی چنانچہ ارشاد ہے اِذْ یَتَلَقَّی الی اخر السورۃ اور جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بعث و نشر کا ذکر فرمایا ہے ان مواقع پر استدلال میں اپنی تین صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی بعث و نشر کے لئے ضرورت ہے یعنی قدرت ارادہ اور علم چنانچہ یہاں بھی قدرت اور ارادہ کا ذکر تو اس آیت میں فرمایا ہے۔ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ اس کے بعد اپنے علم کا ذکر فرماتے ہیں۔ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یعنی ہمارا علم ایسا وسیع ہے کہ مواد تو مواد وساوس تک کا ہم کو علم ہے پس جو اجزاء منتشر ہو گئے ان کو پورا علم ہے کہ کہاں کہاں موجود ہیں ان کو ہم جب چاہیں پھر مجتمع کر دیں گے۔ پس یہاں جو وساوس کے علم کا ذکر ہے تو وہ اس غرض سے ہے کہ بعث و نشر کے وقوع پر دلیل قائم کی جائے اور یہ مراد نہیں کہ ان پر مثل اور اعمال کے جزا و سزا ہوگی جیسا کہ سیاق و سباق سے میں نے ثابت کر دیا ہے اس پر عرض کیا گیا کہ کیا حضرت نے تحقیق اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی لکھی ہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں کیا کیا لکھا جاتا ہے یہ تو تفصیل تو یاد نہیں ہے لیکن کوئی مختصر سی عبارت بین القوسین ترجمہ میں ضرور ہوگی جس سے کوئی اشکال بھی رفع ہو جائے۔ مجھے اب کیا یاد ہے اور اس وقت کیا معلوم یہ تفسیر ذہن میں تھی یا نہیں اور یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہاں تو الحمد للہ چشمہ ہر وقت ابل رہا ہے پھر تھوڑے سکوت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ حضرت بدوں اس کے کہ وہاں کوئی خدمت پیش کی جائے یہ سب تحقیقات ہیچ ہیں۔ ایک بھینسانی کا ان پڑھ دیہاتی جو معانی تو کیا الفاظ بھی نہیں جانتا لیکن حرام حلال کا اہتمام رکھتا اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے وہ ان صوفیہ

سے افضل ہے جو جن میں قوت عملیہ نہیں۔ صرف حقائق و معارف ہی ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محققین کی نماز تو غیر محققین سے افضل ہوگی فرمایا کہ ان تحقیقات کو تو اس افضلیت میں کچھ دخل نہیں بلکہ اس کا مدار اخلاص ہے چونکہ محقق اخلاص کی حقیقت غیر محقق سے زیادہ جانتا ہے اگر وہ اس پر عمل کرے گا تو عمل کے اعتبار سے اس کی نماز افضل ہوگی اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ پر نظر نہ ہو محض اللہ ہی مقصود ہو غیر اللہ مقصود نہ ہو نہ علماً" نہ عملاً" اور ایک نظر تو معبود ہونے کی حیثیت سے ہوتی ہے اور وہ الحمد اللہ نماز میں غیر اللہ پر کسی کو نہیں ہوتی کیونکہ نمازی کا بہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن دوسرے اعتبار سے نظر ہو جاتی ہے یعنی نماز کے وقت قصداً" خطرے جمع کر لئے جاتے ہیں اور یہ عملاً" نظر الی الغیر ہے جو ممنوع ہے کیونکہ یہ منافی خشوع ہے اور یہ درجہ ہر شخص کو ادنیٰ توجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ناواقفی سے لوگوں نے خشوع کو بہت مشکل سمجھ رکھا ہے حالانکہ جو درجہ اس کا مامور بہ اور ضروری ہے وہ بہت آسان ہے اور وہ وہ درجہ ہے جس کو میں نے ایک مثال سے ظاہر کیا ہے اس سے پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت ہو جاتی ہے' وہ مثال یہ ہے کہ دو طرح کے حافظ ہوتے ہیں ایک پکا حافظ اور دوسرا کچا حافظ۔ پکا حافظ تو بلا سوچے ہوئے پڑھتا چلا جاتا ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ ہر لفظ پر سوچے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ آزادی کے ساتھ دوسری باتیں سوچتا رہتا ہے اور پڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کو بھولنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور ایک کچا حافظ ہوتا ہے اس کو برابر اپنی توجہ ہر لفظ پر قائم رکھنی پڑتی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائے۔ بس اتنی توجہ عبادت کے وقت کافی ہے جتنی میں نے اس مثال سے بتلا دی۔ اس سے زیادہ کاوش ہے اور اس سے کم کم ہمتی۔ پھر اس توجہ میں رفتہ رفتہ قوت بڑھ جائے گی یعنی اول اول تو اس توجہ میں تکلف ہوگا پھر یاسانی ہونے لگے گی۔ یہ مثال بھی کسی نے نہیں دی یہ اللہ کا فضل ہے کہ میرے دل میں اس نے مثال ڈال دی اس سے یہ بالکل صاف ہو گیا کہ ضروری استحضار کا درجہ کتنا ہے۔ بس وہ یہ درجہ ہے باوجود اس کے لوگ کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع بڑا مشکل ہے۔ اب بتلائیے کہ جو درجہ ضروری ہے وہ یہ ہے اور یہ کیا مشکل ہے لوگ خشوع و خضوع کے انتہائی درجہ کو مشکل سمجھ کر ضرورت کے درجہ سے بھی محروم ہو گئے بس وہ مثال ہے کہ کھاؤں گھی سے نہیں جاؤں جی سے۔ کہتے ہیں کہ نماز میں ایسا استغراق ہو کہ تیر لگا ہوا

نکال لیں تو خبر نہ ہو۔ جانے کہاں سے یہ درجہ گھڑ لیا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی نماز کامل اور باخشوع ہو سکتی ہے لیکن ایسا استغراق تو حضورؐ کو بھی نہ ہوتا تھا۔ حضورؐ خود فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات نماز میں طویل قرات کا قصد کرتا ہوں لیکن جب کسی بچہ کے رونے کی آواز نماز میں سنتا ہوں تو اس خیال سے کہ کہیں اس کی ماں جماعت میں شریک نہ ہو بڑی سورۃ کی بجائے چھوٹی سورت پڑھتا ہوں تاکہ اس کی ماں جلدی سے فارغ ہو کر اس کو جا کر سنبھال لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کو نماز میں ایسا استغراق نہ ہوتا تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ نماز میں سہو اسی استغراق کی کمی سے ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اس کے متعلق ایک عجیب و غریب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات میرے ذہن میں آئی ہوگی اس وقت لکھ دیا پھر بھول گیا غرض بجائے اس کے علوم درسیہ میں کمال حاصل کرنے کی فکر میں رہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق محبت بڑھاوے جو ان کمالات کو بڑھاتا ہے وہ ضابطہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور نجات ہوتی ہے رابطہ سے اسی کی کوشش کرے اور اسی کو مانگے ہم جاہل سہی بدعقل سہی مگر اس حال میں بھی ہمیں خدا سے مانگنا چاہیے کیونکہ ہم چاہے جیسے بد حال ہوں شیطان سے تو زیادہ بد حال نہیں اس نے باوجود اس درجہ حال ہونے کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا تو ہم کیوں نہ مانگیں ہم تو الحمد اللہ مومن ہیں چاہے ایمان ضعیف ہی ہو جو ولایت عامہ کے لئے بھی کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ دیکھئے اس میں قید عملوا الصلحت کی بھی نہیں ہے البتہ دوسری آیت میں ولایت خاصہ کا ذکر ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اس ولایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی تکوینی رحمت کفار پر بھی ہے یہاں تک کہ ان کی حفاظت کے لئے ملائکہ متعین ہیں لیکن اس کو ولایت نہیں کہتے اور یہ رحمت صرف کفار کے ساتھ یہاں دنیا میں ہے باقی وہاں آخرت میں نہیں ہوگی۔ دنیا میں اس رحمت کے عام اور آخرت میں خاص ہونے پر استطرادا" ایک مناظرہ یاد آگیا جو شیطان نے ایک بڑے عارف یعنی غالباً" حضرت عبداللہ بن سہل سے کیا تھا اور ان کو اس مناظرہ میں شیطان نے ساکت کر دیا تھا اس بناء پر حضرت عبداللہ نے یہ وصیت فرمادی ہے کہ شیطان سے کبھی کوئی مناظرہ نہ کرے واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے حضرت

عبداللہ سے کہا کہ آپ کیا لعنت لعنت میرے اوپر کیا کرتے ہیں خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ورحمتی وسعت کل شی اور میں بھی شی میں داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ مجھ پر بھی ہوگی آپ کیا لعنت لعنت لئے پھرتے ہیں حضرت عبداللہ نے جواب دیا ہاں خبر ہے رحمت تو وسیع ہے لیکن اس میں قید بھی ہے۔ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اس پر اس نے کہا کہ جناب قید آپ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اللہ تعالیٰ مقید نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن سہل چپ ہوگے اور کوئی جواب نہیں دیا گو اس کا جواب تو تھا جو مجھ ناکارہ تک نے دے دیا ہے جس کو عرض کروں گا مگر انہوں نے بجائے اس کو جواب دینے کے اہل طریق کو یہ وصیت کی کہ کبھی شیطان سے مناظرہ نہ کرے حضرت عبداللہ بن سہل سے جو جواب نہ بن پڑا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن میں تصرف کیا کیونکہ وہ بڑا صاحب تصرف ہے اسی طرح حضورؐ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ دجال کا سامنا ہو جائے تو اس سے مناظرہ نہ کریں بہت لوگ اس سے مناظرہ کرنے جاویں گے اور اس کے معتقد ہو جاویں گے اس کا راز حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے جو کہیں گو منقول دیکھا نہیں لیکن جی کو لگتا ہے یہ مولانا کا کشف ہے جو حجۃ تو نہیں لیکن چونکہ نصوص میں یہ مسکوت عنہ ہے اس لئے اگر ان کے جی کو لگے جن کو مولانا سے محبت و عقیدت ہے تو اس کا کچھ مضائقہ بھی نہیں مولانا فرماتے تھے کہ اس کی حالت مجذوبوں کی سی ہوگی اس کے اقوال کی لوگ تاویل کریں گے یہاں تک کہ دعویٰ خدائی کی بھی تاویل کریں گے اسی واسطے مجذوبوں سے زیادہ تعلق رکھنا نہ چاہیے گو ان میں اگر آثار قبول پائے جاویں ان پر اعتراض بھی نہ کرے لیکن ان سے زیادہ اختلاط بھی نہ کرے اسی طرح اہل باطل سے مناظرہ بھی نہ چاہیے کیونکہ مناظرہ میں ان سے تلبس ہوتا ہے اور تلبس سے اثر ہو جاتا ہے ایک بزرگ کا یہاں تک ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے گو ساتھ ہی انکا رد بھی کردیا جائے کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہیں خود نقل کرنا ان کے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے پھر چاہے وہ زائل ہی کردیئے جائیں کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہو جانے کے بعد پھر باوجود ان کا رد کردینے کے زائل ہی نہ ہوں۔ اسی لئے مجھے اس وقت شیطان کے اس مناظرہ کو نقل کرتے ہوئے ڈر بھی معلوم ہوا لیکن خیر یہاں

کوئی ایسا نہیں جس کو شبہ پڑ جائے بالخصوص جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی میرے ذہن میں القاء فرما دیا ہے اس کو ذرا توجہ سے سنیئے البتہ اس کے سمجھنے کے لئے درسیات کی ضرورت ہے۔ درسیات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہیں۔ علماء کے قلوب میں یہ اللہ تعالیٰ کی الہام فرمائی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ فلسفہ اور منطق بھی جو داخل درس ہیں یہ بھی بڑے کام کی چیزیں ہیں گو یہ مبادی ہیں مقاصد نہیں لیکن چونکہ مقاصد کی تحصیل ان پر مبنی ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہیں گو مقاصد کے درجہ کو نہیں پہنچتے مقاصد تو بہت عالی ہیں اگر علم کلام میں اور منطق میں مہارت ہو تو قرآن وحدیث وفقہ سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے غرض جو یہ چیزیں درس میں داخل ہیں یہ بڑے کام کی ہیں چنانچہ انہیں کی بدولت یہ اشکال بھی حل ہوا۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے جن میں رحمت بھی ہے دو تعلق ہیں۔ ایک تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ اور وہ تعلق اتصاف کا ہے یعنی اس صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا اور ایک تعلق مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور وہ تعلق تصرف کا ہے یعنی مخلوق میں اس صفت کا اثر ایجاد ہونا۔ تو جو تعلق اتصاف کا ہے وہ تو غیر مقید ہے یعنی اس میں عموم اور اطلاق ہے یعنی وہ رحمت فی نفسہ غیر محدود ہے لیکن جو درجہ مخلوق کے ساتھ تعلق کا ہے وہ مقید ہے یعنی کسی پر رحمت فرماتے ہیں کسی پر نہیں جیسے آفتاب خود اپنی صفت نور میں تو مقید نہیں لیکن جب اس کا نور زمین پر فائز ہوتا ہے تو وہاں چونکہ حجابات بھی موجود ہیں اس لئے وہاں قیود بھی ہیں تو یہ قید ادھر نہیں ہے ادھر ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ اپنی صفت رحمت میں بالکل مقید نہیں لیکن جب اس صفت کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے تو چونکہ اس کا مدار خاص اسباب کے ساتھ مشیت پر ہے اس لئے اس سے جب یہ صفت متعلق ہوتی ہے تو اس قید کے ساتھ کہ جو اہل تقویٰ ہیں ان پر تو آخرت میں رحمت ہوتی ہے اور جو اہل تقویٰ نہیں ان پر نہیں ہوتی یہ جواب بھی سال ہا سال کے بعد میری سمجھ میں آیا اور غالباً" میں اس وقت امرت سر میں تھا جب میں لاہور دانت بنوانے گیا تو امرت سر بھی جانا ہوا تھا اور چونکہ وہاں صرف ایک دن رہنا تھا اس لئے وہاں میں نے ملنے والوں کی کوئی روک تھام نہیں کی احباب نے اس کا انتظام بھی کرنا چاہا مگر میں نے روک دیا کہ اس میں لوگوں کی دل شکنی ہوگی۔ برخلاف اس کے لاہور میں پہرہ چوکی کا انتظام کیا گیا کیونکہ وہ بڑا شہر تھا اور دانت بنوالے کے لئے کئی دن رہنا تھا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر وقت ہجوم رہتا اور جس کام کے لئے جانا ہوا تھا اس

میں خلل پڑتا۔ بعض لاہور والوں نے برا بھی مانا یہاں تک کہ لوگ اخباروں میں بھی اس کی شکایت چھاپنے کو تھے غرض پنجاب میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا لاہور والے تو سمجھے کہ بڑا بد خلق ہے اور امرتسر والے سمجھے کہ بڑا خلیق ہے یاد پڑتا ہے کہ امرت سر میں میں نے یہ جواب دیا تھا وہاں اس وقت علماء کا مجمع تھا سب نے بہت پسند کیا اور یہ فیض بھی خود عبداللہ بن سہل ہی کا تھا کیونکہ مجھے اولیاء اللہ سے محبت ہے اور اولیاء اللہ سے جو محبت ہوتی ہے تو ان سے برکات حاصل ہوتے ہیں اگر حضرت عبداللہ سے مجھے محبت نہ ہوتی تو مجھے ان کی طرف سے جواب دینے کی اتنی فکر نہ ہوتی میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی طرف سے جواب نہ ہو کیونکہ وہ ایسے نہیں تھے کہ لاجواب ہو جاویں اس ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب ذہن میں ڈال دیا ادب بڑی برکت کی چیز ہے اور بے ادبی اس طریق میں سخت وبال لاتی ہے۔ چنانچہ حسین بن منصور پر جو بلا آئی وہ اسی قلت ادب کی وجہ سے اور گو وہ مغلوب تھے اسی لئے حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ان کی حمایت فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بردارے فتاد

اور یہاں غدار سے مراد اہل فتویٰ نہیں ورنہ غداران ہوتا بلکہ خاص ایک وزیر ہے جس نے استفسار کر کے سزا کا حکم نافذ کیا اس کا واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علقمی وزیر ان کا دشمن تھا۔ اس نے خود ساختہ سوال کر کے فتویٰ حاصل کیا تھا اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اگر ہوتا تو کبھی فتویٰ منصور کے خلاف نہ ہونے دیتا انا الحق کی یہ تاویل کرتا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انا علی الحق یہ تو مولانا کی تاویل ہے۔ اور میں نے ایک اور تاویل کی ہے وہ یہ کہ عقائد کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ تو انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ انا ثابتۃ یعنی میں بھی من جملہ اشیاء کے ایک شی ہوں یعنی چونکہ حقائق اشیاء ثابت ہیں میرا وجود بھی حق یعنی ثابت اور مطابق واقع کے اور موجود ہے تو یہ گویا سوفسطائی کے مسلک کا رد ہے کیونکہ وہ لوگ اس عالم کو بالکل ایک عالم خیال سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعہ میں کچھ ہے ہی نہیں اور یہ جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے یہ محض وہم اور خیال ہے اور یوں تو وحدۃ الوجود والے بھی یہی کہتے ہیں مگر اس کے اور معنی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ویسا ہمارا وجود نہیں ہے مگر جیسا بھی ہے۔ وجود واقعی ہے بخلاف سوفسطائی کے کہ وہ وجود

کی واقعیت ہی کی نفی کرتا ہے ان ہی کے مقابلہ میں اہل حق نے اول مسئلہ عقائد کا اسی کو قرار دیا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے وجہ یہ کہ سب کا اصل الاصول مسئلہ اثبات صانع ہے اور اس کی دلیل کا مقدمہ بھی حقائق اشیاء کا ثبوت ہے کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہی نہ ہوگی تو وہ حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیسے بن سکے گی جب مصنوع نہ ہوگا تو صانع کا وجود کیسے ثابت کیا جاوے گا پس ابن المنصور کے قول کا محمل یہ ہو سکتا ہے اور حق بایں معنی احادیث میں مستعمل ہے چنانچہ وارد ہے البعث حق والوزن حق یعنی یہ سب چیزیں ثابت ہیں اسی طرح انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ میرا وجود ثابت ہے۔ گو یہ تاویل ہی ہے مگر بعید نہیں اور اس تاویل میں علی

کے مقدر ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو سخت پابند سنت ہیں اور اپنے خطوط میں اتباع شریعت کی بہت سختی سے تاکید فرماتے ہیں مگر حضرت منصور کے بے حد حامی ہیں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست   گفت منصورے انا الحق گشت مست

لعنت اللہ آں انارا در قفا   رحمت اللہ ایں انارا در وفا

اور یہ ملتفی وزیر جو ان کا مخالف تھا غالباً" سلطنت کی مصالح کی بناء پر ہوگا کیونکہ یہ لوگ ذی اثر ہوتے ہیں اور اہل سلطنت کو اہل اثر سے ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر یہ کہیں بگڑ بیٹھے تو سب لوگ انہیں کا ساتھ دیں گے اس لئے ایسے بزرگوں کے عیب نکال نکال کر بادشاہوں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں عجب نہیں علقمی بھی اس مذاق کا ہو بہر حال اکثر بزرگوں نے ان کو معذور سمجھا ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ وہ مغلوبیت ضعف اختیار کے درجہ تک تھی سلب اختیار کے درجہ تک نہ تھی اس لئے واقع میں یہ کلمہ ناشی قلت ادب سے تھا اس لئے عقوبیت میں مبتلا ہوئے اس موقع پر ایک اور مغلوب کا واقعہ یاد آگیا یعنی عالم گیر کے زمانہ میں حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ جب حضرت سرمد کی برہنگی کی شکایت حضرت عالم گیر نے سنی تو یہ نہیں کیا کہ سنی سنائی باتوں پر کوئی حکم دے دیتے بلکہ اول تو تحقیق کے واسطے ایک امیر کو مقرر کیا کیونکہ ہر کام بادشاہ خود تو کر سکتا نہیں اعتماد ہی سے سلطنت کا کام چلتا ہے اور

جو معتمد ہوتے ہیں انہیں کے کام سپرد ہوتا ہے تو حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت سرمد علیہ الرحمۃ کی شکایت سننے کے بعد اپنے ایک معتمد امیر کو بھیجا کہ تم جا کر دیکھو اور تحقیق کر کے اصل حال سے مطلع کرو۔ جیسے اب بھی ایسے امور تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جسے آج کل کی اصلاح میں کمیشن کہتے ہیں۔ بعضوں نے تو حضرت سرمد کی شکایت پہنچائی تھی ۔بعضوں نے ان کی کرامات بھی نقل کی تھیں۔ اس فرستادہ امیر نے اپنی تحقیقات ختم کرنے کے بعد یہ شعر لکھ کر دربار شاہی میں بھیج دیا۔

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است

کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

اس پر عالم گیر نے حکم دیا کہ ان سے جا کر کہا جائے کہ تم جان کر کوتاہی کرتے ہو اتباع شریعت کرو اور کپڑا پہنو ورنہ سزا دی جائے گی جب یہ حکم شاہی حضرت سرمد کے پاس پہنچا تو انہوں نے یہ رباعی جواب میں لکھ کر بھیج دی۔

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عریانی داد

اس جواب ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالی نہ تھے۔ ایسا جواب خالی بالحاء المعجمہ کا نہیں ہو سکتا حالی بالحاء المہملہ کا ہو سکتا ہے اور اس اضطراری عریانی کی بھی ایک نظیر ہے۔ گو ایسی نظیر پیش کرنا یہ ہے تو گستاخی لیکن اس کا منشاء محض محبت اولیا اللہ ہے کہ ان کے حالات کی کوئی اصل نکال لی جاوے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ یہ جو ہماری طرح ننگے ہو کر نہیں نہاتے تو ان کے بدن میں کوئی عیب ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے اس طرح بری فرمایا کہ وہ ایک دن خلوت میں ننگے نہا رہے تھے کیونکہ خلوت میں ننگا ہو کر نہانا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے رکھے ہوئے تھے حکم دیا کہ وہ کپڑے لے کر بھاگے چنانچہ وہ کپڑے لے کر بھاگا آپ غصہ میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہر گیا جہاں بنی اسرائیل جمع تھے کیونکہ اس کو یہی حکم تھا اور وہ حکم کا تابع تھا۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ باحق زندہ اند

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو غصہ میں بھرے ہوئے تھے آپ نے پتھر پر اپنا عصا مارا یہاں تک کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس پر نشان پڑ گیا اور غصہ میں اس طرف بھی خیال نہیں گیا کہ بنی اسرائیل کھڑے دیکھ رہے ہیں غرض سارے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی عیب نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا تو اللہ نے ان مجذوبوں کی اس خاص حالت کی بھی اصل قائم فرمادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ مجذوبوں کے واقعہ سے مشابہ ہے کیونکہ یہ دونوں واقعے اضطراری ہیں لیجئے مجذوبوں کی عریانی کی بھی اصل میں نے تلاش کرلی۔ اسی لئے تو بعضے غیر مقلد مجھ سے خفا ہیں چنانچہ ایک غیر مقلد نے مجھے یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تم شر القرون کے اولیاء کے اقوال و افعال کی بھی تاویل اور حمایت کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ محض شر القرون میں ہونے سے تو شر ہونا لازم نہیں آتا۔ بہر حال حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عالم گیر کو لکھ کر بھیج دیا کہ

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد ۔۔۔ مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس اس ہر کرا عیبے دید ۔۔۔ بے عیباں را لباس عریانی داد

لیکن جب تحقیقات کے بعد شریعت کا فتویٰ ہو گیا تو حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت پر عمل فرمایا اور ادھر آکر حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ معذور تھے تو ادھر حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ بھی معذور تھے۔ واقعی اگر کوئی مصلحت نہ ہوتی تو دوسری بات تھی لیکن یہاں تو بڑی مصلحت تھی۔ اس سے بڑھ کر کیا مصلحت ہوگی کہ شرعی فتویٰ کے موافق عمل کیا گیا۔ غرض دونوں معذور تھے۔ جیسے دونوں مقاتل کے مقبول ہونے کی ایک نظیر بھی ہے وہ یہ کہ کسی مسلمان کا قاتل مسلمان ہو جائے تو دونوں جنت میں جائیں گے قاتل بھی اور مقتول بھی۔ یہ سب اسرار ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کے اسرار کا کون احاطہ کر سکتا ہے غرض نہ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی اعتراض کرنا چاہیے نہ حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ پر

درنیابد حال پختہ ہیچ خام ۔۔۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام

البتہ اتباع شریعت بہر حال ضروری ہے۔ میرے حیدر آبادی ماموں صاحب گو ایک آزاد درویش تھے لیکن ان کی باتیں بڑی حکیمانہ ہوتی تھیں۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے

انہیں دیکھا تو بہت پسند کیا۔ فرماتے تھے کہ ان سے مل کر بڑا مزہ آیا میں نے جی میں کہا کہ ہاں دونوں آزاد ہیں اس واسطے مزہ آیا۔ میرے یہ ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اس کی تو شکایت نہیں کہ ہم کو علماء کافر کہیں۔ انہیں یہ تو ضرور کہنا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ یہ نہ کہیں تو ہم تو ساری دنیا کو کافر بنادیں۔ سو ہمیں اس کی تو شکایت نہیں لیکن یہ شکایت ہے کہ جو ہمارے پاس دولت باطنی ہے اس کو ہم سے کیوں نہیں حاصل کیا جاتا ہم اس پر راضی ہیں کہ ممبر پر بیٹھ کر تو ہمیں کافر کہیں لیکن خلوت میں آکر ہم سے وہ چیز حاصل کریں جو ہمارے پاس ہے۔ تو ایسے آزاد بزرگ نے بھی شریعت کا اتنا پاس کیا کہ ممبر پر اپنی تکفیر کو گوارا کیا اس حفاظت شریعت کا ایک واقعہ ان ہی ماموں صاحب کا اور یاد آیا حیدر آباد سے اول بار کانپور میں تشریف لائے تو چونکہ جلے بھنے بہت تھے ان کی باتوں سے لوگ بہت متاثر ہوئے عبدالرحمن خان صاحب مالک مطبع نظامی بھی ان سے ملنے آئے اور ان کے حقائق و معارف سن کر بہت معتقد ہوئے عرض کیا کہ حضرت وعظ فرمایئے تاکہ سب مسلمان مستفیع ہوں۔ ماموں صاحب نے اس کا جواب عجیب از آدانہ رندانہ دیا۔ کہا کہ خان صاحب میں اور وعظ صلاح کار کجا و من خراب کجا۔ پھر جب زیادہ اصرار کیا تو کہا کہ ہاں ایک طرح کہہ سکتا ہوں اس کا انتظام کر دیجئے عبدالرحمن خاں صاحب بے چارے متین بزرگ تھے سمجھے کہ ایسا طریقہ ہو گا کہ جس کا انتظام نہ ہو سکے۔ یہ سن کر بہت اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ حضرت وہ طریقہ خاص کیا ہے ماموں صاحب بولے کہ میں بالکل ننگا ہو کر بازار میں ہو کر نکلوں اس طرح کہ ایک شخص تو آگے سے میرے عضو تناسل کو پکڑ کر کھینچے اور دوسرا پیچھے سے انگلی کرے ساتھ میں لڑکوں کی فوج ہو اور وہ یہ شور مچاتے جائیں بھڑوا ہے رے بھڑوا بھڑوا ہے رے بھڑوا اور اس وقت میں حقائق و معارف بیان کروں کیونکہ ایسی حالت میں کوئی گمراہ تو نہ ہو گا سب سمجھیں گے کہ کوئی مسخرہ ہے مہمل باتیں کر رہا ہے پھر یہ شعر پڑھا اور شعر بھی ویسا ہی سوچا جیسا مذاق تھا۔

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی
دیں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

یہ تو مطلع ہے جو شعر انہوں نے پڑھا تھا وہ یہ ہے

من حال دل اے زاہد باخلق نخواہم گفت
کیں نغمہ اگر گویم باچنگ ورباب اولی

اور فرمایا کہ چنگ و رباب سے مراد یہ تن تن نہیں بلکہ ملامت خلق مراد ہے۔ یہ غرض ایسے آزاد تھے لیکن پھر بھی اس کا اہتمام تھا کہ عوام کے عقائد نہ بگڑنے پائیں اور شریعت کا انتظام باقی رہے وہ ایسی ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ باتیں سب پتہ کی کہتے تھے مگر مشکل یہ ہو گئی تھی کہ لوگ بگڑتے تھے کیونکہ سمجھتے نہ تھے گو میرے ماموں تھے مگر پھر بھی میں نے اوروں کی مصلحت کی بناء پر ان سے بالکل کنارہ کر لیا تھا۔ ادھر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی روحانی دستگیری فرمائی خواب میں فرمایا کہ اپنے ماموں کے پاس مت بیٹھا کرو خارش ہو جائے گی۔ اہل تعبیر نے کہا کہ ہے کہ خارش اور جذام کی تعبیر بدعت ہے چاہے غلبہ حال سے معذور ہوں لیکن حقیقت تو بدعت ہے۔ میں نے دیکھا کہ عوام پر ان سے میرے تعلق رکھنے کا برا اثر پڑتا ہے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی اور ادھر دیکھا کہ جس غرض سے میں نے ان سے رجوع کیا تھا وہ غرض بھی حاصل نہ ہوئی یعنی رفع پریشانی بلکہ اور الٹی پریشانی بڑھ گئی تو ادب سے عذر کر دیا اور ادب سے تبلیغ بھی کر دی۔ یعنی میں نے ان کو خط میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا حال اور قال شریعت کے موافق ہو جائے۔ بس اس پر بگڑ گئے لکھا کہ تم مجھے ملحد و زندیق ہی رہنے دو تم کو تمہاری شریعت مبارک ہو مجھ کو میرا الحاد اور زندقہ مبارک ہو۔

مگر اس خفگی میں بھی یہ رعایت کی لکھا کہ تم جوان صالح مقبول الدعاء ہو تم یہ دعا میرے لئے ہرگز نہ کرو وہ جو میری ساری عمر کی ایک کمائی ہے کہیں جاتی نہ رہے خفگی میں بھی معتقد تھے اخیر میں یہ بھی لکھا کہ میں اب بھی حاضر ہوں اگر اس دولت کو لینا چاہو لے لو جو سینہ بہ سینہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مجھ کو حاصل ہوئی ہے۔ اتنا تو میں نے ان کو خفا کیا لیکن پھر بھی اتنی عنایت تھی۔ میں نے لکھا کہ میں اس دولت کے لینے کے لئے حاضر ہوں مگر پہلے میرا یہ اطمینان کر دیا جائے کہ وہ شریعت کے مطابق ہے ورنہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پھر کوئی جواب نہیں آیا پھر وہ تھانہ بھون تشریف لائے تو میں ملنے نہیں گیا ویسے دل سے معتقد تھا لیکن علیحدگی کی ضرورت تھی میں کیا کروں اسی زمانہ میں ماموں واجد علی صاحب کا انتقال ہوا تھا شکایت کی کہ دیکھو میرے بھائی کی تعزیت کے لئے بھی نہیں آیا حافظ عبدالحی صاحب جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور ماموں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ پیر

جی صاحب تو آزاد ہیں رسوم کے پابند نہیں۔ میرا نام لے کر کہا کہ اگر وہ نہیں آئے تو آپ خود ہی ان کے پاس چلے جایئے آزادی تو یہی ہے۔ فرمایا کہ ہاں میں آزاد ہوں اور آزاد کا غلام ہوں مجھے خود جانے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن کیا پتہ وہ مجھ سے ملے گا بھی نہیں اس پر انہوں نے کہا کہ اس کا ذمہ دار ہوں لیکن آزاد آزادوں کی سی شکل بنا کر جاؤں گا۔ پاجامہ اتار کر ننگا جاؤں گا کیا اب بھی وہ ملے گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے حالانکہ ماموں صاحب کو محض انہیں ہرانا تھا سچ مچ تھوڑا ہی ایسا کرتے۔ لیکن یہ ڈر گئے۔ اس پر ماموں صاحب کو بہانہ ہاتھ آگیا اور گو چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے تھے لیکن پھر بیٹھ گئے مجھ سے حافظ صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو میں نے کہا کہ میاں تم ہاں کہہ دیتے اور واقعی میں تو اس حال میں بھی ان سے مل لیتا کیونکہ میرا کیا بگڑتا میں آنکھ بند کر کے مصافحہ کر لیتا وہ کہنے لگے کہ میں تو ڈر گیا کہ کہیں سچ مچ ننگے ہو کر نہ چل کھڑے ہوں۔ اس مذاق کے بزرگ تھے مگر یہ سب زبانی باتیں تھیں شریعت کو ضروری سمجھتے تھے اور کوئی فعل صریح شریعت کے خلاف بھی نہ کرتے تھے جب میں نے رسالہ ظہور العدم بنور القدم وحدہ الوجود میں تصنیف کیا جس میں سارے شکوک بہت بست کے ساتھ درج ہیں جس کے لکھنے میں دس روز صرف ہوئے تو میں نے ماموں صاحب کو خواب میں دیکھا کہ بہت خوش ہیں میں سمجھا کہ ان کے مذاق کے موافق رسالہ جو لکھا ہے عجب نہیں ان کی روح خوش ہوئی ہو۔ اب اس مسئلہ کے متعلق کچھ ضروری بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ اصل میں یہ ایک مسئلہ کلامی ہے۔ اس کا مراقبہ اضمحلال وجود کائنات کے استحضار کے لئے صوفیہ نے تجویز کیا ہے ورنہ دراصل یہ مسئلہ تصوف کا نہیں ہے۔ مقصود اس مراقبہ سے اس کا پیدا کرنا ہے۔ وجودِ قوی کے سامنے وجود ضعیف کالمعدوم ہے۔ اس کے لئے رسوخ سے وہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

موحد چہ درپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید وہراسش نباشد زکس ۔۔۔ ہمین ست بنیاد توحید وبس

یعنی کسی کے نافع وضار ہونے سے متاثر نہ ہو۔ لیکن اگر کسی کے اعتبار سے یہ مراقبہ خطرناک ہو تو وہ نہ کرے چنانچہ میں اس کو خطرناک سمجھتا ہوں البتہ ماھم بضارین بہ من احد الاباذن اللہ اور اس کے امثال کا مراقبہ بے خطرہ ہے۔ اس رسالہ میں میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حاصل اس مسئلہ کا ربط الحادث بالقدیم ہے اور اس میں پانچ مذہب ہیں حکماء کے ان میں سے ایک مذہب یہ وحدۃ الوجود ہے ایسی حالت میں اس کو کتاب وسنت میں ٹھونسنا ضروری نہیں۔

غرض یہ مسئلہ دراصل علم کلام کا ہے لیکن صوفیہ نے اس سے اپنے مقاصد میں کام لیا ہے کیونکہ یہ معین مقصود ہے اور معین کا کتاب و سنت میں ہونا ضروری نہیں ہاں کتاب و سنت کا مصادم نہ ہونا ضروری ہے پس یہ مسئلہ بھی کتاب و سنت میں مذکور نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ انصاف کی بات یہی ہے صوفیہ نے اور چیزیں بھی محض اس لئے لی ہیں کہ وہ ان کے مقصود کی معین ہیں اور ان کے یہاں تو اتنی وسعت ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے جوگیہ کا حبس دم تک لے لیا ہے اور میں نے ایسی چیزوں کے لے لینے کی ایک اصل بھی نکالی ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول کریمؐ نے غزوہ خندق میں، خندق سے کام لیا۔ جب احزاب چڑھ آئے اور اندیشہ ہوا کہ دشمن شہر کے اندر گھس آئیں گے اور مسلمانوں کی کم جماعت تھی اور وہ بہت بڑی جماعت تھی تو ملوک عجم کی لڑائی کے موقع پر یہ عادت تھی کہ درمیان میں خندق کھود لیتے تھے۔ اس زمانہ میں توپ گولے تو تھے نہیں تیر تھے جو ایک حد خاص تک جاتے تھے اس وقت حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کی رائے دی حالانکہ یہ بادشاہان عجم کا فعل تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو قبول فرمایا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جس چیز کو لیا جائے وہ کتاب و سنت کے مصادم نہ ہو پس ایسی انتظامی چیزوں کو لے لینا جائز ہے مگر اس کا دین سمجھنا جائز نہیں۔ یہ سب تقریر ایک نووارد صاحب کے تشریف لانے پر فرمائی جو پیرزادہ بھی تھے۔ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کے بیٹھنے سے یہ جوش اٹھا باقی حقائق اہل حقائق ہی جانیں میں تو ایک بد استعداد طالب علم ہوں لیکن بزرگوں سے جو باتیں سنی ہیں ان کی بناء پر الحمد اللہ میں کہہ سکتا ہوں کہ طریق کی حقیقت میں مجھ کو کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ اب اس کو چاہے کوئی فخر سمجھے چاہے شکر بات یہ ہے کہ الحمد اللہ اہل اللہ کی محبت اور ادب میرے دل میں ہمیشہ سے ہے اس لئے کسی اللہ اللہ کرنے والے کے کسی قول کا گو میں خود قائل نہ ہوں لیکن تاویل اور توجیہ اس کی بھی ایسی کر دیتا ہوں کہ ان بزرگوں پر اعتراض وارد نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ دوکاندار نہ ہو غلطی میں مبتلا ہو۔ پھر فرمایا بعض لوگ اوجھڑی نہیں کھاتے چنانچہ مجھے بھی نفرت ہے گو جانتا ہوں کہ حلال ہے اور میں ہی نہیں بلکہ بہت لوگ بہت سی حلال چیزیں نہیں کھاتے کیونکہ وہ ان کو بالطبع مرغوب نہیں اسی طرح اس قسم کے مسائل جو کتاب و سنت میں منطوق نہیں مجھ کو بالطبع پسند نہیں۔ لیکن چونکہ اپنی ذات میں مصادم کتاب و سنت نہیں۔ بشرطیکہ حدود کے اندر رہو۔ اس لئے ایسے حضرات پر جو ان کے عامل یا قائل ہیں اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ جیسے نہ اوجھڑی کھانے والوں پر اعتراض کرنا چاہئے نہ کھانے

والوں پر چنانچہ میں خود وحدۃ الوجود اور مراقبہ توحید کی ممانعت کرتا ہوں کیونکہ عموماً" ان سے سالکین غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے ضیاء القلوب میں اس مسئلہ کا اور اس سے ممانعت کا ذکر کیا ہے میں نے ضیاء القلوب خود حضرت اقدس سے سبقاً" سبقاً" پڑھی ہے۔

(۲۰۳) تکدر کا سبب قبض بھی ہوتا ہے

حضرت اقدس مدظلہم العالی کی طبع مبارک آج تقریباً ایک ہفتہ سے ناساز ہے مگر باوجود نقاہت و اضمحلال اس حال میں بھی جوش فیض رسانی قلب مبارک میں بدستور موجزن ہے جس کا مشاہدہ حاضرین کو حیرت و استعجاب میں ڈالے ہوئے ہے۔

(۲۰۴) نفع کا مدار مناسبت پر ہے

آج ۱۰ صفر ۱۳۶۰ھ یوم یکشنبہ مطابق ۹ مارچ ۱۹۴۱ء بعد ظہر حسب معمول بغرض مزاج پرسی دولت خانہ پر خدام و طالبین حاضر خدمت بابرکت ہوئے ہم سب حاضر تھے کہ دوا تیار ہو کر پیش ہوئی نوش فرماتے وقت فرمایا کہ چشتیوں کو بعض نقشبندیہ بدعتی کہتے ہیں اور اپنے کو بہت متبع سنت سمجھتے ہیں حالانکہ حضرات چشتیہ کو اتباع سنت کا نہایت اہتمام رہا ہے میں نے تو چشتیوں کے اتباع سنت کی حکایتیں جمع کی ہیں تاکہ یہ بہتان جو ان پر بدعتی ہونے کا لگا ہے غلط ثابت ہو۔ انہی حکایتوں میں ایک یہ حکایت بھی ہے کہ جب حضرت کبیر الاولیاء جلال الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو ان کو دوا پیش کی گئی آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں بیٹھے پھر خادموں سے کہا مجھے اٹھا کر نیچے زمین پر بٹھلا دو۔ خادموں نے تعمیل حکم کی جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سریر پر کوئی چیز کھائی ہو دیکھئے خلاف احتمال سے بھی بچے اور اتنی مصیبت اٹھا کر زمین پر بیٹھے اس کے بعد دوا کھائی۔ بھلا ایسے حضرات بدعتی ہو سکتے ہیں کہ بدعتی کہہ دینا سخت بات ہے عام عادت ہو گئی ہے جو کہ اپنی وضع کے خلاف ہوا اس کو بدعتی سمجھ لیا ایسا ہرگز نہ چاہیے۔ بے تحقیق بدعتی سمجھنے پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا جلال الدین تھانیسری جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں وہ عالم بھی ہیں۔ حضرت شیخ تھانیسری کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے وہاں ایک جولاہا حضرت کا مرید تھا۔ وہ چونکہ دیندار تھا مولانا جلال الدین

کی خدمت میں بھی مسائل پوچھنے کو حاضر ہوتا تھا چونکہ مولانا اس زمانہ میں محض عالم تھے طریق میں داخل نہ ہوئے تھے ان میں ایک طالب علمانہ شوخی بھی تھی۔ جب حضرت شیخ آتے مولانا ان جولاہے مرید سے کہتے لو میاں وہ تمہارے نچنیا پیر آئے ہیں۔ نچنیا اس لئے کہتے کہ حضرت شیخ پر سماع میں وجد طاری ہو جاتا تھا جس کے اثر سے بے اختیار حرکت فرمانے لگتے تھے۔ نچنیا کے لفظ سے اس بے چارے مرید کو بڑا رنج ہوتا لیکن ان کی شان میں بھی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ حضرت شیخ خود علماء کا بہت ادب کرتے تھے۔ بہت دن تو صبر کیا لیکن ایک دن ہمت کر کے چغلی کھا ہی دی۔ عرض کیا کہ حضرت نہ مولانا کو چھوڑے ہی بنتا ہے نہ ان کے پاس جانے ہی کو جی چاہتا ہے وہ حضرت کی شان میں ایک بہت ہی بے ادبی کا کلمہ کہتے ہیں۔ پوچھنے پر اس نے وہی لفظ نچنیا کا نقل کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب کی بار ایسا کہیں تو کہہ دینا کہ جی ہاں حضور وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔ وہ یہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ خیر اب ان کی بات کا کوئی جواب تو ہے۔ پھر قصداً مولانا کی خدمت میں گیا اور خود حضرت شیخ کا ذکر چھیڑا۔ مولانا نے حسب عادت پھر وہی کہا کہ تمہارے نچنیا پیر آ گئے۔ اس نے وہی حضرت شیخ کا سکھلایا ہوا جواب دے دیا کہ جی ہاں وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔ بس یہ جواب سننا تھا کہ مولانا جلال الدین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے اور بے تاب ہو کر کہنے لگے کہ مجھے شیخ کی خدمت میں لے چلو۔ چنانچہ لوگ لے گئے بس خدمت میں پہنچتے ہی قدموں میں گر گئے اور عرض کیا کہ مجھے بیعت فرما لیجئے حضرت شیخ نے ان کی درخواست قبول فرمالی پھر وہ کام میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ کے اجل خلفاء میں سے ہوئے۔ ذکر و شغل میں جو حالات آپ پر طاری ہوئے وہ سب کتابوں میں لکھے ہیں۔ یا تو ایسے خشک عالم تھے یا پھر اتنے بڑے صاحب تصرف ہوئے کہ ان کی ایک حکایت ایک ثقہ مولوی صاحب نے بیان کی کہ تھانیسر ہندوؤں کی جگہ ہے وہاں ایک میلہ ہوتا تھا جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے تھے حضرت مولانا جلال الدین نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہوتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت یوں تو یہ ان کا مذہبی میلا ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کے باعث ہے ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے اور صاحب ریاضت ہے۔ اس میں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین میں غوطہ لگاتا ہے یہاں غوطہ لگاتا

ہے اور وہاں نکلتا ہے اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے یہ سن کر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے اب لوگوں کو تعجب کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے مگر کون بول سکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے وہاں لے چلو جہاں اس کا مرکز ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لے جا کر اس کے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا۔ جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا۔ غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہو گیا۔ آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھ دیا اب جوگی صاحب نہیں نکلتے۔ وہ وہیں زمین کے اندر رہ گیا اور مر گیا۔ وہ تو ختم ہو گیا اور آپ اپنا یہ کام کر کے چلے آئے۔ پہلے ایسے ایسے خوارق بزرگوں سے ظاہر ہوتے تھے۔ خود ان کے ذکر و شغل کے حالات عجیب و غریب لکھے ہیں۔ حضرت شیخ نے آپ کو سلطان الاذکار کا شغل تعلیم فرمایا تھا۔ اس کے اندر رعد۔ برق۔ بارش وغیرہ کثرت سے کیفیات نمودار ہوتی تھیں جنہیں وہ شیخ کی خدمت میں لکھتے تھے اور شیخ ان کی تحقیق فرماتے تھے۔ بعض مصنفین نے ان حالات کو ضبط بھی کر دیا ہے ایک صاحب نے استفسار کیا کہ اس جوگی کو جو اس طرح تصرف سے ہلاک کر دیا تو قتل کا گناہ تو نہ ہوا ہو گا۔ فرمایا کہ اول تو اس کا معاہد ہونا ثابت نہیں پھر ایسے گمراہ کرنے والے کو تعزیراً امام بھی قتل کر سکتا ہے۔

(۲۰۵) رسومات نے حقائق کو مستور کر رکھا ہے

حضرت اقدس مدظلہم العالی بعد صحت بھی مضمحل لیٹے ہوئے کچھ کچھ کراہ رہے تھے۔ مزاج پرسی پر ارشاد فرمایا کہ ضعف اور صحت جمع ہو سکتے ہیں کراہنے کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ ایک کراہنا تو تکلیف کا ہوتا ہے اور ایک کراہنا تکلیف کے بعد جو سکون ہوتا ہے اس سے ناشی ہوتا ہے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ سبحان اللہ حضرت نے یہ کیسی لطیف حقیقت مختلف حالتوں کی فرمائی۔ ان حالتوں کو محسوس تو ہر شخص کرتا ہے لیکن لفظوں میں تعبیر آج حضرت ہی سے سنی۔ فرمایا جی ہاں الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے وجدانیات کی بھی الفاظ میں تعبیر کر دینے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ پھر فرمایا وہ جو ایک تکدر تھا وہ الحمد اللہ اب نہیں ہے۔ اجابت ایک کھانے سے قبل اور ایک بعد ہو گئی اس سے بھی تکدر کی کیفیت جاتی رہی تکدر کا سبب قبض بھی ہوتا ہے۔ ایک بار اسی دوران میں قبض کی شکایت فرما کر مزاحاً" فرمایا سالکین کو تو قبض باطنی ہوتا

ہے مجھے قبض بطنی۔

(۲۰۶) حضرت حکیم الامت کی لطافت طبع

ایک طالب جنہوں نے تصوف کی کتابیں بالخصوص حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بہت دیکھی ہیں ان کے ذکر پر فرمایا کہ تصوف کی کتابیں دیکھنا بس ایسا ہی ہے جیسے الوان نعمت سے دیکھ کر گلگلے پکانا یہ صاحب تصوف کی مختلف کتابیں دیکھ کر بہت الجھنوں اور شبہات میں پڑ گئے تھے اور بہت سے علماء سے گفتگو کرنے کے بعد بھی ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ جس روز حضرت اقدس سے رخصت ہونے والے تھے اس روز باوجود غایت ضعف تقریباً" ڈیڑھ گھنٹہ تک مسلسل نہایت مفصل و مدلل اور نہایت موثر تقریر فرمائی جس سے ان صاحب کے تمام شبہات بالکل دور ہو گئے اور ساری الجھنیں جاتی رہیں۔ اس کے ذکر پر فرمایا کہ میرا کلام اس زمانہ کے مناسب ہے۔ اور پہلے حضرات کا اس زمانہ کے موافق تھا۔ اور مناسبت ہی سے نفع ہوتا ہے اس سے میرے کلام کی کوئی ترجیح ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے مجھ سے ایک بڑا مشکل سوال کیا۔ لکھا کہ کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے میں جتنی مجھ کو مدد بیان القرآن (تفسیر حضرت اقدس مدظلہم العالی) سے ملی اتنی دوسری تفسیروں سے بھی نہیں ملی یہاں تک کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (استاد حضرت اقدس مدظلہم العالی) کے ترجمہ سے بھی اتنی مدد نہیں ملی۔ اب یہاں بڑا مشکل سوال تھا کہ اگر ان کی تکذیب کرتا ہوں تو یہ ان کا بیان غلط ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ ان کا مشاہدہ تھا کیونکہ ان کو اعانت میری ہی تفسیر سے زیادہ ملی تھی اور اگر ان کے قول کی تصدیق کرتا ہوں تو یہ ایک قسم کا دعوی ہے۔ غرض انہوں نے لکھا کہ مجھے جو نفع بیان القرآن سے ہوا وہ کسی سے نہیں ہوا۔ اب غلبہ تواضع کا تو یہ مقتضاء تھا کہ لکھ دیتا لاحول ولاقوۃ کہاں میں کہاں وہ حضرات مگر اس کو عبدالماجد تو تسلیم نہ کرتے کیونکہ وہ ان کے مشاہدہ کے خلاف ہوتا اور اگر ان کے قول کی علی الاطلاق تصدیق کرتا تو یہ بدتمیزی کی بات تھی۔ الحمد للہ اللہ تعالی کی جانب سے ایک بہت اچھا جواب ذہن میں آیا جس میں دونوں پہلوؤں کی رعایت تھی۔ میں نے لکھا کہ نفع کا مدار مناسبت پر ہے چھوٹوں کو چھوٹوں سے مناسبت ہوتی ہے میں چھوٹا ہوں آپ بھی چھوٹے ہیں اس لئے آپ کو میرے کلام سے زیادہ نفع ہوا اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب بڑے ہیں ان سے بڑوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس

جواب سے وہ متحیر ہو گئے دیکھئے قانون شیخ کی عبارت تو ایسی بے ربط ہے جس کی انتہاء نہیں لیکن اس کے اندر طب کے حقائق و معانی و اصول ایسے مندرج ہیں کہ یقیناً" اس کے بعد اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب فن طب میں نہیں لکھی گئی۔ باوجود اس کے اس میں جو نسخے ہیں وہ اسی زمانہ کے لوگوں کے موافق تھے اگر ان نسخوں کو انہی اوزان کے ساتھ اس زمانہ میں استعمال کیا جائے تو بجز کلفت کے اور کچھ نتیجہ نہیں کیونکہ اب قوی عموماً" بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ اس زمانہ میں قوی بہت مضبوط ہوتے تھے۔ اگر کم مقدار میں دوائیں تجویز کی جاتیں تو وہ موثر ہی نہ ہوتیں لہٰذا اب ضرورت ہے کہ اس زمانہ کے طبائع کے مناسب نسخے تجویز کئے جائیں۔ بلکہ خود اس زمانہ کے لوگوں کے طبائع بھی مختلف ہیں۔ طبائع میں اتنا اختلاف ہے کہ کانپور میں مولوی فخر الحسن صاحب بڑے ماہر طبیب تھے لیکن چونکہ ان کو خاص مزاج کے لوگوں کے علاج کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے انہوں نے میرے لئے بھی ویسے ہی اوزان کے ساتھ نسخہ تجویز کیا جیسی ان کو اوروں کے لئے لکھنے کی عادت تھی میں چونکہ اپنی طبیعت کے ضعف سے واقف تھا میں نے کبھی پورا نسخہ نہیں پیا۔ بس آدھا نسخہ پیتا تھا۔ بڑے گھر میں سے وہیں تھیں۔ انہوں نے کہا یہ کیا کیا کرتے ہو پورا نسخہ پینا چاہیے۔ میں نے کہا کہ اپنی طبیعت کی مجھے زیادہ خبر ہے مجھے آدھے نسخہ سے زیادہ کا تحمل نہ ہوگا انہوں نے اصرار کیا تو میں نے کہا کہ اچھا آج پورا ہی بنا دو چنانچہ انہوں نے پورا بنا دیا لیکن پینا تھا کہ اسی وقت قے ہو گئی۔ غرض ہر زمانہ کی ضرورت جدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جو میری تالیفات ہیں۔ یہ اس زمانہ کی طبیعتوں کا لحاظ کر کے لکھی گئی ہیں۔ نبی کو بھی نماز میں سہو ہو جاتا ہے تو پھر اس پر یہ سخت اشکال واقع ہوتا ہے کہ پیغمبر نماز میں کیوں بھولتے تھے اس کا جواب سنئے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھی استحضار کی کمی سے سہو ہوتا تھا مگر فرق یہ ہے کہ ہمیں جو عدم توجہ الی الصلوۃ سے ہوتا ہے اس وقت توجہ نماز سے اسفل چیزوں کی طرف ہوتی ہے اور ان حضرات کی عدم توجہ الی الصلوۃ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ نماز سے بھی جو چیز فوق ہے اس وقت ان کی توجہ اس پر ہوتی ہے غرض ان کی وجہ اس وقت نماز سے اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ہماری توجہ نماز سے نیچے کی طرف ہوتی ہے۔ (اشکال از جامع) حدیث شریف میں حضورؐ کے التباس کا سبب مقتدیوں کا اچھی طرح وضو کر کے نہ آنا ارشاد فرمایا گیا ہے اس کو حل فرما دیا جائے۔

جواب۔ حکم مذکور اکثری ہے اور ایسے التباس کا سبب ہونا یہ کبھی کبھی لطافت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ بالاضطرار مختلف اشیاء کا حضور تبعاً" موجب التباس ہو جاتا ہے پس کوئی تعارض نہیں رہا۔ پھر فرمایا اس قسم کی تدقیقات درسیات میں کہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ محض اصطلاحات سے کیا ہوتا ہے کسی محقق کی جوتیاں سیدھی کرنے سے علم حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہی تدقیق اور یاد آئی۔ یہاں ایک صاحب آئے تھے وہ غیر مقلد تھے اور ایسے بے باک تھے کہ آنے سے قبل مجھ کو لکھا تھا کہ میں جانچ کرنے کے لئے آرہا ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ جانچ کرنے کے لئے کیوں آرہے ہیں میں نے دعوی کیا ہے کسی کمال کا۔ غرض وہ آئے اور مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اس نے مجھ سے پوچھا کہ مجھ پر نفسانی خواہش کا غلبہ ہے جوان آدمی تھے نکاح کی وسعت نہیں تھی مجھ سے پوچھا کہ ایسی حالت میں کیا کروں۔ میں نے ابھی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ آپ بولے روزے رکھا کرو حدیث میں اس کا یہی علاج بتلایا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے روزے بھی رکھے مگر ان سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بس وہ ختم ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ کو کہا کس نے تھا دخل دینے کو جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تب میں نے اس شخص سے سوال کیا کہ تم نے کتنے روزے رکھے تھے اس نے کہا کہ جی کبھی دو تین رکھ لئے کبھی چار پانچ رکھ لئے میں نے کہا کہ حدیث میں ہے فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ یہ میں نے ان کے سنانے کو کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے روزے رکھنا اور مسلسل روزے رکھنا ایسے حال میں مفید ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف گاہ گاہ دو چار روزے رکھ لینا۔ اب ان کو حیرت تھی کہ حدیث میں تو کثرت کا کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ علیہ لزوم پر دال ہے اور لزوم کے دو درجہ ہوتے ہیں ایک اعتقادی ایک عملی۔ یہاں اعتقادی درجہ تو مراد ہے نہیں کیونکہ یہ روزے فرض نہیں بلکہ عملی درجہ مراد ہے اور وہ ہوتا ہے تکرار سے جب کہ بار بار عمل کیا جاوے اور عادۃ لازم کر لیا جائے۔ اور میں نے کہا کہ دیکھو اس کی ایک ظاہر تائید ہے رمضان شریف میں مسلسل ایک مہینہ تک روزے رکھے جاتے ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ شروع رمضان میں تو قوت بہیمیہ شکستہ نہیں ہوتی بلکہ رطوبات فضلیہ کے سوخت ہو جانے کی وجہ سے اس قوت میں اور انتعاش ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ضعف بڑھتا جاتا ہے یہاں تک

کہ اخیر میں پورا ضعف ہوتا ہے جس سے قوت بہیمیہ شکستہ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت روزوں کی کثرت متحقق ہو جاتی ہے پھر میں نے اس شخص سے کہا کہ جب اتنے روزے رکھو گے تب اثر ظاہر ہو گا۔ جب اتنے روزے رکھ کر بھی فائدہ نہ ہو تب آکر اشکال کرنا۔ میری اس تقریر کو سن کر مولانا کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھئے حدیث تو انہوں نے پڑھ دی اور اس کا مطلب کچھ نہ سمجھے۔ ان ہی مولانا صاحب کے عقائد دیکھئے ایک خط میں لکھا کہ ملائکہ مجردات سے ہیں اتنے ناواقف آدمی ہیں۔ پھر اوپر سے ناز بھی ہے کہ میں معقولی ہوں۔ مگر باوجود اس کے کہ میں انہیں کم علم سمجھتا ہوں انہوں نے تفسیر میں ایک مشورہ دیا تو چونکہ وہ صحیح تھا اس لئے میں نے اس کو بے تامل قبول کر لیا اور اپنی تفسیر کے سات مقام ان کے مشورہ کے مطابق صحیح کر دیئے کیونکہ انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال یعنی کہنے والے کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ بات کو دیکھنا چاہیے کہ کیسی ہے۔ انہیں اس کا بھی فخر ہے کہ میں نے تفسیر میں اصلاح دی حالانکہ فخر تو میں کر سکتا ہوں کہ ایسے کم علم کے مشورہ کو بھی قبول کر لیا کیونکہ وہ اتفاق سے صحیح تھا۔ یہ صاحب فلاں شہر میں طبیب ہیں لیکن معلوم ہوا کہ وہاں کسی کے قلب میں ان کی وقعت نہیں۔ گئو رکھشا کی حمایت میں بھی انہوں نے ایک مضمون لکھا تھا کیونکہ ان کے معالج ہندو زیادہ ہیں۔ ایک سفر میں مجھ سے ملنے آئے تھے تو سیاہ خضاب لگا ہوا تھا لوگ انہیں دیکھ کر کہتے تھے کہ وہ آئے سیاہ رو وہ آئے سیاہ رو۔ بیوی کی خاطر سیاہ خضاب لگاتے تھے مگر کیا بیوی کو یہ خبر نہ ہوگی کہ میاں کی سفید داڑھی ہے۔ یہ صاحب غیر مقلد ہیں مگر قدرے معتدل پھر حضرت اقدس نے اسی سلسلہ گفتگو میں اکثر غیر مقلدین کی قلت درایت پر فرمایا کہ بعض لوگ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر کہ اگر نماز پڑھتے میں کوئی سامنے سے گزرے تو اس سے لڑے نہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں تو صاف حکم ہے اور پھر امام صاحب اس کی ممانعت کرتے ہیں مگر اس اعتراض میں تدبر سے کام نہیں لیا گیا ورنہ معلوم ہو جاتا کہ امام صاحب کے اس قول کا ماخذ ایک بہت موٹی بات ہے یہ دیکھنا چاہئے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو ہٹانے سے مقصود کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز کی حفاظت مقصود ہے اور نماز میں دو چیزیں ہیں ایک نماز کی ذات اور ایک اس کی صفت۔ ذات تو یہی ہے جو نماز کی ہیئت ہے یعنی اس کے مختلف ارکان اور اس کی صفت اس کا کمال ہے اور کمال صلوۃ کا یہ ہے کہ اس میں

خشوع بھی ہو سترہ جو کھڑا کرتے ہیں وہ بھی تحصیل خشوع ہی کے لئے ہے تاکہ طبیعت نہ بٹے اور سامنے سے گذرنے والے کو ہٹانا بھی اسی واسطے ہے کہ نماز کے کمال خشوع میں اس کے گذرنے سے خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور ستروں کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ سامنے سے گذرنے والے کو خود ہٹانا نہ پڑے بلکہ وہ خود ہی بچ جائے سترہ کے اندر سے نہ گذرے۔ اس تمہید کے بعد اب غور کیجئے کہ صفت تابع ذات کے ہوتی ہے یا کہ ذات صفت کی تابع ہوتی ہے ظاہر ہے کہ صفت ہی تابع ہوتی ہے۔ پس اگر صفت کی ایسی حفاظت کی جائے جس سے ذات ہی غائب ہو جائے ظاہر ہے کہ ممنوع ہوگی۔ اب سمجھو کہ جب تم سامنے سے گذرنے والے سے لڑو گے تو کیا وہ تم سے نہیں لڑے گا اور جب ہاتھا پائی ہوئی تو نماز ہی کہاں رہی جو اس کی صفت کی حفاظت کی ضرورت ہو۔ اس واسطے امام صاحب نے اس کی ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں جو فلیقاتل آتا ہے وہ زجر ہے تاکہ گذرنے والے کو اس حرکت کا پورا قبح معلوم ہو جائے۔ مقصود دراصل لڑائی نہیں ہے۔ بس اس پر خواہ مخواہ امام صاحب پر اعتراض ہے حالانکہ خود ہی حدیث کا مطلب نہیں سمجھے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(۲۰۷) خودرائی کا مرض

حضرت اقدس مدظلہم العالی کی طبع مبارک فطرۃً نہایت لطیف ہے جیسا کہ رات دن مشاہدہ میں آتا ہے اور اب تو حضرت اقدس گویا بس سراپا لطافت ہی لطافت ہو گئے ہیں۔ سنترہ جیسی لطیف شے بھی تناول فرما کر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پیٹ میں پتھر اڑ گئے پھر فرمایا کہ لوگ ہدیہ بھی اپنی رغبت کے مطابق دیتے ہیں حالانکہ ایسی چیز ہدیہ دینی چاہئے جو مہدی الیہ کو مرغوب ہو اور اس کا بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ قبل ہدیہ کے خود اس سے پوچھ لے لیکن رسموں نے حقائق کو مستور کر رکھا ہے اور ایسا کرنا جانبین سے خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ موٹی بات ہے کہ اس میں دونوں کی سراسر مصلحت ہے کہ دینے والے کے تو دام خرچ ہوئے اور وہ چیز میرے کام بھی نہ آئی بالخصوص آج کل تو علاوہ غذا کے اوپر کی کوئی اور چیز موافق آتی ہی نہیں۔ اب دیکھئے سنترہ کیسی لطیف چیز ہے مگر اس کو کھا کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پیٹ میں پتھر اڑ گئے جو صاحب سنترے لائے ہیں ان کی تو خاصی رقم لگ گئی اور

میرے ذمہ یہ الٹا کام بڑھ گیا کہ دوسروں کو تقسیم کروں پھر اس کا بھی افسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر احسان تو ہوا مگر مجھ کو کوئی فائدہ نہ ہوا رہا دوسروں کو تقسیم کرنا اگر کوئی اس کو فائدہ کہے تو اس کے متعلق میرا مذاق وہی ہے جو حضرت مرزا جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ ایک معتقد اسی طرح کوئی ایسی چیز ہدیہ لے آیا جس کو مرزا صاحب بوجہ عدم حاجت کے لینا نہ چاہتے تھے۔ آپ نے یہی عذر کر کے لینے سے انکار کیا تو اس نے عرض کیا کہ لیکر اوروں کو تقسیم کر دیجئے۔ اس پر مرزا صاحب نے فرمایا میں کیوں تقسیم کروں خود تقسیم کر دو میں خواہ مخواہ کیوں تشویش میں پڑوں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ نے بھی ایک نواب صاحب کو جنھوں نے اپنی جائداد کا انتظام کر کے مکہ معظمہ قیام کرنے کی اطلاع دی تھی منجملہ دیگر مضامین کے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کسی ایسے معتمد کے انتظام میں چھوڑ کر آئیں کہ آپ کو یہاں آکر بالکل بے فکری رہے اور ماہوار خرچ یہاں بیٹھے پہنچتا رہے لیکن مساکین اور مستحقین کی تقسیم کے لئے اپنے پاس کچھ نہ منگائیں اس کا انتظام بھی وہیں کر کے آئیں۔ دیکھئے ظاہر میں یہ کیسی وحشت ناک بات ہے لیکن حضرت نے اس کی مصلحت یہ تحریر فرمائی کہ یہاں رہنے والے کو ہر قسم کی تشویش سے بچنا چاہئے تاکہ بالکل یکسوئی کے ساتھ یہاں رہنا نصیب ہو اور کسی قسم کی فکر مخل جمعیت نہ ہو۔ رہا یہ کہ یہ سخاوت کے خلاف ہے تو ہر شخص کی سخاوت جدا ہے۔ پھر یہ شعر تحریر فرمایا۔

نان داون خود سخائے صادق است
جان دادن خود سخائے عاشق است

بس یہاں مکہ میں تو عاشقوں کی سخاوت لیکر بیٹھنا چاہئے اور زاہدوں کی سخاوت کا انتظام وہیں ہندوستان میں کر کے آئے اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ میں نے حضرت حاجی صاحب کا وہ خط مولوی شبیر علی کو دیدیا کہ وہ کسی رسالہ میں اس کو چھپوا دیں۔

(۲۰۸) حضرت حکیم الامت کا اصل مذاق

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں خود سے تو متاثر ہوتا ہوں لیکن الحمدللہ طمع سے متاثر نہیں ہوتا۔ چاہے دل میں طمع ہو یہ اللہ ہی کو خبر ہے میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی۔ لیکن طمع ظاہر کبھی نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اس میں

دین کی بے عزتی ہے۔ خوف سے متاثر ہونے کے ذکر پر یہ مثال بھی ارشاد فرمائی کہ اگر کوئی گولی مارنے پر آمادہ ہو تو کیا اس سے بھی خوف نہ کیا جائے گا۔ خوف سے متاثر ہونا تو بوجہ ضرورت کے ہے کیونکہ دفع ضرر ضروری ہے۔ بجز ایسے مواقع کے جہاں دفع ضرر کی بھی اجازت نہ ہو مثلاً" جہاد میں جان کے ضرر کا غالب گمان ہے لیکن اس ضرر کو گوارا کرنا واجب ہے اس لئے وہاں خوف سے بھی متاثر ہونا جائز نہ ہو گا۔ باقی اس کے علاوہ مواقع پر خوف سے متاثر ہونے کی تو یہاں تک اجازت ہے کہ اگر جان کسی اور طرح نہ بچتی ہو تو کفر کا کلمہ تک کہہ لینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسر صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی موقع پر اپنے ہی اجتہاد سے کفر کا کلمہ کہہ لیا تھا جبکہ کفار نے ان کو یہ کہہ کر مجبور کیا تھا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرو ورنہ ابھی تم کو قتل کر دیں گے پھر اس طرح اپنی جان بچا کر روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں پہنچے اور سارا واقعہ نقل کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ دیکھئے انہوں نے خوف سے متاثر ہو کر بظاہر کفر اختیار کیا اس خوف کو مذموم نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس کو ایسا مبارک قرار دیا گیا کہ ہمیشہ کے لئے ایک دینی قانون میں ایسے خوف کو جائز کر دیا گیا۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کے اس شعر کی یہی شرح فرماتے تھے۔

ہر چہ گیرد علتے علت شود　　کفر گیرد کاملے ملت شود

فرماتے تھے کہ دیکھو منافق کلمہ پڑھتا ہے کہ وہ عبادت ہے لیکن چونکہ وہ علتی ہے اس لئے اس کی یہ عبادت بھی اس کے لئے سبب زیادت عقوبت کا ہو گئی کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ چونکہ کامل تھے انہوں نے بہ ظاہر کفر اختیار کیا تو وہ بھی ملت ہو گیا اور ساری امت کے حق میں قیامت تک کے لئے رحمت ہو گیا۔

(۲۰۹) حضرت حکیم الامت کی منتظم طبیعت

حضرت اقدس مدظلہم العالی نزاکت ولطافت طبع میں اپنے وقت کے گویا بالکل حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ کل ہی کی بات ہے (یعنی شنبہ ۳۰ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۴۱ء) کہ ایک اپنے بہت قدیم خادم سے بعد ظہر بے دودھ کی چائے کی بے تکلف

فرمائش کی جیساکہ اس سے قبل بھی گاہ گاہ فرمائش کا معمول تھا۔ کیونکہ خادم مذکور نے خود بار بار یہ عرض کرکے کہ میرے یہاں چائے کا سب انتظام بوجہ عادی ہونے کے رہتا ہے کوئی خاص تکلف نہیں کرنا پڑتا اور خود میرے لئے بنتی ہی ہے حضرت اقدس اس ادنی خدمت کا شرف احقر کو بخشیں تو بڑی عنایت ہو چونکہ حضرت اقدس میں جہاں غایت استغناء ہے وہاں بے تکلف خدام سے کوئی تکلف بھی نہیں ہے اس لئے اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ جس خاص مقدار میں چائے کی پتی حضرت اقدس کے لئے دودھ ملی ہوئی چائے میں ڈالی جاتی تھی چائے بنانے والے نے اس مرتبہ سادی چائے کے لئے بھی اسی مقدار میں پتی ڈال دی۔ جس سے چائے قدرے تیز ہو گئی حضرت اقدس نے مشکل سے صرف نصف پیالی پی کر چھوڑدی کہ بوجہ تیز ہو جانے کے اب نہیں پی جاتی۔ باوجود اتنی کم مقدار ہونے کے بھی بوجہ اس خفیف سے فرق کے حضرت اقدس کی طبع لطیف پر فوراً" اس درجہ یبس و حرارت کا اثر ہوا کہ بہت سخت توحش پیدا ہو گیا اتنا کہ فرماتے تھے کہ رات کیونکر کٹے گی۔ حسن اتفاق سے حضرت کے پورے مزاج شناس اور نہایت مخلص و مقدس معالج جناب مولانا حکیم خلیل احمد صاحب سہارنپوری جو حضرت اقدس کے خلیفہ مجاز بھی ہیں تشریف رکھتے تھے انہوں نے بعد مغرب ایک مفرح نسخہ تجویز فرمایا اس کو نوش فرماتے ہی سکون شروع ہو گیا اور قبل عشاء طبیعت بفضلہ تعالیٰ بالکل صاف ہو گئی۔ حضرت اقدس کی طبع مبارک فطرۃ" اس درجہ لطیف اور حساس واقع ہوئی ہے کہ جس طرح مضر چیز کا فوراً" اثر محسوس ہوتا ہے اسی طرح نافع چیز کا بھی فوراً" اثر محسوس ہوتا ہے چنانچہ کل کے واقعہ سے اس کا بخوبی مشاہدہ ہو گیا اور یہی ایک واقعہ کیا حضرت اقدس کے غایت ذکاء حس کے صدہا واقعات ہیں اور پاس رہنے والے رات دن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں حضرت اقدس نے اس موقع پر بھی مثل سابق تاسف کے لہجہ میں فرمایا جب میری طبیعت ہی فطرۃ" اتنی ضعیف ہے تو میں اس کو کیسے بدل دوں۔ اسی طرح جن کو لوگ چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھتے ہیں ان کا بھی میرے اوپر اتنا زیادہ اثر ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے ایسے مواقع پر اس کا علاج یہی ہے کہ میں اپنی ایذاء کا اظہار کردیتا ہوں اس سے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا بد مزاج ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ مجھے ذرا ذرا سی بات سے کس درجہ ایذا پہنچتی ہے جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ اگر کسی کی کسی حرکت پر غصہ آیا اور اس کا کسی

وجہ سے اظہار نہ کرسکا تو مجھ کو فوراً" بخار چڑھ آتا تھا۔ طبیعت ہی ایسی نازک اور ضعیف واقع ہوئی ہے تو میں اس کا کیا علاج کروں طبیبوں نے تو ذکاء حس کو مرض قرار دیا ہے گو عقیدت سے کوئی اس کو لطافت سے تعبیر کرے۔ اس پر جناب حکیم صاحب نے جن کا ذکر اوپر آیا ہے فرمایا کہ طبیبوں نے ذکاء حس کی بہت تعریفیں بھی لکھی ہیں اس موقع پر انہیں حکیم صاحب ممدوح کا جو حضرت اقدس مد ظلہم العالی کے معالج خاص ہیں ایک اور قول یاد آیا کہ حضرت کا مزاج طبی بالکل پانچ سات برس کے بچہ کا سا ہے اور میں اسی معیار پر حضرت اقدس کے لئے اوزان و اجزاء تجویز کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر اس معیار سے ذرا تجاوز کروں تو وہ نسخہ کبھی موافق نہ آئے۔ اس سے بھی حضرت اقدس مد ظلہم العالی کا غیر معمولی طور پر لطیف المزاج ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لوگ یا تو ناواقف ہیں یا معاند ہیں جو حضرت اقدس کی نازک مزاجی پر اعتراض کرتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا سبب یہی ہے کہ وہ حضرت اقدس جیسے ذکی الحس کو بھی اپنی ہی طرح غیر حساس سمجھتے ہیں ورنہ کبھی اعتراض نہ کرتے اور امید ہے کہ اس کشف حقیقت کے بعد اب بجائے اعتراض کے یہ کہیں گے۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

حقیقت الامر یہ ہے کہ بوجہ عام بد مذاقی اور غلبہ رسوم کے وہ امور معاشرت جو دراصل بہت ضروری اور قابل اہتمام ہیں اور جن کے خلاف کرنے پر حضرت اقدس مد ظلہم العالی نہایت شدومد کے ساتھ تنبیہات فرمایا کرتے ہیں عموماً" بہت معمولی اور غیر قابل اہتمام سمجھے جاتے ہیں اور حضرت اقدس کو ان کا بہت زیادہ اہتمام ہے کیونکہ وہ شرعاً" بہت ضروری ہیں بلکہ حسب ارشاد حضرت اقدس بعض وجوہ سے عبادت سے بھی زیادہ ضروری ہیں اس لئے کہ عبادت میں اگر کوتاہی کی جائے تو یہ خود اپنا نقصان ہے بخلاف امور معاشرت میں کوتاہی کرنے کے جس سے دوسروں کو ایذاء پہنچتی ہے اور حقوق العباد فوت ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت اقدس کا ایک ارشاد یاد آیا۔ فرمایا کہ خدمت تجدید میں یہ بھی داخل ہے کہ علاوہ شرائع کی اصلاح کے معاشرت کی بھی اصلاح کی جائے ایک بار فرمایا کہ بعض مجددین ایسے گذرے ہیں کہ جنھوں نے صرف شرائع کی اصلاح کی ہے اور بعض نے صرف معاشرت کی اور بعض نے دونوں کی اھ۔ جامع عرض کرتا ہے کہ (الحمدللہ) بفضلہ تعالیٰ حضرت اقدس نے دونوں کی اصلاح

بدرجہ اتم فرمائی ہے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ فالحمدللہ

کہ یار ما ایں دارد و آن نیز ہم

خادم مذکور کو اس چائے کے واقعہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں فرمائش کر کے بھی پچھتایا اور یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ سب کام نوکروں ہی کے سپرد نہ کر دینا چاہئے خود بھی نگرانی رکھنی چاہئے۔ نیز جو خاص جزو اس کام کا ہو اس کو تو خود ہی کرنا چاہئے مثلاً" چائے کی پتی خود ڈالنی چاہئے تھی کیونکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں اور اس کو خود نہ کرنے کے نتائج خراب ہیں چنانچہ اس کا مشاہدہ آج ہی کے واقعہ میں اچھی طرح ہو گیا۔ حکیم صاحب کو تو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں تنفس کا دورہ نہ پڑ جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص یہ احتیاط خود اپنے معاملہ میں چاہے کرے یا نہ کرے لیکن اپنے کسی عزیز یا متعلق کے معاملہ میں خاص طور سے ضروری ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ یوں تو باوجود احتیاط کے بھی غلطی ہو جاتی ہے لیکن اس پر افسوس نہیں ہوتا۔ اگر ماہر اور باسلیقہ جس میں فکر اور اہتمام بھی ہو اس چائے کے معاملہ میں غلطی کرتا تو باوجود اس شدید نقصان کے جو مجھے پہنچا مجھے افسوس نہ ہوتا۔ کیونکہ ماہر سے بھی کبھی کبھی غلطی ہو ہی جاتی ہے یہ بھی فرمایا کہ نوکروں کو کبھی بے فکر نہ ہونے دے۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھے کہ ان کو ہمیشہ یہ خیال رہے کہ ہم پر اعتماد نہیں ہے ویسے دل سے ان کی مطلق تحقیر نہ ہو بلکہ اپنا بھائی سمجھے۔

(۲۱۰) حضرت حکیم الامت پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات

کسی ذاکر کے ہاتھ سے ایک سپرد کیا ہوا کام بگڑ جانے پر بسلسلہ تنبیہ فرمایا کہ لوگوں میں یہ عام مرض ہے کہ تخمینی چیز کو تحقیق سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جب میں موجود ہوں تو جہاں شبہ ہو مجھ سے خود تحقیق کر لیں اپنے قیاس اور تخمین پر کیوں عمل کریں۔ بس اس کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ سب خرابی ہے کبر کی۔ اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں۔ اور یہ مرض ایسا عام ہے یعنی اپنی رائے کو کافی سمجھنا کہ عورتوں اور مردوں سب میں ہے جس سے سخت سخت غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی اپنی رائے کو کافی نہ سمجھے گا تو خود اجتہاد کرنے کی ہرگز جرات نہ کرے گا بلکہ جہاں شبہ ہو دوسرے سے تو پوچھ لے گا۔ یہی راز ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتہاد کرنا جائز نہ تھا کیونکہ حضورؐ خود تشریف فرما تھے تو اجتہاد کی ضرورت ہی نہ

تھی ہر شبہ میں خود حضورؐ ہی سے استفتاء ہو سکتا تھا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا۔ ہاں غائب کو اجتہاد اس زمانہ میں بھی جائز تھا۔ کیونکہ ضرورت کے وقت جب استفتاء حضورؐ سے نہ ہو سکے اجتہاد جائز تھا مثلاً "سفر میں حضرت عمروؓ بن العاص کو سردی کی رات میں احتلام ہوا غسل کرتے ہوئے اندیشہ ہلاکت کا ہوا۔ انہوں نے آیت وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا سے اجتہاد کرکے تیمم کر لیا اور واپسی میں حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے خلاف میں کچھ نہیں فرمایا (جمع الفوائد) غرض صحابہؓ ہر جگہ احتیاط فرماتے تھے حتی کہ حضورؐ جب کوئی استفسار فرماتے تو بجائے اپنی رائے ظاہر کرنے کے یہ کہہ دیتے کہ اللہ ورسولہ اعلم یہ حضرات تو حضورؐ کے سامنے اپنے علم کو جہل اور اپنے عمل کو تعطل اپنی رائے کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ ہر امر میں بس حضور کے ارشاد کے منتظر رہتے تھے خود رائے زنی اور اجتہاد نہ کرتے تھے۔ مگر اب یہ مرض ایسا عام ہو گیا ہے کہ اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہی معاملہ میں نہیں بلکہ دوسروں کے معاملہ میں بھی خیر اپنے معاملہ میں رائے زنی کرے تو اختیار ہے کیونکہ اگر اس کا ضرر ہو گا تو خود اسی کو ہو گا لیکن دوسرے کے سپرد کئے ہوئے معاملہ میں تو اسی کی رائے پر عمل کرنا چاہئے اور جہاں اشتباہ ہو وہاں خود اسی سے مکرر پوچھ لینا چاہئے

اس ملفوظ کے جو صاحب مخاطب تھے انہوں نے جو غلطی کی تھی اس کی بقدر ضرورت تفصیل بھی اس مقام پر ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے حضرت اقدس کے ارشادات کماحقہ سمجھ ہی میں نہ آسکیں گے واقعہ یہ تھا کہ ایک انگریزی خواں بی۔اے پنجابی جو ایک شریف ہندو قوم کا تھا حضرت اقدس کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اور حضرت اقدس کے فیض صحبت کا ان نو مسلم صاحب پر بہت نمایاں اثر ہوا بلکہ ان کو اسلام لانے کی توفیق بھی حضرت اقدس ہی کی تصانیف نافعہ دیکھ کر ہوئی بالخصوص سائنس و اسلام جو ان کے شبہات کے زائل ہونے میں بہت معین ہوئی اور ان کو اسقدر پسند آئی کہ حضرت اقدس سے اس کے انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ ان کے لئے حضرت اقدس نے کچھ روپیہ اپنی جیب خاص سے شروع میں عطا فرمایا۔ بعد کو جب انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کیا اس وقت مزید رقم دو سروں کی ان رقوم میں سے جو امور خیر میں صرف کرنے کے لئے حضرت اقدس کے پاس امانت رکھی

ہوئی تھی مخاطب ملفوظ ہذا کے واسطہ سے مرحمت فرمائی اور وہ اتنی تھی کہ وطن تک پہنچنے کا کرایہ دیا جا سکے اور وطن پہنچ کر اس وقت تک کے لئے خوراک کا انتظام ہو سکے جب تک کہ وہ حسب دستور سابق خانگی تعلیم انگریزی کی معلمی اپنی بسر اوقات کے لئے تلاش کر سکیں حضرت اقدس نے ان صاحب کو جو واسطہ تھے یہ ہدایت بھی فرمادی تھی کہ اس رقم کو انہیں کے حوالہ کر دیا جائے اور ان کا باقاعدہ قبضہ کرا دیا جائے پھر بعد کو اگر وہ امانت رکھوانا چاہیں تو اپنے پاس رکھ لیا جائے۔ واسطہ صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ بجائے اسی وقت قبضہ کرا دینے کے اس رقم کو اپنے پاس بطور امانت رکھ لیا تاکہ جب وہ جانے لگیں تو ان کو وطن تک جانے کے لئے ریل کا ٹکٹ لے دیں اور خود ان کو اس رقم عطا کردہ حضرت اقدس کو اطلاع بھی نہ دی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کو ایک دوسرے صاحب سے کرایہ کے لئے قرض لینے کی درخواست کرنی پڑی۔ نیز حسب ارشاد حضرت اقدس اسی وقت قبضہ نہ کرا دینے میں یہ خرابی بھی واقع ہوئی کہ جس کار خیر کے لئے وہ رقم نکالی گئی تھی اس میں بلا ضرورت تاخیر ہوئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر فوراً قبضہ کرا دینے کے بعد پھر ان کی طرف سے بطور امانت یہ رقم رکھ لی جاتی جیسا کہ میں نے بالتصریح کہہ دیا تھا تو یہ خرابیاں واقع نہ ہوتیں۔ لوگوں میں خود رائی بہت بڑھ گئی ہے پھر ان صاحب سے تنبیہاً فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ دنیا کی عقل نہیں ہے لیکن دین کی عقل کم ہے اس کمی کو پورا کرنا چاہیے جس کا ذریعہ اتباع و توجہ ہے۔

(۲۱۱) منتسبین حضرت حاجی صاحب کو بشارت حسن خاتمہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا اصل مذاق طالب علمی ہے اور درویشی اس کی فرع اور لوگ الٹا سمجھتے ہیں۔ میرے دارو گیر کے طریق پر لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طرز نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ اہل الرائے بھی تو نہیں تھے اشاروں پر چلتے تھے اور اب رائے رکھتے ہیں فہم تو ہے نہیں اور دعوی ہے اس لئے دارو گیر کی ضرورت ہے۔

(۲۱۲) حضرت حکیم الامت کی شان علم

آج بتاریخ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۶۰ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۴۱ء ڈاک ختم کرتے ہی حضرت اقدس غایت ضعف کے باعث تکیہ اور دیوار کا سہارا لگا کر استراحت فرمانے لگے پھر فرمایا کہ جب تک ڈاک

لکھتا رہا بیٹھا رہا اب ایک منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتا اور اگر ضرورت ہوتی تو اب بھی دو گھنٹہ تک بلا تکان محسوس کئے ہوئے برابر بیٹھا رہتا۔ طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا منظم بنایا ہے کہ جب تک ضرورت رہتی ہے طبیعت کام کے لئے آمادہ رہتی ہے اور جب ضرورت نہیں رہتی پھر بالکل آمادہ نہیں رہتی احقر عرض کرتا ہے کہ اس کا تو رات دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ضعف ہی کی حالت میں نہیں بلکہ بیماری کی حالت میں بھی ضرورت کے وقت تحریر و تقریر میں حضرت اقدس اس طرح مشغول ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات گھنٹوں اس طور پر مشغول رہتے ہیں کہ گویا کبھی بیمار ہی نہ تھے جس سے دیکھنے والوں کو حیرت ہو جاتی ہے چنانچہ تھوڑے عرصہ کا واقعہ ہے کہ ایک نو تعلیم یافتہ جو بڑے رئیس اور عہدہ دار تھے اور جن کو بعد پنشن اپنی اصلاح کی اور طریق باطن کی ایسی طلب پیدا ہوئی تھی کہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں آکر قیام پذیر ہوئے تھے وہ معتدبہ قیام کے بعد واپس ہو رہے تھے ان کو تقدیر وغیرہ کے متعلق بہت سخت اشکالات تھے جن کو وہ متعدد اکابر علماء کی خدمت میں بھی پیش کر چکے لیکن پوری تسلی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ ان کی واپسی سے ایک روز قبل حضرت اقدس کو ایسا شدید بخار چڑھا کہ باوجود سہارا دینے والوں کے بھی چلنا سخت دشوار تھا باوجود شدید ضعف و نقاہت کے بھی حضرت اقدس نے اس وقت جب کہ وہ صاحب رخصت ہونے کے لئے زنانہ مکان میں جہاں ان کو بہ ضرورت پردہ کرا کے بلایا گیا تھا تقریباً" ڈیڑھ گھنٹہ تک نہایت جوش و خروش کے ساتھ ان کے اشکالات کے متعلق اس درجہ موثر اور مدلل جامع مانع تقریر فرمائی کہ سارے حاضرین جو اتفاقاً" اس وقت بغرض عیادت حاضر خدمت اقدس تھے عش عش کرنے لگے اور وہ صاحب تو بیٹھے ہوئے زار زار رو رہے تھے۔ بعد کو ان صاحب نے اپنے احباب سے جن میں یہ احقر بھی شامل تھا صاف طور پر اقرار کیا کہ اب میرے سارے اشکالات بالکل دور ہو گئے۔ تقریر سننے والے حیرت میں تھے کہ یا اللہ بیماری کا وہ غایت ضعف و اضمحلال کہاں جاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیماری کا مطلق اثر نہیں۔ اس کے بعد پھر وہی حالت ضعف و اضمحلال کی طاری ہو گئی۔ اور لیٹ کر کراہنے لگے۔ بعد کو جو حضرت اقدس سے اس تقریر پر تاثیر کا ذکر کیا گیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھ کو تو تقریر کرنا بھی یاد نہیں۔ یہ صریح امداد خداوندی ہے کہ حضرت اقدس کو ضرورت کے وقت بیماری اور ضعف میں بھی تندرستوں سے زیادہ من جانب

اللہ قوت عطا ہو جاتی ہے۔ ذلك فضل الله يو تيه من يشاء نیز ہمیشہ دیکھا گیا کہ جہاں ذرا افاقہ ہوا اور سب کام بدستور کرنے لگے یہاں تک کہ خانقاہ شریف تک تشریف لانے کی بھی زحمت شدید کو گوارا فرمانے لگے۔ اس پر یاد آیا کہ ایک بار شدید بیماری میں طبیبوں نے ملنے جلنے اور بولنے چالنے کی بالکل ممانعت کر رکھی تھی کہ اسی دوران میں جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدفیضھم کی آمد سن کر خادم سے فرمایا کہ انکو چپکے سے بلا لاؤ۔ کسی کو خبر نہ ہونے پائے بالخصوص مولوی شبیر علی صاحب سے جن کو احتیاط کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اخفاء کی بہت زیادہ تاکید فرمائی اسی دوران احتیاط میں ایک بار یہاں تک فرمایا کہ اگر میں کوئی دینی خدمت ہی نہیں کر سکتا تو پھر میرے دنیا میں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس بغرض استفاضہ آئیں اور میں ان سے بات چیت نہ کروں۔ یہ ارشاد ایسے حسرت آمیز لہجہ میں فرمایا جس سے سننے والوں کے قلب پر بے حد اثر ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس کا واحد مقصد حیات یہی ہے کہ مخلوق کو فیض دینی پہنچایا جائے ورنہ پھر اپنے زندہ رہنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ معترضین اس ارشاد سے اور اس حال سے عبرت حاصل کریں جو غایت کوتاہ نظری سے یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ حضرت اقدس خلاف ارشاد بزرگان سلف اشاعت طریق کے حریص نہیں بلکہ اس میں سے قیود و ضوابط لگا رکھے ہیں حالانکہ حضرت اقدس نے جس درجہ اشاعت طریق تقریراً تفریحاً و حالاً کی ہے اور برابر کر رہے ہیں اس کی نظیر نہ صرف موجودہ زمانہ میں بلکہ گزشتہ کئی صدیوں میں بھی مشکل سے ملے گی۔ پچھلے کچھ دنوں میں بیماری کے متعدد شدید حملوں میں دیکھنے والوں نے حضرت اقدس کی حرص اشاعت طریق کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ غایت ضعف و نقاہت میں بھی جہاں ذرا افاقہ محسوس ہوا اور حضرت اقدس پھر بدستور باوجود طبیبوں اور تیمارداروں کی ممانعت کے اسی جوش و مستعدی کے ساتھ اشاعت طریق میں مشغول ہو گئے اور یہ فرمادیا کہ مجھے خود اپنی طبیعت کا اندازہ اوروں سے زیادہ ہے ان چیزوں میں مشغولی میرے لئے معین صحت ہے نہ کہ مضر۔ ممانعت گفتگو کے زمانہ میں اگر کوئی ذرا سی دیر کیلئے بھی کسی ضرورت سے حاضر ہوتا تو فوراً افاضات کا سلسلہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ جاری فرمادیتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ قلب مبارک میں ایک دریا علوم و معارف کا موجزن ہے اور وہ بے اختیار امڈا چلا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کو صحت و عافیت و قوت کے ساتھ بایں فیوض و برکات تا مدت مدید سلامت با کرامت رکھے اور ہم لوگوں کو کماحقہ مستفیض ہونے کی توفیق نیک بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۲۱۴) جبراً چندہ وصول کرنا ناجائز ہے

حضرت اقدس کو سورہ حشر کی ایک آیت کی تفسیر بیان القرآن میں دیکھنی تھی کھولتے ہی سورہ حشر نکل آئی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی اعانتیں میں رات دن مشاہدہ کرتا ہوں اور احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس قسم کے بہت سے واقعات اشرف السوانح میں مذکور ہیں جن کو شوق ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲۱۴) مناظرہ سے نفرت کا سبب

ایک صاحب نے بذریعہ عریضہ اطلاع بھیجی کہ جس دن ان کی والدہ کو حضرت اقدس کا والا نامہ سنایا گیا کہ ان کو حضرت نے بیعت فرمالیا تو اس کو سن کروہ بہت خوش اور مسرور ہوئیں اور اسی وقت دو تین دفعہ اپنی زبان سے یہ کہا کہ پیر میاں اب کیا دیر ہے ظہر کے بعد یہ واقعہ ہوا پھر اسی روز چار بجے شام کو پانچ منٹ کے اندر ملک عدم کو سدھار گئیں۔ حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا کہ سبحان اللہ عجیب خاتمہ ہوا سب اولیاء کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی ان کے لئے مغفرت و درجات کی اور احیاء کے لئے صبر کی دعا کرتا ہوں اور پھر زبانی اظہار مسرت و حیرت فرماتے رہے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر بیعت سن کر خاص کشش ہوئی۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کا قول ہے کہ جذبتہ من جذبات الحق خیر من عمل الثقلین ہزار عمل ایک طرف اور جذبہ حق ایک طرف پھر فرمایا کہ اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ والوں کا خاتمہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ پھر کئی واقعات اپنے اہل سلسلہ کے حسن خاتمہ کے بیان فرمائے بعض واقعات اشرف السوانح میں بھی مذکور ہیں وہاں ملاحظہ فرمالئے جائیں پھرا ستطرادا" یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میری نانی کو بعد انتقال میرے ایک ماموں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ تم پر نزع میں کیا کیفیت گزری۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ چل میں ساتھ ہولی اس کے سوا مجھے کچھ خبر نہیں۔

(۲۱۵) حکایت سکندر رومی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھے تو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جن کو حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا کہتے تھے کہ مولانانے ان سے فرمایا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں بھی تفسیر آتی ہے لیکن بیان القرآن دیکھ

کر معلوم ہوا کہ ہمیں کچھ بھی تفسیر نہیں آتی۔ اسی طرح مولانا انور شاہ صاحب نے ایک صاحب سے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اردو کتابوں میں علوم نہیں ہیں اس لئے میں کسی کی اردو تصانیف کو دیکھنا بے کار سمجھتا تھا لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں۔ اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں بھی پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور جو بے وقعتی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھے وہ جاتی رہی اور حضرت اقدس نے یہ قول نقل فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحر عالم تھے یہاں تک کہ ہے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک بار مولانا کسی جلسہ مناظرہ میں شریک تھے جس میں اور بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے اس جلسہ کا صدر ایک ہندو کو بنایا گیا تھا جو بہت معمر اور تجربہ کار شخص تھا۔ وہ جس وقت جلسہ میں آیا اس نے سب علماء کو دیکھ کر مولانا کے متعلق کہا کہ ان سب میں یہ بہت بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی غضب کا قیافہ شناس شخص تھا کہ محض صورت دیکھ کر پہچان گیا کہ یہ سب سے بڑے عالم ہیں حالانکہ اس وقت تک کسی کی تقریر بھی نہیں سنی تھی۔ پھر مولانا کی شرکت تحریکات حاضرہ کا ذکر کسی نے چھیڑ دیا تو فرمایا کہ مجھ کو تو دلیل شرعی سے اطمینان نہ ہوا اس لئے شرکت نہ کی باوجود اس کے کہ خود میرے استاد مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ شریک تھے لیکن بحمد اللہ میرا اختلاف محض اختلاف رائے کی حد تک رہا گستاخی کی حد تک تو خدانخواستہ کیا پہنچتا۔ میں نے اپنے کسی قول یا فعل سے مولانا کا کبھی دل تک نہیں دکھایا تحدث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں۔ کہ ایسا بھی کوئی ہے کہ اختلاف کرے اور کبھی دل نہ دکھائے۔ اور اختلاف بھی ایسا عجیب اختلاف کہ مولانا جس کو واجب فرماتے تھے میں ناجائز کہتا تھا۔ اب تو اختلاف نہیں ہوتا عداوت کا درجہ ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے جو تحریکات میں شریک تھے ایک صاحب کے سامنے جو میرے عزیز ہیں یہ روایت کی کہ مولانا دیوبندی میرے متعلق فرماتے تھے کہ اس کو اس امر میں مجھ سے اختلاف ہے یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنے قول سے رجوع کر لوں۔ جب میں نے اس قول کو نقل کر دیا تو ان مولوی صاحب کے پاس بعضے لوگوں کے خطوط آنا شروع ہو گئے کہ اس کی کیا اصل ہے۔ اب وہ بہت گھبرائے اور جن صاحب سے

انہوں نے مولانا کا وہ قول بیان کیا تھا ان سے یہ شکایت کی اور کہا کہ دیکھو جی میں نے جو کہا تھا وہ تو ایک راز تھا اس کو ظاہر کر دیا گیا اب میں کیا جواب دوں ان صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ تم ان سے کہہ دینا کہ وہی جواب دیں جو تم سے کہتا تھا چنانچہ انہوں نے ان سے یہی کہہ دیا کہنے لگے کہ اس جواب سے تحریک کمزور ہوتی ہے میں نے کہا کہ سبحان اللہ تحریک کی کمزوری تو گوارا نہیں اور حق کا اخفاء گوارا ہے۔ پھر کچھ دن بعد ان مولوی صاحب نے اپنی اصلاح اور استفادہ کے لئے مجھ سے رجوع کیا میں نے ایک اور شیخ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا جو ان تحریکات میں شامل ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ ان سے تو میرا دوستانہ ہے ان سے زیادہ نفع نہ ہوگا۔ حالانکہ اس طریق میں تو جتنا زیادہ دوستانہ ہوگا اتنا ہی زیادہ نفع ہوگا پھر وہ یا تو مجھ سے یہ وعدہ لینے گئے کہ میں اپنے حالات لکھا کروں گا آپ جواب دے دیا کیجئے گا یا پھر اس روز سے ایک خط بھی نہیں بھیجا۔ وہ تو دل میں بسی ہوئی بس ایک ہی چیز ہے سلطنت۔

(۲۱۶) صحیح معیار ہر امر میں وحی ہوتا ہے

چندہ کے ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کسی قسم کا دباؤ ہو تو میں اس چندہ کو حلال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف موجود ہے کہ لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ دیکھئے حضور لا یحل فرما رہے ہیں پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ دینا ناگوار نہ ہو چاہے ریا ہی ہو کیونکہ ریا کی صورت میں طیب خاطر تو ہوتی ہے جس سے وہ رقم حلال ہو جاتی ہے لیکن ریا کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔ عرض کیا گیا کہ اگر باوجود ناگواری کے کسی کے جبر سے نیک کام سمجھ کر کسی امر خیر میں کوئی چندہ دے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ فرمایا کہ دینے والے کو ثواب ملے گا لیکن اگر لینے والے کو یہ علم ہو جائے کہ یہ رقم میرے جبر سے دی جا رہی ہو تو اس کو اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا عرض کیا گیا کہ اگر یہ صورت ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا کہ دینا ناگوار تو ہو لیکن اس خیال سے دے دیا کہ نیک نامی ہوگی۔ فرمایا کہ اس صورت میں ریا اور جبر دونوں جمع ہیں اس لئے اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا بوجہ جبر کے نہ بوجہ ریا کے۔ عرض کیا گیا کہ چندہ وغیرہ مروۃ" باوجود ناگواری کے جیسا جبر کرنے والے کو لینا جائز نہیں کیا دینا بھی ناجائز ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں ناجائز ہے کیونکہ جب لینے والے کو یہ رقم لینا جائز نہیں تو اس کا دینا بھی ناجائز ہوگا کیونکہ

یہ اعانت علی المعصیتہ ہے جو ناجائز ہے۔

یہ ملفوظ اس وقت ارشاد فرمایا گیا تھا جب کہ ایک صاحب نے اہل قصبہ کی ایک دستخط شدہ درخواست جو اہل خیر کی خدمت میں بھیجی جا رہی تھی حضرت کی خدمت میں بھی بغرض دستخط پیش کی تھی اور قبل دستخط حضرت اقدس نے اس درخواست میں اس قسم کے الفاظ بڑھا دیئے تھے کہ قلیل یا کثیر جتنی بھی رقم سے بطیب خاطر شرکت فرما سکیں فرمائیں۔

(۲۱۷) قوت اور تدبیر دونوں کی ضرورت

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں مجھ کو مناظرہ کا بہت شوق تھا کہ کوئی اس سے بھڑ جاتا تھا عیسائیوں سے آریوں سے غیر مقلدوں سے شیعوں سے سبھی سے مناظرے کئے مگر جتنا اس زمانہ میں مناظرہ کرنے کا شوق تھا اتنی ہی اب اس فعل سے نفرت ہے۔ اور یہ نفرت پیدا ہوئی مناظرہ کرنے ہی سے کیونکہ مناظرہ کرنے کے بعد ہی اس کی خرابیاں معلوم ہوئیں۔

(۲۱۸) ذریعہ مقصود میں سہل صورت اختیار کرنا افضل ہے

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ کوئی دوسرے کے ساتھ بھی کسی قسم کی گستاخی کرے تو مجھے ویسا ہی ناگوار ہوتا ہے جیسا اپنے ساتھ گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ لوگوں میں اعتدال نہیں یا تو تکلف و تصنع ہوگا یا اگر سادگی و بے تکلفی ہوئی تو گستاخی کی حد تک بس وہ حال ہے کہ جس کو مولانا نے فرمایا ہے۔

چوں گر سنہ می شوی سگ می شوی
چوں کہ خوردی تند و بدرگ می شوی

سکندر رومی کی حکایت لکھی ہے کہ کسی فقیر نے دربار میں آکر اس سے ایک روپیہ کا سوال کیا سکندر نے کہا کہ ظالم تو نے مجھ سے سوال بھی کیا تو ایسی ادنی چیز کا تو نے میری بڑی اہانت کی اس پر اس فقیر نے کہا کہ پھر سلطنت عطا فرما دیجئے سکندر نے کہا کہ وہ سوال ایک روپیہ کا تو میری حیثیت کے لائق نہ تھا اور یہ سوال سلطنت کا تیری حیثیت کے لائق نہیں ہے جا دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں ملتی شاہی دماغ تھا کیسا اچھا جواب دیا خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ نزاکت پر یاد آیا کہ ایک سرحدی صاحب ہندوستان آئے

تھے یہاں کسی ہندوستانی عورت سے شادی کرلی۔ پھر جب سرحد پہنچے تو وہاں پہنچ کر وہ ہندوستانی بی بی مرگئی۔ پھر ایک سرحدن سے شادی کی سرحدن بے چاری سیدھی سادی تھی اس میں بھلا ہندوستانی عورتوں کے سے ناز و انداز کہاں سرحدی صاحب عادی ہو گئے تھے ناز و انداز کے اس بے چاری کو دھمکاتے اور کہتے کہ ناز بکن ناز بکن ایسا زبردستی کا ناز کوئی ناز ہو سکتا تھا تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہیجڑے عورتوں کے سے ناز و انداز کیا کرتے ہیں جن سے بجائے کشش کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(۲۱۹) تقوی و طہارت سے لطافت بڑھ جاتی ہے

بہ سلسلہ گفتگو فرمایا کہ انسان کو فطرۃ گوشت خور ثابت کرنے کے لئے یہ جو استدلال کیا جاتا ہے کہ اس کے دانتوں میں کیلے ہوتے ہیں یہ کوئی قوی استدلال نہیں کیونکہ بعضے اور جانوروں کے بھی کیلے ہوتے ہیں اور وہ گوشت خور نہیں ایسی کمزور بات کیوں کہی جائے ٹکسالی بات تو بس یہ ہے کہ اللہ تعالی نے گوشت کھانے کی اجازت دی ہے اس لئے کھاتے ہیں پھر فرمایا کہ کسی آریہ نے اعتراض کیا تھا کہ گوشت کھانا تو بے رحمی ہے پھر اس کی کیوں اجازت ہے جن صاحب سے اس آریہ نے یہ سوال کیا تھا انہوں نے مجھ سے اعتراض کا جواب پوچھا میں نے انہیں جواب دیا کہ اس آریہ سے یہ پوچھو کہ جو جانور بلا ذبح کئے ہوئے اپنی موت مرتے ہیں انہیں کون مارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی ہی مارتے ہیں۔ اگر جان لینا بے رحمی ہے تو وہ تو رحیم و کریم ہیں اور جانوروں کو کیوں مارتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس طرح ویسے جان لینا بے رحمی نہیں ذبح کی اجازت دے کر جان لینا بھی بے رحمی نہیں ہے۔ ایک انگریزی خوان کہتے تھے کہ کسی انگریز نے ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس میں دلائل اور سائنس کے اصولوں سے ثابت یہ کیا ہے کہ جتنی ترکاریاں اور پھل وغیرہ ہیں ان میں بھی جان ہے اور ایسی جان ہے کہ اگر ان کو کھایا جائے تو اس سے انہیں بھی اذیت ہوتی ہے یہ اس نے قوی دلائل سے ثابت کر دیا۔ چونکہ یورپ میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو گوشت نہیں کھاتی ان پر اس کتاب کے ذریعہ سے احتجاج کیا ہے اور ان ہی سے یہ سوال کیا ہے کہ جب بقولات میں بھی ایسی جان ہے کہ ان کو کھائے جانے سے اذیت ہوتی ہے چنانچہ اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب آلات سے ان کو کاٹا جاتا ہے تو وہ اذیت سے سکڑتے ہیں تو اب بتلاؤ کیا کھاؤ گے عرض کیا گیا کہ

گوشت کھانے کو معترضین غیر فطری کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اس کا کوئی معیار ہے۔ ایک جماعت آج کل ننگوں کی بھی ہے وہ لوگ لباس کو بھی غیر فطری قرار دیتے ہیں۔ بس صحیح معیار ہر امر میں وحی ہے ورنہ رایوں میں تو اتنا اختلاف ہے کہ کسی امر کے متعلق اس کا قطعی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حق بات کیا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہر شخص کے پاس اپنی تائید میں دلائل موجود ہیں حتی کہ ایک کم بخت اپنی ماں سے مبتلا تھا اس کو جو لوگوں نے لعنت ملامت کی تو اس نے یہ دلیل پیش کی کہ جب میں پورا کا پورا اس کے اندر تھا تو اگر میرا ایک چھوٹا سے عضو اس کے اندر داخل ہو گیا تو اس میں کیا قباحت لازم آگئی۔ لیجئے دلیل تو اس کے پاس بھی ایسے فعل شنیع کی موجود تھی تو پھر کیا اس سے وہ فعل جائز ہو گیا۔

(۲۲۰) حضرت حکیم الامت کا تربیت میں اپنے خدام کی نگرانی فرمانا

سیاسیات کے کسی تذکرہ میں فرمایا کہ قوت بلا تدبیر جہل ہے اور تدبیر بلا قوت خداع اور مکروہ حیلہ ہے۔ یہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ قوت و تدبیر دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے اور اعدوالہم ما استطعتم میں جس استطاعت کا ذکر ہے اس کے مفہوم میں قوت کے ساتھ تدبیر اور انجام اندیشی بھی داخل ہے ورنہ اگر استطاعت میں یہ قید نہیں تو کسی غیر مسلم حاکم پر ڈھیلا اٹھا کر مار دینا کس کی استطاعت میں نہیں۔ ہر شخص ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن بعد کو اس کے نتائج کا تحمل کس کو ہو سکتا ہے لہذا یہ استطاعت استطاعت ہی نہیں ورنہ عدم استطاعت تغیر بالید کے بعد فبلسانہ کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ ایسی استطاعت بالید تو ہر وقت حاصل ہے۔ میرا تو جوانی ہی سے یہ خیال ہے کہ سلطنت کا مقابلہ سلطنت ہی کر سکتی ہے اور کوئی دوسری صورت واللہ میرے ذہن میں نہیں ورنہ پھر حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر عمل چاہیے۔

ناسزائے را چو بینی بختیار　　عاقلاں تسلیم کردند اختیار
چوں نداری ناخن درندہ تیز　　بابداں اں بہ کہ کم گیری ستیز
ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد　　ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

(۲۲۱) شکایت مدعی محبت و عقیدت سے ہوتی ہے

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ لوگ آسان کام کو بھی مشکل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مشکل کام کو آسان کرنا چاہیے۔ ایک مولوی صاحب اس شبہ میں مبتلا تھے کہ جس نیک کام میں زیادہ

مشقت اٹھائی جائے اس میں زیادہ ثواب ملتا ہے میں نے کہا یہ علی الاطلاق درست نہیں اس میں میں نے ایک تفصیل کی ہے وہ یہ کہ مقصود میں مشقت اٹھانا تو موجب اجر ہے لیکن جو ذریعہ مقصود ہو اس میں جو سہل صورت ہو اسی کو اختیار کرنا افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی امر کی دو شقوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو جو شق زیادہ آسان ہوتی تھی آپ اس کو اختیار فرماتے تھے اور فطرت سلیمہ کا بھی یہی مقتضاء ہے۔
مثلاً کسی کو وضو کرنا ہے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہیں حوض میں وضو کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو کوس چل کر جلال آباد پہنچے اور وہاں سے وضو کر کے آئے۔ چونکہ وضو خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود کا یعنی نماز کا ذریعہ ہے اس لئے اس میں زیادہ مشقت اٹھانا موجب زیادتِ اجر نہیں بلکہ جو سہل صورت ہے اسی کو اختیار کرنا افضل ہے۔ برخلاف اس کے اگر نماز میں طویل قرات کرے مثلاً ایک رکعت میں تو سورہ بقرہ پڑھے اور دوسری میں سورہ اٰل عمران تو اس مشقت کی وجہ سے اس میں زیادہ اجر ہے۔ بہ نسبت اس نماز کے جس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی پڑھی گئی ہوں کیونکہ نماز مقاصد میں سے ہے جلال آباد جا کر وضو کرنے کی مثال سے مولوی صاحب کا شبہ بالکل جاتا رہا اور پوری تسلی ہو گئی اس سے پہلے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی حالانکہ وہ بہت ذہین و ذکی شخص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے یہ مثال میرے ذہن میں ڈال دی جس سے اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا اس سلسلہ گفتگو میں آسان کام کو بھی لوگ مشکل کر دیتے ہیں حالانکہ مشکل کو آسان کرنا چاہیے یہ بھی فرمایا کہ میرے گھر میں سے نماز کا وقت اس انتظار میں تنگ ہو گیا کہ ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی تھی وہ جل جاتی میں نے کہا کہ کیا اس کا انتظام بھی کچھ مشکل تھا۔ ہانڈی چولہے پر سے اتار کر نماز پڑھ لیتیں اور نماز کے بعد پھر چڑھا دیتیں۔

(۲۲۲) قاضی شریح کی ذہانت کی عجیب حکایت

ایک طالب کو جو حاضر مجلس تھے اور حضرت اقدس کی جانب مسلسل تک رہے تھے مجلس سے یہ فرما کر اٹھا دیا کہ تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ اس طرح تکنے سے دوسرے کے قلب پر بار ہوتا ہے۔ تم آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل نہیں۔ اٹھو اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو ہرگز مجلس میں نہ آؤ۔ استفسار پر یہ تفصیل فرمائی کہ مسلسل تکتے رہنے سے قلب پر بار ہوتا ہے۔ اگر کبھی دیکھ لے کبھی ہٹا لے جیسا کہ فطری طور پر سب کا معمول ہے تو اس کی ممانعت نہیں کیونکہ میں

کوئی نامحرم تھوڑا ہی ہوں۔ نہ اس سے قلب پر بار ہوتا ہے۔ بار تو نگرانی سے ہوتا ہے کیونکہ جب یہ معلوم ہو کہ ایک شخص برابر ہماری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے ضرور قلب پر بار ہوگا اور توجہ بٹے گی آزادی نہ رہے گی۔ یہ تو ایسی حالت میں کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ عموماً" مشائخ تو اس سے بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص بڑا معتقد ہے ہم کو ہر وقت تکتا ہی رہتا ہے۔ حالانکہ اگر کسی کو ذرا بھی حس ہو تو یہ بڑی تکلیف کی بات ہے۔ درویشی کے معنی لوگ بے حسی سمجھ رہے ہیں انہیں یہ خبر نہیں کہ درویشوں میں تو اوروں سے بھی زیادہ ادراک بڑھ جاتا ہے کیونکہ ادراک نور ہے اور درویش جو کم و بیش ذکر کرتے ہیں اس سے ان کی روح کے اندر نورانیت بڑھتی ہے حتی کہ ان میں حسن پسندی کا ادراک بھی بڑھ جاتا ہے اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اتقیاء سے زیادہ احتیاط رکھنی چاہیے کیونکہ اول تو تقوی سے ادراک بڑھ جاتا ہے دوسرے یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ آزاد ہیں ان کی ہوسیں تو نکلتی رہتی ہیں کچھ آنکھوں کے رستہ سے کچھ کانوں کے راستہ سے کچھ فکر کے راستہ سے اور جو متقی ہیں وہ چونکہ عفیف ہوتے ہیں اس لئے ان کی سب قوتیں مجتمع رہتی ہیں۔ مزید براں ذکر سے بھی جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا لطافت روح کی بڑھ جاتی ہے اس لئے ان کا ہیجان بڑھ جاتا ہے لطافت بڑھ جانے پر یاد آیا۔ حضرت حاجی صاحب کے زمانہ میں تھانہ بھون کے ایک بڑے رئیس قاضی نجابت علی خاں جو اودھ کے سے تو بڑے رئیس نہیں تھے لیکن اکیس بائیس گاؤں کے مالک تھے۔ جب باہر کے لوگ یہاں آکر حضرت حاجی صاحب کو بھی دیکھتے اور ان کو بھی دیکھتے تو چونکہ حضرت حاجی صاحب بوجہ لطافت کے ان سے زیادہ صاف ستھرے رہتے تھے۔ وہ لوگ قاضی نجابت علی خان کا حضرت حاجی صاحب سے مقابلہ کر کے کہتے کہ ارے بس ان کا تو نام ہی ہے رئیس تو حضرت حاجی صاحب ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں غلو اور تکلف تو نہیں تھا لیکن بہت صاف ستھرے طریقہ پر رہتے تھے۔ فرش نہایت صاف ہر چیز نہایت موقع سے رکھی ہوئی گھڑی بھی وقت پہچاننے کے لئے اس موقع پر رکھی ہوئی سادہ لباس لیکن بہت صاف ستھرا تو باہر کے لوگ حضرت حاجی صاحب کی اس حالت سے قاضی نجابت علی خاں کی حالت کا موازنہ کر کے کہتے کہ ان کا تو بس نام ہی نام ہے۔ رئیس تو حضرت حاجی صاحب ہیں۔ بات وہی ہے کہ درویشوں میں ذکر و تقوی کی وجہ سے لطافت بڑھ جاتی ہے۔ جب

لطافت پر ایک اور واقعہ یاد آیا کہ شروع میں حضرت حاجی صاحب مکہ معظمہ میں ایک زمانہ میں ایک رباط میں رہتے تھے وہاں اور بہت درویش بھی قیام کئے ہوئے تھے کسی بے چارے کو سب درویشوں کی خدمت میں صرف ایک ایک دونی ہی پیش کرنے کی توفیق ہوئی چنانچہ وہ تقسیم کرتا ہوا حضرت کے خلوہ کی طرف بھی آیا۔ یہاں دیکھا تو سب امیرانہ سامان۔ فرش بھی مسند بھی گاؤ تکیہ بھی گھڑی بھی یہ ٹھاٹھ دیکھ کر وہ جھجک گیا اور پیچھے کو ہٹا حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کون صاحب ہیں کیا کام ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ فرمایا کیوں نہیں کچھ تو ہے۔ بتاؤ کیوں آئے تھے اس نے عرض کیا کہ حضرت سچی بات تو یہ ہے کہ میں یہاں کے ہر درویش کی خدمت میں دو دو آنہ ہدیہ پیش کرتا چلا آرہا ہوں مجھے اتنی ہی وسعت ہے یہاں آپ کی خدمت میں بھی اسی نیت سے آیا تھا لیکن یہاں کے سامان اور امیرانہ شان کو دیکھ کر شرم آئی کہ صرف ایک دوانی کیا پیش کروں اس لئے رک گیا۔ حضرت بڑے خوش مزاج اور متواضع تھے فرمایا کہ اچھا تو آپ نے مجھ کو درویشوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو درویشوں کے سردار ہیں۔ فرمایا کہ یہ اچھی سرداری ہے کہ اوروں کو تو ان کا حصہ ملے اور ہمیں اپنا حصہ نہ ملے۔ ہم تو اپنا حصہ لیں گے۔ اب وہ تو شرماتا ہے کہ دونی کیا دوں اور حضرت اصرار فرمارہے ہیں۔ عموماً تو درویشوں کا یہ طریق ہوتا ہے کہ دینے والا اصرار کرتا ہے اور لینے والا انکار کرتا ہے لیکن یہاں اس کا عکس ہوا کہ لینے والا لینا چاہتا ہے اور دینے والا دینا نہیں چاہتا کیونکہ یہاں اسی کا موقع تھا یہ حضرات عادل ہوتے ہیں ایک دفعہ شریف مکہ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی تو حضرت حاجی صاحب نے شریف صاحب کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی ہے تو ہمارا حصہ ہمیں ملنا چاہیے چنانچہ وہاں تین آنے پیسے حضرت کے حصہ کے آئے اس وقت وہاں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی بھی موجود تھے ان سے فرمایا کہ کیوں جی کیا تین آنہ پیسوں میں میرا کام چل جائے گا لیکن ایک مصلحت کی وجہ سے میں نے یہ رقم خود درخواست کر کے منگوائی ہے کیونکہ یہاں کا خلاصہ ہے کہ جو ذرا استغناء کے ساتھ رہتا ہے اس پر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں چونکہ مجھے یہاں رہنا ہے اور اپنی ساری عمر گزارنی ہے اس واسطے میں ذلیل ہو کر رہتا ہوں تاکہ استغناء کا شبہ نہ ہو۔ پھر ہمارے حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا

کہ واقعی حکیم ہیں یہ حضرات ہزاروں کی رقم سے تو مستغنی اور تین آنہ کے لئے سائل چنانچہ ایک بہت بڑی رقم کسی تاجر کے ذریعہ سے حضرت حاجی صاحب کے لئے ہندوستان سے بذریعہ حوالہ آئی اور بھیجنے والے نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بھی خط لکھ دیا کہ اتنی رقم نذرانہ کے لئے بھیجی گئی ہے فلاں دوکاندار کے یہاں سے وہ رقم منگوالی جائے مگر حضرت حاجی صاحب نے اپنا کوئی آدمی دوکان دار کے پاس نہیں بھیجا آخر اسی نے کئی روز انتظار کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ آپ کے لئے اتنی رقم ہندوستان سے آئی ہے کوئی آدمی بھیج دیجئے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب نے نہایت استغناء کے ساتھ فرمایا کہ جس خدا نے ہندوستان سے مکہ تک وہ رقم بھجوائی ہے وہی دکان سے میرے مکان تک بھی بھجوادے گا کوئی آدمی لینے نہیں آوے گا۔ بس پھر اس دوکاندار نے جھک مار کر خود ہی وہ رقم بھیج دی نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری جو حضرت حاجی صاحب سے خاص عقیدت رکھتے تھے ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے پھر ریاست کے انتظام کے لئے ہندوستان آنا پڑا چونکہ پھر واپسی کا قصد تھا اس لئے جو رقم ضروریات سے زائد تھی وہ بطور امانت کے حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے حافظ احمد حسن صاحب امین الحجاج کے پاس رکھوا دی نواب صاحب کو اتفاقاً" واپسی میں زیادہ دیر ہو گئی جانتے تھے کہ حضرت محض توکل پر ہیں حج کے دنوں میں جو لوگ پہنچ جاتے تھے وہ اپنی سعادت سمجھ کر ہدیہ کچھ پیش کر دیتے تھے اسی سے کام چلتا تھا اس لئے حضرت حاجی صاحب کو لکھا کہ جو امانت رکھی ہوئی ہے اس کو اپنا مال سمجھ کر جتنی ضرورت ہوا کرے بے تکلف اپنے صرف میں لے آیا کیجئے کیونکہ جو کچھ ہمارا مال و متاع ہے وہ سب حضرت ہی کا ہے اور سب حضرت پر قربان ہے حضرت حاجی صاحب نے لکھا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں۔ اجازت سے بھی کسی کی چیز میں خود تصرف نہیں کرتے یوں اپنے ہاتھوں سے کوئی محب کچھ دے دے تو اس کے لینے میں عذر نہیں لیکن امانت میں ہم تصرف نہ کریں گے اگرچہ باذن ہو۔ صاف انکار کر دیا۔ یہ چیزیں ہیں جن میں ضرورت ہے مشائخ کی۔ کتابوں میں یہ جزئیات کہاں اس لئے کتابیں اصلاح کے لئے کافی نہیں۔ ناواقف کہتے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے جو پڑھا لکھا آدمی ہے اس کے لئے شیخ کی کیا ضرورت ہے۔ کتابوں میں سب باتیں موجود ہیں بس انہیں پر عمل کرتا رہے۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ ان کے کافی نہ ہونے کی موٹی مثال یہ ہے کہ طب کی

کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ پھر کیوں طبیب سے رجوع کرتے ہو طب جسمانی بھی طب روحانی کے مقابلہ میں بھلا کوئی چیز ہے۔ جب علوم حسیہ مادیہ میں ایسے دقائق ہیں جو خود سمجھ میں نہیں آسکتے اور امراض جسمانی میں کسی طبیب سے رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی شیخ کی کیوں نہ ضرورت ہوگی۔ اس کا تو مدار بہت نازک مقدمات پر ہے۔ اس میں بھلا محض کتابیں دیکھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنا کیسے کافی ہوگا۔ البتہ ایک شخص کے لئے صرف کتابوں پر عمل کرنے کا بدوں شیخ کے مشورہ دیا جائے گا۔ یعنی اس کے لئے جو کسی شیخ سے مناسبت نہ رکھتا ہو کسی سے اس کی موافقت نہ آتی ہو۔ وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ ایسے شخص کے لئے اسلم یہی ہے کہ وہ کسی سے رجوع نہ کرے بس کتاب وسنت پر بطور خود عمل کرتا رہے اور چونکہ بہت مواقع پر احتمال غلطی کا بھی ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ غلطی سے محفوظ رکھیں اور جہاں غلطی ہو معاف کردیں۔ بس اس کے لئے یہی مناسب ہے ورنہ اولیاء کے قلب میں جب بوجہ عدم موافقت اس کی طرف سے کدورت پیدا ہوگی تو وہ مخذول ہو جائے گا۔ اس لئے اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی کو اپنا شیخ ہی نہ بنائے میں نے اپنی عمر میں صرف ایک شخص ایسا دیکھا ہے۔ ممکن ہے اور بھی دیکھے ہوں لیکن اس وقت یاد ایک ہی ہے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں شیخ کی صحبت میں مدینہ بھی رہا۔ مکہ بھی رہا ہندوستان کے بھی بہت سے مشائخ کے پاس رہا مگر کسی سے موافقت نہ آئی۔ اخیر میں یہاں بھی آئے۔ معلوم ہوا کہ ان میں اطاعت کی استعداد ہی نہیں ہے۔ مگر باوجود اس کے ان سے ہمیں عداوت تھوڑا ہی تھی اگر انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو یہ تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی خدمت نہ کریں ان کی خدمت یہی تھی کہ ان کو یہ مشورہ دے دیا کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی سے رجوع نہ کرو بس کتاب وسنت پر عمل رکھو اور جہاں احتمال غلطی کا ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار کرتے رہو بس تمہارے لئے یہی کافی ہے اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں اس کے بعد حضرت اقدس نے بطور تحدث بالنعمۃ کے فرمایا کہ الحمد للہ یہاں ہر سوال کا جواب ہے۔ ذرا یہ سوال اور جگہ تو کر کے دیکھئے بڑا کٹھن سوال ہے اور جگہ سے ذرا جواب تو لائیے ڈاک ہی سے پوچھ لیجئے جو کہیں سے بھی یہ جواب ملے۔ سب مشائخ یہی کہیں کہ ایسا شخص جس کی کسی بزرگ سے بھی موافقت نہ آئے محروم ہے واصل الی المقصود نہیں ہو سکتا حالانکہ

سعیدوں کو بھی یہ بات پیش آتی ہے۔ خدا کا قرب کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب پیروں نے لوگوں کو اپنے ساتھ ایسا جکڑ بند کر رکھا ہے کہ چاہے مناسبت ہو یا نہ ہو موافقت آئے یا نہ آئے کوئی نہ کوئی پیر ضرور ڈھونڈنا چاہیے اور غضب یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیت وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ میں وسیلہ کی تفسیر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد شیخ سے بیعت کرنا۔ یہ صریح تحریف ہے قرآن کی۔ شیوخ جانے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں گویا اردلی ہیں اللہ میاں کے کہ بدوں ان کے اللہ میاں کے یہاں رسائی ہی نہیں ہو سکتی۔ لا حول ولا قوۃ کیا واہیات ہے۔ وسیلہ سے مراد یہاں اعمال صالحہ ہیں۔ وسیلہ کہتے ہیں ما یتقرب بہ کو یعنی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل ہو مگر اس کے عموم میں اتباع شیخ بھی داخل ہے کہ وہ بھی ایک عمل ہے لیکن محض شیخ ہی کی تخصیص سے وسیلہ کی تفسیر کرنا یہ تحریف ہے حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب القول الجمیل کا جواب دیا کہ اس میں بھی وسیلہ سے مراد شیخ ہی لیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ذرا عبارت دکھایئے میں بھی دیکھوں کہ شاہ صاحب کے الفاظ کیا ہیں اور ان کا مطلب کیا ہے اور اگر بالفرض اس تحقیق کے خلاف ہی ہو تو حجت لازمہ تھوڑا ہی ہے جہاں کسی بزرگ کی کوئی تحقیق بظاہر خلاف اصول شرعیہ ہو ہم اس بزرگ کو اپنے ٹھکانے پر لا کر بٹھلائیں گے حکم کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے بلکہ خود ان کو ٹھیک جگہ پر لا کر بٹھادیں گے یعنی کوئی تاویل ایسی کر دیں گے کہ ان پر اعتراض نہ ہو اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ صرف کتابیں دیکھنا مضر ہے اب اسی مقام کو دیکھئے کہ اگر وسیلہ سے مراد بیعت لی جائے تو ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا معصیت کا مرتکب ہونا لازم آتا ہے کیونکہ وابتغوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے ہے گویا سب لوگ تارک واجب ہوئے توبہ توبہ بات یہی ہے کہ وسیلہ کی یہ تفسیر ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں ہاں عموم میں تعلق شیخ بھی داخل ہو سکتا ہے۔

(۲۲۳) شریعت افراط و تفریط دونوں سے پاک ہے

حضرت اقدس نے ایک روز ان مولوی صاحب سے جن سے احقر جامع ملفوظات ہذا بطریق املا ملفوظات لکھوایا کرتا ہے اپنی ایک تصنیف کے مقابلہ کا کام اجرت پر ملفوظات لکھنے کے وقت میں لیا جس کی اجرت ان مولوی صاحب کو دوسری جگہ سے ملتی تھی چونکہ حضرت

اقدس کو حقوق العباد کا حد درجہ اہتمام رہتا ہے اس لئے احقر سے پوچھا کہ کتابت ملفوظات کی اجرت کون دیتا ہے احقر نے عرض کر دیا پھر ان مولوی صاحب کاتب ملفوظات سے بھی دریافت فرمایا۔ اس کے بہت دیر بعد جب احقر حاضر خدمت ہوا تو خاص اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ ان کو مسئلہ معلوم تھا۔ میرے پوچھنے پر کہتے تھے کہ میں اس وقت کی اجرت ان دوسرے صاحب سے نہ لوں گا کیونکہ آج ان کے وقت میں یہاں مقابلہ کا کام کیا گیا جسکی اجرت جداگانہ وصول ہو چکی ہے ایسے امور میں حضرت اقدس خود بھی غایت درجہ محتاط ہیں اور اپنے خدام کی بھی بہت نگرانی رکھتے ہیں۔

(۲۲۴) حضرت حکیم الامت کی محتاط طبیعت

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ میں بعد نماز عشاء ایک بار وعظ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے وعظ سے فارغ ہوتے ہی مجھ کو ایک پرچہ دیا اور چلا گیا بعد وعظ میں نے اس کو بلا پڑھے ہوئے دیا سلائی سے جلا دیا اس پر احباب نے بہت تعجب کیا کہ بے پڑھے دل کو کیسے چین آیا۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی بات قابل جواب اور قابل اہتمام ہوتی تو وہ شخص ہی بے جواب لئے کیوں چلا جاتا جب اسی کے نزدیک وہ بات قابل اہتمام نہ تھی تو میں اس کے پڑھنے میں اپنا وقت کیوں خواہ مخواہ ضائع کرتا اس نے تو ایک فضول حرکت کی ہے میں کیوں فضول حرکت کرتا حضرت اقدس کی طبع مبارک فطرۃ ایسی منظم اور بااصول واقع ہوئی ہے کہ فضول کام کے لئے ایک منٹ بھی ضائع کرنا گوارا نہیں ہوتا اور اگر کوئی ضروری کام ہو تو بڑی بڑی مشقتیں اٹھا کر اور بہت بہت وقت دے کر اس کو انجام دیتے ہیں اور وقت بے وقت لگ لپٹے رہتے ہیں جب تک کم سے کم وقت میں اس کو انجام کو نہیں پہنچا دیتے چین نہیں لیتے۔ یہ رات دن کا مشاہدہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ کام کے پڑے رہنے سے مجھے بڑی الجھن ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس سے فراغت کر کے یکسوئی حاصل کروں۔ اس تقاضہ کا ایک منشاء یہ بھی ہوتا ہے کہ چاہے پھر توفیق ہو یا نہ ہو لیکن اپنے قلب کو متوجہ الی اللہ ہونے کے لئے اپنی طرف سے فارغ تو رکھنا چاہیے تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو بسہولت متوجہ الی اللہ ہو سکوں کوئی امر مانع نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں گول بات کہنے یا سوال کا جواب جلد نہ دینے سے جھنجلا اٹھتا ہوں کیونکہ اس سے فراغ قلب برباد ہو جاتا ہے اور خود میں اپنی طرف سے کوئی چھیڑ یا ایذا کی بات نہیں کرتا لیکن اگر کوئی دوسرا بدتمیزی یا ایذاء کی بات کرتا ہے تو پھر اس کا تحمل نہیں ہوتا کہ میں تو لوگوں کی اتنی رعایت کروں

اور وہ میرا ذرا بھی خیال نہ کریں۔ ایک بار فرمایا کہ لوگ حکام کے ساتھ بے فکری کا معاملہ نہیں کرتے جس کی وجہ یہی ہے کہ قلب میں ان کی عظمت ہے اور ملانوں کی نہیں۔ اس سے مجھے غیرت آتی ہے اور چونکہ غیرت اور غصہ کا ایک ہی لہجہ ہوتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ غصہ کر رہا ہے حالانکہ وہ غصہ نہیں ہوتا بلکہ غیرت کا اظہار ہوتا ہے ایک صاحب نے اس فرق کے بتلانے میں بہت صاف گوئی سے کام لیا اور کہا کہ صاحب حکام کے ساتھ جو بے فکری کا معاملہ نہیں کیا جاتا اس کا سبب زیادہ تر خوف ہوتا ہے نہ کہ عظمت۔ میں نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن بے فکری کا مانع جہاں خوف ہوتا وہاں محبت بھی تو ہے

غرض دو چیزیں ہیں جو بے فکری

سے مانع ہیں خوف اور محبت۔ یہ مانا کہ ہم لوگوں سے خوف نہیں ہے جو موجب شکایت بھی نہیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ محبت بھی نہیں ہے اور یہی موجب شکایت ہے گو میں محبت یا بہ لفظ دیگر عقیدت کا اہل نہیں ہوں لیکن جو میرے پاس آتے ہیں ان کا تو بزبان حال یہی دعوی ہے کہ ہم کو محبت و عقیدت ہے ان کے اس دعوی ہی کی بناء پر تو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دعوی تو کچھ ہے اور عمل کچھ ورنہ مخالفین نے تو کافر تک مجھ کو کہا جس سے بڑھ کر کوئی برا لفظ نہیں ہو سکتا لیکن ان کے اس کہنے سے میرے قلب پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا اور نہ ان کی طرف سے کوئی شکایت دل میں پیدا ہوئی کیونکہ انہوں نے محبت و عقیدت کا دعوی ہی کب کیا تھا بلکہ وہ تو کھلم کھلا اپنے آپ کو مخالف کہتے ہیں لہذا ان سے سوائے مخالفت کے اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی پھر ان کی شکایت ہی کیا۔ شکایت تو ان کی ہے جن کو دعوے تو ہے محبت و عقیدت کا اور عمل اس کے خلاف۔

(۲۲۵) حضرت حکیم الامت کا حق سبحانہ سے حسن ظن

ایک صاحب نے کوئی بھولے پن کی بات خط میں لکھ دی تھی اس پر فرمایا کہ اتنی بھولا پن گناہ تو نہیں لیکن پسندیدہ نہیں کیونکہ یہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی وضع کے موافق نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب نہایت عاقل نہایت ذہین اور نہایت زکی نہایت بے دار نہایت مدبر نہایت ہوش مند نہایت روشن دماغ ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تو بھولے نہیں ہوئے گو بھولے مسلمان بھی جنت میں تو جاویں گے لیکن قرب کے درجات عالیہ انہیں کو

ملیں گے جن کی حالت علماً" و عملاً" اصولاً" واخلاقاً" انبیاء علیہم السلام کی مشابہ ہوگی۔ ایک جمعہ کو حضرت عبداللہ بن مبارک نے مسجد جامع کے سامنے مسلمانوں کا کثیر مجمع دیکھ کر بہت اظہار مسرت فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سب جنت کی بھرتی ہیں مگر آدمی ان میں بس ایک ہی دو ہوگا۔ قاضی شریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عہدۂ قضاء پر مقرر کئے گئے تھے ان کی عمر اچھی ہوئی اور اس عہدہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مامور رہے۔ ان کی عدالت میں ایک شخص نے یہ دعوی دائر کیا کہ میں نے فلاں شخص کو اتنے روپیہ بطور امانت کے سپرد کئے تھے اب وہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ قاضی شریح نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ تو اس کی امانت کیوں نہیں واپس دیتا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اس نے ایک پیسہ بھی امانت نہیں رکھوایا۔ قاضی شریح نے مدعی سے فرمایا کہ یہ تو تمہارے دعوے کو تسلیم نہیں کرتا اگر ثابت کرنا ہو تو گواہ لاؤ۔ اس نے کہا کہ گواہ کہاں سے لاؤں۔ مقصود اخفاء تھا کہ کسی اور کو اطلاع نہ ہو جائے اس لئے اس کو جنگل میں لے جا کر ایک درخت کے نیچے وہ امانت سپرد کی تھی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب گواہ نہیں تو پھر تمہیں شرعاً" صرف یہ حق ہے کہ اس سے قسم لے لو۔ اس نے کہا کہ اس کی قسم کا کیا اعتبار یہ تو رقم لے کر بھی انکار کر رہا ہے قاضی صاحب نے کہا کہ پھر کیا ہو سکتا ہے۔ شریعت میں یہی دو صورتیں ہیں کہ مدعی یا تو گواہ پیش کرے یا مدعی علیہ سے قسم لی جائے۔ اس طرح اس کو مایوس کر کے اس سے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ پھر تھوڑی دیر بعد دفعتہً" مدعی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اچھا جاؤ اس درخت کو ہاتھ لگا آؤ گو اس کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اس کا مقدمہ سے کیا تعلق ہے لیکن چونکہ حکم کا امتثال ضروری تھا اس لئے وہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد قاضی صاحب دفعتہً" مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھا کہ جی اب تو وہ اس درخت کے پاس پہنچ گیا ہوگا اس کے منہ سے فوراً" نکلا کہ جی ہاں پہنچ گیا ہوگا یا یہ نکلا کہ نہیں پہنچا ہوگا قاضی صاحب نے فوراً" حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر لو اس کا انکار کرنا غلط ہے کیونکہ جب یہ واقعہ ہی نہیں ہوا تو پھر اسے یہ خبر کیسے ہوئی کہ وہ درخت کتنے فاصلہ پر ہے بس پھر کیا تھا اس کو جرم کا اقرار کرنا پڑا اور امانت واپس کرنا پڑی۔ تو دیکھئے قاضی شریح کیسے ذہین تھے امر واقعی معلوم کرنے کی کیسی اچھی ترکیب سوجھی اگر بھولے بھالے ہوتے تو صاحب حق کے حق کو کیسے ثابت کر سکتے۔ یہ تابعی ہیں صحابی نہیں مگر حضرات صحابہ

ان کو اپنے ہی میں سے سمجھتے تھے اور وہ بھی ان سے بے تکلف مسائل علمی اور کلام و بحث مباحثہ کرتے تھے۔ غرض وہ اس درجہ کے تابعی تھے کہ صحابہ کے طبقہ میں سمجھے جاتے تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ قاضی تھے ایک واقعہ خود حضرت علیؓ کے ساتھ ہوا کہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہو گئی تھی آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اور اس کو پہچان کر اس سے کہا کہ یہ تو ہماری زرہ ہے اس نے جھوٹ انکار کیا کہ نہیں یہ آپ کی نہیں یہ تو میری ہے آپ نے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ کر دیا۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ ثبوت لائیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک آزاد شدہ غلام بطور گواہ کے پیش کیا جس کا نام قنبر تھا۔ دوسرے گواہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے ان کو جب پیش کیا گیا تو قاضی شریح نے عرض کیا کہ غلام تو آزاد شدہ ہے اس کی گواہی جائز ہے مگر حضرت حسنؓ کی گواہی مسموع نہیں۔ کیونکہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حضرت علیؓ کے نزدیک بیٹے کی گواہی معتبر تھی اس لئے حضرت حسن کو پیش کیا تھا اور قاضی شریح کے نزدیک یہ گواہی معتبر نہ تھی لہٰذا انہوں نے اور گواہ مانگا لیکن چونکہ اور گواہ کوئی نہ تھا اس لئے وہ زرہ یہودی ہی کی قرار دی گئی اور عدم ثبوت میں حضرت علی کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ دیکھئے رعایا کو اتنا آزاد کر رکھا تھا کہ ایک طرف تو خود امیر المومنین اور دوسری طرف ایک ادنیٰ رعیت جو مسلمان بھی نہیں بلکہ یہودی اور وہ امیر المومنین کو جھٹلا رہا ہے۔ وہ فرمارہے کہ میں پہچانتا ہوں یہ میری زرہ ہے وہ نہایت بے باکی کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ نہیں آپ کا دعویٰ غلط ہے یہ میری ہی زرہ ہے۔ پھر باوجود اس صریح جھوٹ کے امیر المومنین کی طرف سے اس پر کوئی ہیبت طاری نہیں کی گئی، کوئی زور نہیں ڈالا گیا۔ کیا ٹھکانہ ہے۔

اس یہودی کی دلیری و بے باکی کا بات یہ ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ حضرات قانون کے پابند ہیں خلاف قانون کچھ نہ کریں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی بجائے اس کے کہ خود کوئی کاروائی کرتے یا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اپنی ہیبت طاری کرتے اپنے ایک ماتحت قاضی کے یہاں جا کر نالش کی اور دعویٰ دائر کیا حالانکہ زرہ کی حقیقت ہی کیا تھی در گزر ہی کرتے مگر صرف اس لئے دعویٰ دائر کیا کہ کبر نہ ہو اور یہ عار مانع نہ ہو کہ امیر المومنین ہو کر ایک ادنیٰ زرہ کے لئے ایک ادنیٰ یہودی کے مقابلہ میں اپنے ایک ماتحت کے یہاں کیا نالش کروں۔ غرض جب قاضی شریح نے حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا اور حضرت علیؓ وہاں سے نکلے تو بالکل ہشاش

بشاش اور خوش بخوش اپنی اس ناکامیابی پر کسی قسم کی ناگواری نہ تھی اس یہودی پر اس کا بہت اثر ہوا کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں وہ باہر آکر کہتا ہے کہ اللہ اکبر ایک بادشاہ اپنی زرہ کی چوری پر باوجود خود پہچان لینے کے اپنے اختیار سے کام نہ لے اور اپنے ماتحت قاضی کے یہاں جا کر فریاد ی ہو اور قاضی نے یہ غضب کیا کہ اپنے بادشاہ کے خلاف ایک ادنی یہودی رعیت کے مقابلہ میں فیصلہ سنا دیا اور بادشاہ کو مطلق ناگواری نہ ہوئی بلکہ اپنے خلاف فیصلہ سن کر بھی خوش بخوش باہر نکلا اتنا انصاف اور اتنی آزادی اہل باطل میں ہو نہیں سکتی بے شک یہ مذہب حق ہے جس کی برکت سے یہ صفت حاصل ہوئی یہ کہہ کر بے ساختہ کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زرہ دینے لگا کہ یہ واقعی آپ ہی کی ہے آپ نے فرمایا نہیں اب تمہیں اس کو اپنے پاس رکھو ہم نے تو یہ اب تمہیں کو دی پھر وہ آپ کے ساتھ ہی رہا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ اس زمانہ میں ایسی حالت تھی مسلمانوں کی اور اب تو وعظوں سے بھی مسلمان نہیں ہوتے اور اس وقت مسلمانوں کے واقعات و حالات دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔

(۲۲۶) حقیقت اجتہاد

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شریعت کو بدنام کیا ہے دو گروہوں نے ایک تو زاہدان خشک نے کہ بہت سی جائز چیزوں کو بھی ناجائز کر دیا اور دوسرے بے باک لوگوں نے کہ انہوں نے ناجائز چیزوں کو جائز سمجھ لیا بعض لوگ باوجود صحت عقیدہ کے عمل میں تشدد یا تساہل کرتے ہیں حالانکہ شریعت افراط تفریط دونوں سے پاک ہے بعض لوگ باوجود صحت عمل کے جاہلوں کے اعتراضات کے خوف سے اصل احکام کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہماری شریعت ایسی نہیں ہے کہ اس کے کسی مسئلہ کے اظہار سے ہمیں شرم آئے ہماری شریعت تو مثل اس حسین کے ہے جس کے حسن میں کسی قسم کی کمی نہیں بال بھی حسین چہرہ بھی حسین آنکھیں بھی حسین ہاتھ پاؤں بھی سڈول قد بھی موزوں غرض سر تاپا حسین ہے۔ اس کو باستثناء مواقع خاص کیا ضرورت ہے اپنا منہ چھپانے کی جس کے حسن میں کمی ہو مثلاً چہرہ پر داغ ہوں اور منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ کہیں ہمارا عیب ظاہر نہ ہو جائے جس کے سر میں گنج ہے اس کو اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ کہیں سر نہ کھل جائے اور جس کے بال حسین ہوں اور مانگ پٹی نکلی ہوئی ہو وہ اپنا سر

کیوں چھپانے لگا بلکہ وہ تو قصداً ٹوپی اتار اتار کر بیٹھے گا کہ دیکھ لو ہمارے بال کیسے دلکش ہیں تو جناب ہماری شریعت تو ایسی ہے کہ جس ادا کو دیکھئے وہی دلکش اور سراپا اس کی مصداق ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ا-ینجاست

اور ان سب میں اشد طریقہ اہل شبہات کا ہے کہ احکام میں شبہات نکالتے ہیں اور مبادی سے بے خبر رہتے ہیں مقاصد کے متعلق سوالات کرتے ہیں میں نے چھتاری کے ایک وعظ میں جس میں بہت سے جنٹلمین بھی شریک تھے شریعت مقدسہ کے متعلق جو شبہات و وساوس پیدا ہوتے ہیں ان کا یہ علاج بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا کرو کیونکہ وساوس کی قاطع محبت ہی ہے۔ پھر میں نے اپنے اس قول پر یہ حجت قائم کی کہ فرض کیجئے کہ کسی کا کسی عورت پر دل آگیا اور اس قدر عشق بڑھا کہ اس کے راضی کرنے کی کوشش میں اس نے اپنا سارا مال و متاع خرچ کر ڈالا اور یہ یک بینی و دو گوش رہ گیا مگر پھر بھی و ملنے پر راضی نہ ہوئی۔ پھر خود بخود رحم کھا کر اس نے ایک دن کہا کہ میرے ملنے کی اب ایک شرط ہے وہ یہ کہ ایک لنگوٹی باندھ کر بازار کے اس سرے سے اس سرے تک سات پھیرے لگاؤ اس نے اس کو ہزار غنیمت سمجھا اور ایسا کرنے پر فوراً آمادہ ہو گیا لیکن اس کے کسی خشک دماغ دوست نے اپنے نزدیک یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ بھائی ابھی ایسا کیوں کرتے ہو پہلے اس سے یہ تو پوچھ لو کہ بھائی آخر اس میں تیری مصلحت کیا ہے میری تو خاصی رسوائی ہے اور تیری کوئی مصلحت نہیں پھر اس تجویز میں حکمت کیا ہے۔ اب آپ ہی کہئے کہ اگر وہ عاشق صادق ہے تو کیا اس مشورہ پر عمل کرے گا یا فوراً اس کو چپ کرا دے گا کہ ارے یہ کیا غضب کرتے ہو اگر کہیں اس نے سن لیا اور اس شرط کو بھی واپس لے لیا تو پھر میری تو موت ہے۔ ارے بھائی یہ تو سات پھیرے کہتی ہے میں چودہ پھیرے کر لوں گا میں پوچھتا ہوں کہ یہاں کون سی چیز ہے جو ایسے فعل پر بھی اس کو اعا کئے ہوئے ہے جو بہ ظاہر عقل کے بالکل خلاف ہے۔ وساوس آنا تو درکنار دوسرے نے دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا اس کو بھی رفع کر دیا خیر یہ کس نے کیا محض محبت نے۔ جب ایک عورت کے عشق میں یہ حال ہو جاتا ہے تو پھر محبوب حقیقی کے عشق میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں اور غیرت دلاتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولے بود

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو بہت دشوار راستہ بتادیا کیونکہ محبت تو اختیاری نہیں تو میں کہوں گا کہ واقعی یہ اصل میں تو بہت دشوار راستہ ہے لیکن میں اس کے قطع کرنے کی ایک آسان ترکیب بھی بتادیتا ہوں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ دشوار راستہ بہت سہل ہو جائے گا وہ ترکیب یہ ہے کہ اہل محبت سے تعلق پیدا کر لیجئے اور ان کے پاس آمد و رفت رکھئے ان کی صحبت کا اثر یہ ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ محبت کی تپ دق آپ کو اڑ کر لگے گی۔ وعظ میں بہت مجمع تھا لیکن سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ گویا سب میرے اس دعوے کو تسلیم کئے ہوئے تھے ایک بار مراد آباد کے ایک جلسہ میں یہی مضمون باختلاف عنوان بیان کیا گیا اس سے بھی یہی اثر ہوا چنانچہ اخبار المشیر کے ایڈیٹر نے مجھ سے کہا کہ میں نے اپنے دوست جنٹلمینوں سے جو اس وعظ میں شریک تھے وعظ کے بعد پوچھا کہ کہو بھائی اس تدبیر میں بھی کوئی شبہ ہے انہوں نے کہا کہ صاحب شبہ تو جب ہو جب اس کا تجربہ کیا جائے اور پھر ناکامیابی ہو ابھی تجربہ تو ہوا نہیں مگر دل گواہی دیتا ہے کہ صحیح ہے یہ سب کچھ کہا مگر توفیق کسے ہو۔ خیر مجھے تو اسی کی خوشی ہے کہ یہ تو ان جنٹلمینوں کی زبان پر آتا ہے کہ اگر ہمارے سوالوں کا جواب ہو سکتا ہے تو بس وہاں بھی ان کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ کرتا ہوں کہ نہ ان کی تحقیر کرتا ہوں نہ خوشامد۔

(۲۲۷) خوابوں پر قناعت کرنے میں مفسدہ

حضرت اقدس ہر امر میں اپنی طرف نہایت درجہ احتیاط برتتے ہیں اور کسی قسم کی بے احتیاطی نہیں ہونے دیتے۔ احتیاط گویا حضرت اقدس کی فطرت میں داخل ہے۔ غالباً" کسی کے غیر محتاط مشورہ دینے پر جس میں اپنے ہاتھوں ایک قسم کی مشقت خریدنا تھی فرمایا کہ جس تکلیف میں کسی قسم کا قریب یا بعید اپنا دخل ہو اس میں کسی طرح چین ہی نہیں آتا اور اگر باوجود احتیاط و اہتمام کے پھر کوئی تکلیف من جانب اللہ ہو جائے تو چونکہ اس میں اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا اس لئے اس تکلیف کی سہار ہو جاتی ہے پشیمانی نہیں ہوتی نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت بھی ہوتی ہے۔

(۲۲۸) ہدیہ سے متعلق ایک عجیب واقعہ

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا بھی ایک عجیب حال ہے مجھے اپنے متعلق کوئی احتمال

مستحضر نہیں ہوتا نہ عذاب کا نہ معافی کا نہ ضعیف نہ قوی بس ایک حیرت سی ہے جب اعمال پر نظر پڑتی ہے تو ڈر معلوم ہوتا ہے مگر عذاب کے احتمال سے نہیں بلکہ بد حالی سے اور جب مغفرت کا خیال ہوتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ویسے ہی بدوں اعمال کے ہو جائے گی۔ بس یہ کیفیت ہے قلب کی۔ بعض وقت تشویش ہوتی ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ طبیعت پر اثر ہے اور بہت زیادہ اثر ہے۔ بہت ڈر لگتا ہے لیکن باوجود ڈر کے یہ ذہن میں نہیں آتا کہ وہاں سزا دی جائے گی اور نہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ چھوڑ دیئے جائیں گے کچھ آتا ہی نہیں۔

(۲۲۹) حضرت حکیم الامت کی لطافت طبع کے چند واقعات

فرمایا کہ ایک غیر مقلد نے ریل کے سفر میں مجھ سے پوچھا کہ اجتہاد کیا ہوتا ہے میں نے کہا کہ تمہیں کیا سمجھاؤں تمہیں اس کا ذوق ہی نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ تم حقیقت اجتہاد کی تو کیا سمجھو گے میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں اس کا جواب دو اس سے کچھ پتہ اس کا لگ جائے گا دو شخص سفر میں ہیں جو سب اوصاف میں یکساں ہیں شرافت میں وجاہت میں ثقاہت میں اور جتنی صفتیں بھی امامت کے لئے قابل ترجیح ہوتی ہیں۔ وہ سب دونوں میں بالکل برابر موجود ہیں۔ اور کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ دونوں سو کر اٹھے تو ان میں سے ایک کو غسل جنابت کی حاجت ہو گئی۔ اور سفر میں ایسے مقام پر تھے جہاں پانی نہ تھا جب نماز کا وقت آیا تو دونوں نے تیمم کیا ایک نے غسل کا ایک نے وضو کا اس صورت میں بتاؤ کہ امامت کے لئے ان دونوں میں سے کون سا زیادہ مستحق ہو گا ان غیر مقلد صاحب نے فوراً" جواب دیا کہ جس نے وضو کا تیمم کیا ہے وہ امام بننے کا زیادہ مستحق ہو گا کیونکہ اس کو حدث اصغر تھا اور دوسرے کو حدث اکبر اور پاکی دونوں کو یکساں حاصل ہے مگر ناپاکی ایک کی بڑھی ہوئی تھی یعنی جس کو حدث اکبر تھا تو حدث اصغر والے کی پاکی زائد اور قوی ہوئی میں نے کہا کہ مگر فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جس نے غسل کا تیمم کیا ہے اس کو امام بننا چاہیے اور فقہاء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں اصل وضو ہے اور تیمم اس کا نائب اسی طرح غسل اصل ہے اور تیمم اس کا نائب تب ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا یہ کہ غسل افضل ہے وضو سے اور تیسرا یہ کہ افضل کا نائب افضل ہوتا ہے تو غسل کا تیمم بھی افضل ہو گا وضو کے تیمم سے لہٰذا جس نے غسل کا تیمم کیا ہے وہ بہ نسبت اس کے جس نے وضو کا تیمم کیا ہے اقوی فی

الطہارۃ ہو گا یہ ادنی نمونہ ہے اجتہاد کا یہ سن کر غیر مقلد صاحب کو حیرت ہو گئی کہا واقعی حکم تو یہی ہونا چاہیے میری رائے غلط تھی میرا ذہن تو اس حقیقت تک پہنچا ہی نہیں میں کہتا ہوں یہ تو لوگوں کی رسائی ذہن کی حالت ہے اور اس پر دعوی ہے اجتہاد کا۔ کہتے ہیں کہ جب قرآن و حدیث موجود ہیں پھر [illegible] حضرت ہی لیا ہے قرآن و حدیث سے خود ہی احکام معلوم کر سکتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ فہم کی بھی ضرورت ہے پھر فرمایا کہ ہم لوگوں میں یہ صفات تو موجود ہی نہیں۔ تقوی طہارت۔ خشیت صدق اخلاص ان سے فہم میں نورانیت پیدا ہوتی تھی اور فہم کی ضرورت ظاہر ہے جس سے یہ حقائق منکشف ہوتے تھے اور ان دقائق تک ذہن پہنچ جاتا تھا ایک واقعہ یاد آیا آپ حیرت کریں گے کہ علماء متقدمین میں کس درجہ تدین اور انصاف تھا۔ دو عالموں کا غیر مدبوغ چمڑے کی پاکی ناپاکی کے متعلق اختلاف تھا باہم مناظرہ ہوا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو ساکت کر دیا مگر اسی جلسہ میں ایک غالب صاحب نے دوسرے صاحب کا جن کو ساکت کر دیا تھا قول اختیار کر لیا گو دلائل سے ان کو ساکت کر دیا تھا لیکن دوران مناظرہ میں ان کا قول اُن کے دل کو لگ گیا لہٰذا اپنے قول سے رجوع کر لیا اس زمانہ میں یہ حالت تھی تقوی طہارت کی اب تو تہجد و تسبیح کو سمجھتے ہیں بزرگی حالانکہ بزرگی یہ ہے۔

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

کیا ٹھکانا ہے حق پسندی کا باوجود غالب آجانے کے اپنی ہار مان لی اور اپنی شرمندگی کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے خاندان عزیزیہ کے کئی بزرگوں کے تقوی کے حالات کچھ تفصیل سے بیان فرمائے جو غالباً" پیشتر ہی ملفوظات میں قلم بند ہو چکے ہوں گے کیونکہ ان حالات و واقعات کو حضرت اقدس اکثر بیان فرماتے رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اب یہ باتیں کہاں اب محض نقل ہی نقل رہ گئی ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

نقل سے کیا ہوتا ہے نقل تو بندر بھی کر لیتا ہے

انچہ مردم میکند بوزینہ ہم مگر کار بوزینہ نیست نجاری

حالات یہ ہیں اور ہمارا تقویٰ طہارت تو بندر کی سی نقل ہے یہ وہ حضرات تھے جنہیں دیکھ کر کافر مسلمان ہوتے تھے اور ہم وہ ہیں کہ ہمیں دیکھ کر بعضے مسلمانوں کو بھی شبہ ہو جائے کہ کیا مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ اب تو بزرگی بس وظیفوں کا نام ہے۔ اخلاق اور معاملات سب نہایت گندے حمیت دین کو دنیوی مقصد پر ترجیح دینے کی ایک حکایت یاد آئی شاہ محمد اسحاق صاحب کی تنخواہ بادشاہ کی طرف سے مقرر تھی جب انگریزوں کا دور دورہ ہوا تو بجائے عربی مہینوں کے انگریزی مہینوں سے تنخواہ ملنی شروع ہوئی جب شاہ صاحب کی تنخواہ آئی تو رسید پر دستخط کرنے اور انگریزی تاریخ لکھنے کے لئے کہا گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں انگریزی تاریخ نہیں لکھوں گا۔ لانے والے نے عرض کیا کہ اب انگریزی تاریخ ہی لکھنے کا حکم ہے انگریزی تاریخ ہی لکھ دیجئے ورنہ تنخواہ بند ہو جائے گی آپ نے فرمایا کہ میں کافروں کی عادت پر عمل نہیں کروں گا چاہے تنخواہ بند ہو جائے۔ خدا رازق ہے انگریز رازق نہیں۔ آج بہت سے مسلمان ایسے ہیں جنہیں عربی مہینوں کے نام بھی نہیں معلوم اور جنہیں رمضان کے آنے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ خان صاحب عبدالرحمن مطبع نظامی والے مجھ سے خود کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کے بیٹے تعلیم حاصل کر کے جب ولایت سے لوٹے تو ان کے باپ نے مجھے لکھا کہ میرا لڑکا ولایت سے آ رہا ہے کانپور کے اسٹیشن پر اس سے مل لینا شاید ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو رمضان کا مہینہ تھا میں ان صاحبزادے سے ملنے گیا تو انہوں نے اتر کر ہوٹل میں کھانا کھایا میں نے کہا کہ آپ سفر میں ہیں روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے لیکن آپ تو فرسٹ سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں جہاں ہر طرح کا آرام ہے یہ رمضان کا مہینہ ہے روزہ رکھنا افضل تھا صاحبزادے صاحب نے رمضان کے مہینے کا نام سن کر حیرت سے پوچھا کہ رمضان کیا چیز ہے میں نے کہا کہ مہینہ ہے انہوں نے کہا کہ کون سا مہینہ پھر جنوری فروری مارچ اپریل سب مہینوں کے نام گن کر فرمایا کہ اس میں تو رمضان کا کوئی مہینہ نہیں آیا۔ افسوس مسلمان کے بچے اور یہ خبر نہیں کہ رمضان کا بھی کوئی مہینہ ہوتا ہے۔

(۲۳۰) حضرت حکیم الامت کی ہدایا میں احتیاط

ایک صاحب نے اپنا ایک خواب لکھا حضرت اقدس نے حسب معمول یہ جواب تحریر فرما دیا کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں پھر فرمایا کہ خوابوں کا کیا اعتبار اول تو خود خواب ہی کا حجت

ہونا ثابت نہیں پھر اس کی صحیح تعبیر کا سمجھ میں آجانا ضروری نہیں۔ اور پھر کس کا خواب اور کس کی تعبیر پہلے ہو تو جاؤ کس قابل۔ اگر یہ کہا جاوے کہ رویاء صالحہ کو حدیث شریف میں مبشرات فرمایا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ ہم لوگوں کے خواب کا ہے یا صلحاء کے خواب کا۔ ایک تو یہ فرق۔ پھر حضرات صحابہؓ کہ ہر شے کو اپنے درجہ میں رکھتے تھے ان کے خوابوں کی تعبیر دینے میں عقیدہ خراب ہونے کا مفسدہ محتمل نہ تھا اور اب یہ بھی اندیشہ ہے اس وقت اگر خوابوں کو اہمیت دی جائے تو بس لوگ خوابوں ہی پر قناعت کر کے بیٹھ رہیں اور اصلاح اعمال سے بے فکر ہو جائیں۔ اور مفسدہ تو وہ چیز ہے کہ اگر نفل میں بھی مفسدہ ہو تو اس کو بھی ترک کرادیا جاتا ہے چہ جائے کہ خواب جو نفل تو کیا کسی درجہ میں بھی عبادت نہیں کیونکہ عمل اختیاری نہیں۔ اب اس میں تفقہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جب خوابوں کو اہمیت دینے میں عقیدہ کی خرابی کا احتمال ہے تو اس کو بالکل ہی ترک کر دینا چاہئے۔ پھر یہ بھی قابل نظر ہے کہ کبھی ایک ہی شخص کے بارے میں دو شخص مختلف خواب دیکھتے ہیں تو کس کے خواب کا اعتبار کیا جائے گا کسی کا بھی نہیں۔ کیونکہ یہ عقلی اور علمی مسئلہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا یعنی جب برابر کی قوت کی دو چیزیں متعارض ہوں تو دونوں واجب الترک ہیں تو وہی حاصل ہوا کہ خواب حجت نہیں پھر آج کل کی تعبیر بھی اٹکل پچو ہوتی ہے کبھی کسی کے نزدیک کچھ ہوتی ہے کسی کے نزدیک کچھ۔ تعبیر کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس پر ایک خواب یاد آیا ہمارے حضرات ہمیشہ ندوہ کے خلاف رہے ہیں یہ اختلاف ندوہ والوں کو معلوم تھا انہوں نے اس اختلاف کے جواب کے لئے ایک خواب پیش کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے وہ خواب گھڑا ضرور دیکھا ہو گا۔ وہ خواب یہ تھا کہ گویا ندوہ کا جلسہ ہے۔ مسند بچھی ہوئی ہے۔ اہل ندوہ مسند پر بیٹھے ہوئے کارروائی جلسہ کی کر رہے ہیں۔ باہم مشورہ ہو رہا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک طرف کو آپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ بس یہ خواب تھا۔ ان لوگوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ جس مجلس میں خود حضورؐ موجود ہوں وہ مجلس یقیناً عند اللہ مقبول ہے۔ کسی نے اس خواب اور اس تعبیر کا ذکر حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس خواب کا صحیح مطلب نہیں سمجھا کوئی ان سے کہے کہ حضورؐ کے ہوتے کسی کا مسند پر بیٹھنا صاف دلیل ہے تقدم علی الرسولؐ کی یعنی ان لوگوں میں خود رائی ہے

وہ اپنی رائے کو حضورؐ کی رائے مبارک پر مقدم کرتے ہیں۔اھ پھر حضرت اقدس مد ظلہم العالی نے فرمایا کہ دیکھئے اب ہر ایک کا تو کام نہیں اس تعبیر کا سمجھ جانا۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شخص نے بڑا وحشتناک خواب دیکھا کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ وہ قرآن شریف پر پیشاب کر رہا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ بہت مبارک خواب ہے۔اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ حافظ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ حافظ ہو گیا۔ اب دیکھئے یہ خواب ظاہر میں تو نامبارک تھا مگر حقیقت میں مبارک تھا اور ندوہ والوں کا خواب بظاہر مبارک تھا مگر دراصل نامبارک تھا۔ یہ تعبیر تو ایک مستقل ہی فن ہے۔اس میں بزرگی کا بھی کوئی دخل نہیں بلکہ اس فن سے مناسبت کے لئے تو ایمان کی بھی شرط نہیں چنانچہ ابو جہل کو فن تعبیر سے بہت مناسبت تھی اور وہ بڑا معبر تھا۔ اس فن کا مدار فطری مناسبت پر ہے اور وہ کسی کو حاصل ہے کسی کو نہیں چنانچہ مجھ کو نہیں ہے اس لئے میں نے یہ سستا نسخہ نکال رکھا ہے کہ جو شخص خواب لکھ کر مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے میں اکثر یہ شعر لکھ دیتا ہوں

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خواب میں تو اگر یہ بھی دیکھے کہ سور کا گوشت کھا رہا ہوں یا جہنم میں جل رہا ہوں مگر جب اٹھا تو اپنے اندر کوئی کام قصداً" خلاف شرع نہیں پایا تو وہ خواب مطلق منکر اور علامت قبیح نہیں۔ اور اگر خواب میں یہ دیکھے کہ میں جنت میں ہوں حوروں سے مشغول ہوں اللہ کا دیدار ہو رہا ہے مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سنت کے خلاف امور میں مشغول ہے یا معصیت میں مبتلا ہے تو وہ مبارک خواب بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ اعتبار بیداری کی حالت کا ہے جو اختیاری ہے نہ کہ خواب کی حالت کا جو غیر اختیاری ہے حضرت شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ کی تو یہ تحقیق ہے کہ اچھے لوگوں کو اکثر برے خواب نظر آتے ہیں کیونکہ ان کو اپنے عیوب ہر وقت مستحضر رہتے ہیں اور آدمی خواب میں اکثر وہی باتیں دیکھتا ہے جو اس کے دل میں اکثر مستحضر رہتی ہوں۔ غرض خواب کسی حالت کی علت نہیں ایک قسم کی علامت ہے بیداری کی حالت کی اور علامت کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی غلط اس لئے جس چیز کی وہ علامت ہے اس کی حقیقت

دیکھنی چاہئے ایک شخص سوتے میں پیشاب کر دیا کرتا تھا جس سے روز بستر خراب ہو جاتا اور بی بی کو دھونا پڑتا وہ بہت خفا ہوتی کہ شرم نہیں آتی بڈھا ہو کر بچوں کی طرح سوتے ہیں پیشاب کر دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کروں شیطان خواب میں آتا ہے اور مجھے اٹھا لے جاتا ہے کہ چلو سیر کریں پھر پیشاب کا تقاضا ہوتا ہے وہ ایک موری دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہاں بیٹھ جاؤ اور پیشاب کر لو۔ میں موری سمجھ کر پیشاب کر لیتا ہوں۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنے آپ کو بستر پر پڑا پاتا ہوں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ موری نہیں ہوتی محض شیطان کا دھوکا ہوتا ہے۔ وہ غریب لوگ تھے بیوی نے کہا کہ جب شیطان سے ایسی دوستی ہے تو اس سے اپنا کام بھی نکالنا چاہئے کیونکہ جنوں سے لوگوں کے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور شیطان تو جنوں کا بادشاہ ہے۔ اس سے اگر کچھ مانگو گے تو بہت کچھ مل جائے گا اور ہماری یہ غریبی جاتی رہے گی۔ اس نے کہا کہ اچھا اب خواب میں آیا تو اس سے کہوں گا۔ چنانچہ جب وہ رات کو سویا تو شیطان صاحب پھر آموجود ہوئے۔ اس نے کہا بس میاں نہ کچھ دیتے ہو نہ دلاتے ہو روز پیشاب ہی کرا جاتے ہو یہاں غریبی کے مارے فاقوں کی نوبت ہے۔ اس نے کہا کہ واہ تم نے اس سے پہلے کیوں نہیں کہا۔ یہ بات کیا مشکل ہے چلو میں تمہیں روپیوں کا توڑا دیدوں گا۔ پھر فراغت سے خرچ کرتے رہنا چنانچہ وہ اس کو اٹھا کر ایک شاہی خزانہ پر لے گیا اور وہاں سے روپیوں کی ایک تھیلی نکال کر اس کے کندھے کے اوپر رکھدی کہ لے جا وہ تھیلی اتنی وزنی تھی کہ مارے بوجھ کے میاں کا پاخانہ نکل گیا اب صبح جو آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بستر پر پاخانہ تو موجود ہے اور تھیلی ندارد بیوی نے یہ دیکھ کر کہا کہ اللہ کے واسطے تو موت ہی لیا کریں ایسے روپیوں سے باز آئی۔ تو ہم لوگوں کے یہ خواب ہیں۔ خواب میں تو دیکھا کہ جنت میں ہیں اور بیداری میں دیکھا تو دوزخیوں سے بدتر۔ جب بیداری کی یہ حالت ہے تو خواب کی حالت کی خوشی کیا جیسے اس شخص نے خواب میں تو دیکھا کہ خزانہ مل گیا اور بیداری میں دیکھا تو کچھ نہیں پاخانہ میں سنا ہوا پڑا ہے۔ غرض جس چیز کو شریعت نے حجت نہیں بنایا اس کو اتنی اہمیت دینا جائز کہاں ہے۔ بزرگوں نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ خواب ہی میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں بھی اگر غیب سے یہ کہا جاوے کہ تو جنتی ہے اور بالکل مامون العاقبت ہے چاہے کوئی نیک عمل کر یا نہ کر تو ضرور جنت میں جائے گا تب بھی اس پر ہرگز التفات نہ چاہئے اور رائی برابر بھی عمل میں کمی نہ کرنی

چاہئے اور اگر غیب سے یہ ندا آئے کہ تو دوزخی ہے چاہے جتنی عبادت کر تو دوزخ میں جائے گا۔ تو اس سے بھی ہرگز مایوس نہ ہو اور بدستور عبادت میں مشغول رہے۔ اسے بھی لغو سمجھے اور اسے بھی لغو سمجھے نہ اس سے کچھ متاثر ہو نہ اس سے کچھ متاثر ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور چیز بھی سوائے وحی کے حجت ہوتی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کیوں نہ ظاہر فرماتے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گو بظاہر رند مشرب ہیں اور رند مشہور ہیں گو یہ غلط ہے لیکن وہ بھی فرماتے ہیں۔

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست
ہشدارد گوش رابہ پیام سروش دار

پیام سروش کیا ہے وحی ہی تو ہے۔ وحی کو فرشتہ ہی تو لایا تھا۔ بس حجت صرف وحی ہی ہے غیر صاحب وحی کا فرشتوں کو دیکھنا بھی حجت نہیں اور اگر فرشتے بھی نہ ہوں تو کچھ پوچھنا ہی نہیں چنانچہ اس طریق میں ایسے ایسے وسوسے شیطان ڈالتا ہے کہ خدا کی پناہ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض اوقات شیطان بعض سالکوں کے متخیلہ میں تصرف کرتا ہے اور ایک آسمان بنا کر ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے پھر اس میں ان کو اسی تصرف کے اثر سے اجسام نورانی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور شیطان یہ دل میں ڈالتا ہے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ پھر وہ کچھ تعلیم کرتے ہوئے بھی سنائی دیتے ہیں اور وہ تعلیم خلاف شریعت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ایسا واقعہ بھی دیکھے تب بھی کچھ پروانہ کرے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کچھ بھی نظر آئے انوار تجلیات سب کو لائے نفی کے تحت میں لا کر سب کی نفی کر دینی چاہئے۔ عبدیت یہی ہے۔ مولانا اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لادر قتل غیر حق براند
درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند
ماند الااللہ باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے ایک مرید جب ذکر شغل کرتے تو انوار نظر آتے ان کے شیخ کو اس کا پورا اطمینان نہ ہوا کہ یہ انوار رحمانی ہیں یا شیطانی۔ بعض اوقات شیخ کو بھی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ انہیں بھی ٹھیک طور پر یہ پتہ نہ لگا کہ یہ انوار کیسے ہیں چنانچہ انہوں نے اس کا ایک امتحان لیا۔ مرید سے کہا کہ تم کسی اصطبل میں سے بلا اجازت ایک تنکا اٹھا لاؤ تاکہ گناہ نہ ہو کیونکہ ایک تنکے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس کا اٹھالانا بوجہ غیر متقوم ہونے کے گناہ تو نہیں جیسا کہ فقہاء نے بالتصریح لکھا ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ مرید تنکا اٹھالائے۔ اس کے بعد وہ نور نظر نہیں آیا۔ شیخ نے یہ حال سن کر فرمایا کہ جاؤ اب تنکا ڈال آؤ معلوم ہو گیا کہ الحمد للہ وہ نور رحمانی ہے کیونکہ جو چیز شریعت میں پسند نہ تھی اس کے کرنے سے وہ غائب ہو گیا اگر وہ نور شیطانی ہوتا تو اس فعل کے ارتکاب سے اس میں اور ترقی ہوتی۔ اھ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ اب بعض اہل سلوک فخر کرتے ہیں کہ ہم زنا بھی کر لیتے ہیں تب بھی ہماری نسبت سلب نہیں ہوتی یہی دلیل ہے اس کی کہ وہ شیطانی نسبت ہے ورنہ رحمانی ہوتی تو بھلا معصیت کے ارتکاب کے بعد باقی رہ سکتی تھی اس کی تو وہ حالت ہے جیسے پان کی کہ ذرا ہوا لگی اور خراب ہوا۔

بردل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود

نسبت رحمانی میں تو ادنیٰ ادنیٰ بات سے تغیر آجاتا ہے اور جب معصیت کے ہونے سے بھی تغیر نہ ہو تو وہ شیطانی نسبت ہے۔ نسبت روحانی تو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوئی موئی جس کو شرمندہ کہتے ہیں کہ اس کو ذرا ہاتھ لگا نہیں کہ وہ مرجھائی نہیں اور ایک شمشاد ہے کہ اس کو جتنا چاہے چھوئیے بلکہ ہتوڑے بجائیے اس پر کوئی اثر نہیں پھر فرمایا کہ یہاں صحیح تعلیم کی ضرورت ہے جو آج کل بالکل گم ہے اس لئے ان صحیح حقائق کو یوں سمجھتے ہیں کہ ملاپن ہے فلسفیت ہے تصوف نہیں۔ تصوف کو ایک مستقل فن بنا رکھا ہے شریعت کے مقابلہ میں۔

(۲۳۱) حضرت امام اعظم کی ذہانت

غالباً "کچھ ہدایا کے متعلق تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں لیکن میرے یہاں تو اخفا ہی نہیں نہ نقص کا نہ کمال کا اور پھر میں کمال ہے اللہ تعالیٰ نے جس کا جیسا دل بنا دیا بن

فلاں فلاں صاحبان اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں جایا کرتے تھے تو وہ سب جگہ کچھ نذر بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں میرے یہاں بھی آیا کرتے تھے اور کچھ ہدیہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔ یوں خدا نے انہیں سب کچھ دیا ہے وسعت بھی ہے خلوص بھی ہے لیکن میری طبیعت وہی ہے کچھ عرصہ تک تو میں لیتا رہا لیکن پھر ایک دفعہ یہ خیال ہوا کہ میاں آخر یہ بھی بشر ہیں ممکن ہے ان کی طبیعت پر گرانی ہو کہ میاں سب جگہ چڑھاوا چڑھانا پڑتا ہے۔ میں کم از کم اپنے یہاں تو اس سلسلہ کو بند کر دوں۔ مگر یہ تردد تھا کہ بند کیسے ہو کوئی عنوان ایسا ذہن میں نہ آتا تھا کہ جس سے یہ سلسلہ بند بھی ہو جائے اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ پھر ایک عنوان ذہن میں آگیا۔ ان صاحبوں میں سے فلاں صاحب سے ذرا بے تکلفی ہے کیونکہ وہ ذرا شگفتہ مزاج آدمی ہیں ان کو اپنا پیام رساں بنایا۔ انہیں سے میری بے تکلفی تھی کیونکہ وہ خود بے تکلف تھے اور میں تو بہت جلد بے تکلف ہو جاتا ہوں بشرطیکہ دوسرا تکلف نہ کرے تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کے حظوظ دیئے ہیں ایک حظ تو بزرگوں سے تعلق کا ہے اور ایک حظ ہے چھوٹوں سے تعلق کا۔ اس میں اور حظ ہے اس میں اور حظ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دو نعمتیں تو دی ہیں کیونکہ بعضے مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں اور بعضے بڑے لیکن میں ایک حظ سے ابھی محروم ہوں اور وہ برابر والوں سے تعلق کا ہے ایسا کوئی نہیں ہے کہ وہ بھی مجھے اپنے برابر کا سمجھے اور میں بھی اسے اپنے برابر کا سمجھوں۔ میں نے بہت سوچا کہ کوئی ایسا بھی ہو لیکن کوئی نظر نہ پڑا۔ کوئی تو پیر ہے یا استاد ہے اور کوئی مرید ہے یا شاگرد ہے غرض چھوٹے یا بڑے تو موجود ہیں لیکن جس سے برابری ہو ایسا کوئی نہیں۔ لہٰذا میں نے اس برابر کے تعلق کے لئے آپ لوگوں کو تجویز کیا ہے۔ اب سے آپ میرے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا کریں تاکہ مجھے یہ حظ بھی تو نصیب ہو۔ اس تمہید کے بعد میں اپنے مطلب پر آیا۔ میں نے کہا کہ خیر یہ تو آپ سے امید نہیں کہ میرے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگیں لیکن ایک صورت برابر کے برتاؤ کی ہے یعنی آپ لوگوں سے دینا لینا برابری کا رہے۔ آپ صاحبان تو دیتے ہی رہتے ہیں مگر برابر جب ہو جب میں بھی دوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے مجھے وسعت تو ہے مگر اس کے التزام میں جھگڑا ہے۔ نیز یہ آپ کی بھی شان کے خلاف ہے اس لئے برابری کی بہترین صورت یہ ہے کہ

لاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ پیش کرتے رہتے ہیں۔ تو برابر کا برتاؤ جب ہی ہو کہ جب آپ صاحبان اپنے اس معمول کو موقوف فرمادیں۔ غرض اس وقت کچھ ایسی تقریر بن پڑی کہ گو وہ ذہین آدمی ہیں لیکن اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ بہت اچھا۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اللہ تعالی نے مجھے کامیاب فرمادیا۔ گو پھر بعد کو وہ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے۔ بہت دن تک تو کچھ نہیں دیا لیکن ایک دفعہ جو آئے تو کہا کہ اب تو اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے بہت دن ہو گئے بس اب ہم سے اس پر عمل نہیں ہوتا بس اب تو اسی پرانے معمول کی اجازت دے دیجئے میں نے دل میں کہا کہ جب جوش سے دیتے ہیں تو اب وہ احتمال گرانی کا نہ رہا۔ میں نے اجازت دے دی اور پھر لینے لگا۔ لیکن اس کے ایک مدت بعد پھر لینا بند کر دیا کیونکہ ایک بات پر ان سے خفا ہو گیا تھا۔ اسی دوران میں یہاں ایک مجمع علماء کا ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے جمع ہوا تھا انہوں نے اس موقع پر کہا کہ میری طرف سے ان سب کی دعوت ہے میں نے انکار کر دیا کہ انہیں معلوم تو ہو کہ میں خفا ہوں مگر ان بے چارے کی طرف سے کوئی تغیر نہیں ہوا اور اصل میں ایک اور مولوی صاحب سے خفگی تھی اور ان کے ساتھ موافقت کرنے کی وجہ سے ان سے بھی خفا ہو گیا تھا۔ وہ تو میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور معافی چاہی حالانکہ وہ میرے ہم سبق رہ چکے تھے میں نے کہا کہ مولانا ہاتھ جوڑنا تو مجھے بھی آتا ہے یہ تو مجبور کرنا ہے معافی چاہنا نہیں۔ معاملہ تو معاملہ ہی کی طرح سے طے ہونا چاہیے۔ تو لیجئے میں اب صاف صاف کہتا ہوں۔ کہ اگر معافی چاہنے سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ میں، آپ سے کسی قسم کا انتقام نہ لوں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ تب تو میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں نے اس قسم کی معافی تو بلا کہے ہی آپ کو دے دی اور اگر مقصود یہ ہے کہ جو خصوصیت کا تعلق پہلے تھا وہ پھر پیدا ہو جائے تو اس کے بارے میں مستقل گفتگو کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس کے لئے چند ضروری شرائط ہیں جن کے بغیر یہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ بس میں تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ کی خفگی سے دنیا و آخرت میں مجھ پر کوئی وبال نہ آئے اور مواخذہ نہ ہو۔ گو مجھے اس سے حیرت ہوئی کہ انہوں نے اسی پر قناعت کر لی۔ اور اسی کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ بہر حال میں نے کہا کہ آپ بالکل اطمینان رکھئے میں آپ سے کوئی انتقام نہ لوں گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں میں نہ کبھی آپ کے حق میں بد دعا کروں گا نہ کبھی آپ کی غیبت کروں گا نہ آخرت میں، آپ سے کچھ

مطالبہ کروں گا۔ کہنے لگے کہ بس میرا مقصود حاصل ہو گیا میں تو یہی چاہتا تھا۔ میں نے پھر اس وقت سے ان کے ساتھ بہت اخلاق کا برتاؤ شروع کر دیا اور پھر واقعی ان کی طرف سے دل میں کوئی کدورت بھی نہیں رہی لیکن وہ جو پہلے ایک خصوصیت کا تعلق تھا وہ باقی نہیں رہا عام مسلمانوں کے ساتھ جیسا تعلق ہے بس ویسا ہی باقی رہ گیا۔ اجی میں تو بس اس کا منتظر رہتا ہوں کہ معاملہ یکسو ہو جائے ادھر یا ادھر الجھا ہوا نہ رہے۔

(۳۳۲) عجمی تکلفات

جمعہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ۔ حضرت اقدس مد ظلہم العالی کو چند روز سے معدہ کی کچھ شکایت پیدا ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمادیں اور مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھیں آمین ثم آمین۔ حضرت اقدس کی طبع مبارک ہمیشہ سے فطری طور پر نہایت لطیف اور نازک واقع ہوئی ہے جس کے متعلق متعدد واقعات اشرف السوانح نیز دیگر ملفوظات میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً" دوا کا مضر یا نافع اثر فوراً" محسوس ہو جاتا۔ چنانچہ آج ہی کا واقعہ ہے کہ خمیرہ گاؤ زبان جواہر والا بے تولے ہوئے محض انداز سے ناظم ادویہ نے دے دیا اور اس کو نوش فرمایا گیا جس سے مقدار معین سے کچھ زائد ہو گیا سو معدہ پر فوراً" ثقل پیدا ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد اجابت ہو گئی اس پر فرمایا کہ طبیعت اتنی ضعیف ہے کہ عرصہ ہوا ایک بار ایک شخص مجھ کو وضو کرتے ہوئے بلا ضرورت تک رہا تھا جس سے طبیعت پر سخت بار ہوا لیکن میں نے ضبط کیا۔ اس ضبط کا اثر خیال پر ہوا اور خیال کا اثر بدن پر ہوا اور بدن کے واسطہ سے مثانہ پر اثر پہنچا جس سے فوراً" قطرہ نکل آیا اور طہارت و وضو کی دوبارہ ضرورت پڑ گئی یہ تو تاثر کی حالت ہے اور پھر لوگ کہتے ہیں کہ غصہ کرتا ہے بد مزاج ہے میں کیا کروں مجھے بے ڈھنگی باتوں سے سخت ایذ پہنچتی ہے جس کو اگر ظاہر نہ کروں اور ضبط کر لوں تو امراض پیدا ہو جائیں چنانچہ ایک بار جوانی میں غصہ کو ضبط کیا تو فوراً" بخار چڑھ آیا۔ لطافت طبع پر یاد آیا کہ سیاہی یا اور کسی چیز کا ادنیٰ دھبہ بھی کپڑوں میں لگ جاتا ہے تو سب کام چھوڑ کر اس وقت اس کو صابن سے دھوتے ہیں اور جب تک دھو نہ لیں کوئی کام کر نہیں سکتے کیونکہ دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ چائے پینے میں بعض اوقات کوئی قطرہ فرش پر گر جاتا ہے تو اس کو بھی اسی وقت دھو ڈالتے ہیں خواہ چائے کے ٹھنڈے اور بے لطف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ایک

بار ایسے ہی موقع پر فرمایا کہ میں کام کو ادھار کبھی نہیں رکھتا فوراً کرتا ہوں چاہے اس وقت تھوڑی سی تکلیف ہو کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر بہت سے کام جمع ہو جائیں اور ان کا پورا ہونا بھی دشوار ہو جائے۔ حضرت اقدس کو کام کا تقاضا اتنا شدید ہوتا ہے کہ بے کئے سکون ہی نہیں ہوتا اور اس کو جلد سے جلد لگ لپٹ کر پورا ہی کر کے چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ کئی دن سے بوجہ شکایت معدہ انتہاء درجہ کی کمزوری لاحق ہو گئی کیونکہ ہفتہ عشرہ میں مشکل سے چند تولہ غذا معدہ میں پہنچی ہوگی لیکن باوجود اس کے دونوں وقت شدید تعب گوارا فرما کر خانقاہ بدستور تشریف لاتے ہیں اور سب کام ڈاک اور ملفوظات کی نظر اصلاحی وغیرہ کا نہایت مکمل طریقہ پر حسب معمول انجام دیتے رہتے ہیں اور بعد ظہر مجلس شریف بھی روزانہ منعقد فرماتے رہتے ہیں اور حاضرین کو اپنے افادات نافعہ سے حتی الامکان مستفیض فرماتے رہتے ہیں بالخصوص نو واردین کی رعایت سے ان سب حالات کو دیکھ کر سخت استعجاب ہوتا ہے اور اعانت خداوندی کا رات دن کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک بار کسی کے بے جا تکلیف دینے اور بے وقت پاس آ بیٹھنے پر خود فرمایا کہ کچھ رحم بھی تو کرنا چاہیے۔ اب کیا ہر وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پاس ہی لئے بیٹھا رہوں۔ سب دیکھنے والوں کو معلوم ہے کہ مجھے کتنے کام ہوتے ہیں۔ میں تو محض ایک طالب علم ہوں اگر کوئی درویش ہوتا تو اس عمر میں اور اس علالت میں اور اس ضعف و نقاہت میں اتنا کام کر لینے کو خرق عادت سمجھا جاتا۔ احقر نے خود درخواست کی کہ دو چار دن جب تک یہ علالت اور ضعف و نقاہت ہے ملفوظات بغرض نظر اصلاحی پیش کرنا ملتوی رکھوں تو فرمایا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ چونکہ میں نے اپنی آزادی کی اطلاع دے رکھی ہے اور کسی خاص معیاد کی قید نہیں ایسی صورت میں میرے اوپر کوئی بار نہیں ہوتا بار تو مقید ہونے سے ہوتا ہے اب تو یہ ہے کہ اگر جی نہ چاہا تو چاہے جتنے دن تک نہ دیکھوں پھر مجھے کوئی شغل بھی ہو تو بے چاہے کام کے بھی تو جی نہیں لگتا۔ اکثر حضرت اقدس کا معمول صبح کو ملفوظات کو دیکھنے کا ہے لیکن آج صبح کو ملاحظہ نہیں فرمائے مگر بعد عصر مکان پر اپنے ہمراہ لیتے گئے اور وہاں سے ملاحظہ فرما کر بعد مغرب میرے پاس پہنچا دیتے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مد ظلہم العالی کی قوت روحانی و جسمانی میں روز افزوں ترقی فرمائیں پھر حیرت در حیرت یہ کہ باوجود اس قدر ضعف و نقاہت اور اضمحلال اور علالت کے نظر اصلاحی ایسی تام اور دقیقہ رس ہوتی ہے کہ کوئی کمزور

پہلو کیا بلحاظ مضمون اور کیا بلحاظ زبان بلا اصلاح نہیں چھوٹتا حالانکہ بہت تیزی کے ساتھ سرسری نظر ڈالی جاتی ہے کیونکہ حضرت اقدس ضرورت سے زائد کاوش کسی امر میں نہیں فرماتے جو منجملہ اور وجوہ کے حضرت اقدس کی کثرت تصانیف کی ایک خاص وجہ ہے جیسے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے مسرت اور تحسین کے ساتھ حضرت اقدس سے بھی فرمایا اسی علالت کے سلسلہ میں خدام نے بارہا عرض کیا کہ اپنے خدام میں سے کسی طبیب کو باہر سے بلوالیا جائے تو فرمایا کہ ہر امر میں اعتدال اچھا ہے۔ جو کام کرنا ہو سوچ کر اور سب مصالح پر نظر کر کے کرنا چاہیے۔ جو اپنی رعایت کرے اس کی ہمیں بھی تو رعایت کرنی چاہیے مجھے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی گوارا نہیں۔ البتہ جب زیادہ ضرورت سمجھوں گا اس کا بھی مضائقہ نہیں لیکن ابھی تو میں مقامی معالج کے نئے تجویز کردہ نسخہ کا اثر دیکھ رہا ہوں۔ اگر دو ایک روز میں ضرورت ہوئی تو پہلے فلاں قریب کے طبیب کو بلوالوں گا پھر فلاں کو جو دور ہیں۔ میں نے تو پہلے سے ہی یہ ترتیب سوچ رکھی ہے۔ ایک باہر کے مشہور طبیب کو بلانے کی تجویز پر جسے بواسطہ دوسرے معتقدین کے بلا فیس آنے کی توقع تھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جاہ دی ہے تو اس کا بے جا استعمال تو نہ چاہیے بلا فیس کیوں بلایا جائے۔ اگر خدانخواستہ بعد کو ضرورت ہی محسوس ہوئی تو فیس بھی جو زیادہ ہے گوارا کی جاسکتی ہے لیکن ابھی تو مرض کی حالت سخت نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ گو ضعف ہے لیکن طبیعت ابھی منشرح ہے۔ جذبات سے زیادہ متاثر نہ ہونا چاہیے بلکہ ان کو بھی حد کے اندر رکھا جائے اور جو تجویز کی جائے سب پہلوؤں پر نظر کر کے اور سب مصلحتوں کو سوچ کر کی جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کسی کو مجھ سے ذرا برابر بھی اذیت پہنچے یا تنگی یا گرانی ہو تو مجھے گرانی ہو اور یہی وجہ ہے کہ جب باوجود میری اس قدر رعایت کے دوسرے میری رعایت نہیں کرتے تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہوں۔ بس اس اظہار رنج ہی کو لوگ تشدد سمجھتے ہیں۔ آپ تعجب کریں گے کہ میں اپنے گھر میں تو کسی سے کوئی کام ایسا لیتا ہی نہیں جس کو میں خود کر سکتا ہوں۔ اس پر بادب عرض کیا گیا کہ آپ اس ضعف کے عالم میں اس میں کسی قدر توسع فرمادیا جائے کیونکہ اس حالت میں اگر تعب برداشت کر کے کوئی کام کیا گیا تو اس تعب کا اثر روح پر پڑے گا جو سخت مضر صحت ہوگا فرمایا کہ آپ اپنی طبیعت کے لحاظ سے یہ کہہ رہے ہیں مجھ کو جسمانی تعب سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اس روحانی کلفت سے جو دوسرے سے کام

لینے میں ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ میری طبیعت اتنی آزاد ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو دنیا میں بالکل منفرد سمجھا ہے۔ کہ بس اللہ میاں ہیں اور میں ہوں عرش پر وہ ہیں اور فرش پر میں ہوں دنیا میں اور کوئی نہیں کہنے کی تو بات نہیں لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ میں اس پر بھی آمادہ ہوں کہ اگر میرے گھروں میں سے مجھ سے کسی وقت ذرا بھی تنگی ہو اور وہ میری قید میں رہنے کو ناپسند کریں تو میں بدوں خوف اپنی مصلحت فوت ہونے کے دونوں کو بے تکلف آزاد کر دینے کے لئے تیار ہوں اللہ تعالیٰ نے کچھ طبیعت ہی ایسی آزاد بنائی ہے۔ اسی دوران علالت میں اعزہ اور خدام نے بہت چاہا کہ بجائے خط کے ذریعہ سے بلانے کے معالج خاص عالی جناب حکیم خلیل احمد صاحب مدفیو ضہم سہارنپوری کو جو خود ہی ہمیشہ ہر جمعرات کو عرصہ سے حاضر خدمت معمولاً ہوا کرتے ہیں بذریعہ کسی فرستادہ کے بلالیا جائے تو اس کو منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اس صورت میں وہ بہر صورت آہی جائیں گے خواہ ان کو کیسا ہی عذر ہو۔ چنانچہ خط لکھا گیا کہ اس کا جواب آیا کہ میں از خود حسب معمول حاضر ہو رہا تھا اور روانہ بھی ہو گیا تھا لیکن دفعتاً بیمار ہو گیا اور ایسی ناقابل برداشت تکلیف ہوئی کہ مجھ کو راستہ سے گھر لوٹ آنا پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھئے اگر کوئی آدمی لینے کے لئے بھیجا جاتا تو ان پر اتنا تقاضا ہوتا کہ باوجود اس تکلیف کے بھی وہ آئے بغیر نہ رہتے میں وہمی آدمی ہوں اس لئے میں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اور میرا وہم ہی صحیح نکلا۔ پھر فرمایا کہ میری ان دقائق پر نظر ہوتی ہے اوروں کی نہیں ہوتی۔ انہیں تجربوں کی بناء پر تو میں نے ہر امر کے متعلق اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قانون ساز ہے قانون باز ہے۔ ہر بات کا قانون۔ ہر چیز کا اصول۔ بات یہ ہے کہ

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(۲۳۳) عزت بالذات تو حق تعالیٰ کے لئے ہے

۱۶ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ روز شنبہ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۱ء آج حضرت اقدس نے بوجہ بعض نوواردین باوجود انتہائی ضعف و نقاہت کے دیر تک تقریر فرمائی حالانکہ مارے ضعف کے آواز بھی مشکل سے نکلتی تھی اور لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہ تکلیف زور لگا لگا کر آواز کو قابل سماعت بنا رہے ہیں جیسے عموماً کسی کمزور مریض کو کسی مختصر کلام کے لئے بھی ایسا ہی کرنا پڑتا

ہے چہ جائے کہ حضرت اقدس مدظلہم العالی دیر تک اسی صورت سے تقریر فرماتے رہے۔ جس پر محسوس کرنے والوں کو برابر ترس آتا رہا اور سوالات سے اپنے آپ کو باز رکھا گیا تاکہ تقریر ممتد نہ ہو ایک صاحب نے کوئی چیز ہدیۃً "بذریعہ فرستادہ کے بھیجی۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ اگر طبیب اجازت دیں تو خود نوش فرماویں ورنہ جس جگہ چاہیں صرف فرماویں۔ حضرت اقدس نے فرستادہ سے فرمایا کہ طبیعت تو اجازت نہیں دیتی رہا دوسری جگہ صرف کرنا تو یہ خود ہی کریں۔ فرستادہ نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر حضرت پرہیز کی وجہ سے خود نوش نہ فرماویں تو گھر میں اور لوگ کھالیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس خط میں یہ نہیں لکھا پھر میں آپ کے قول پر اس تحریر کے خلاف کیسے عمل کر سکتا ہوں۔ یہ ارشاد فرما کر وہ لائی ہوئی چیز واپس فرمادی۔ پھر دیر تک اسی سلسلہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا کہ ایک اور صاحب نے بھی ہدیہ بھیجنا چاہا تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھ بھیجا کہ اپنے صرف میں لاویں یا جہاں چاہیں صرف فرماویں۔ میں نے یہ لکھ کر منع کر دیا کہ چونکہ مجھ کو مالک نہیں بنایا گیا ہے اس لئے واپس کرتا ہوں کسی دوسری جگہ خود ہی بلا میرے واسطہ کے صرف کر دیا جائے۔ پھر فرمایا کہ جب دو اختیار دیئے گئے ہیں مالک بننے کا بھی اور وکیل بننے کا بھی تو میں اس شق کو کیسے اختیار کروں جس میں میرا نفع ہے یعنی مالک بنا پھر فرمایا کہ اس کا سبب کوئی تقوی طہارت نہیں بزرگی نہیں ہاں اللہ تعالی نے طبیعت میں غیرت رکھی ہے۔ غیرت آتی ہے۔ غیرت پر ایک واقعہ یاد آیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا امیر غریب شہری دیہاتی مسافر مقیم جو اس وقت آجاتا اس کو دسترخوان پر بٹھالیا جاتا چنانچہ ایک دیہاتی بدوی بھی ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا اور وہ بخلاف شہریوں کی عادت کے جیسا کہ دیہاتیوں کا معمول ہے بڑے بڑے لقمے لے لے کر کھا رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے فرمایا کہ میاں چھوٹا لقمہ لو کہیں پھندا نہ لگ جائے۔ بس جناب یہ سنتے ہی وہ دسترخوان پر سے فوراً" اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ کا دسترخوان اس قابل نہیں کہ کوئی شریف اور کریم النفس آدمی اس پر بیٹھے آپ مہمانوں کے لقموں کو دیکھتے ہیں کہ کون چھوٹا لقمہ لیتا ہے کون بڑا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر بہت اصرار کیا اور کہا کہ بھائی میں نے تو تمہاری ہی مصلحت کے لئے ٹوکا تھا مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ چاہے کسی غرض سے ٹوکا ہو مگر یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کھانے والوں

کے لقموں کو بھی دیکھتے ہیں حالانکہ میزبان کو مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر پھر بالکل تغافل کر لینا چاہیے تاکہ وہ آزادی سے کھا سکے البتہ سرسری طور پر یہ دیکھتا رہے کہ کھانے میں کمی تو نہیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں باقی یہ دیکھنا کہ کون چھوٹا لقمہ لے رہا ہے اور کون بڑا لقمہ اس کی اطلاع پر مہمان کو غیرت آتی ہے یہ آداب میزبانی کے بالکل خلاف ہے۔ تو اتنے دقیق آداب ہیں مہمانی کے اور میزبانی کے۔ بس ایسے ہی آداب ہدیہ کے بھی ہیں انہوں نے ہدیہ میں مالکیت اور وکالت دونوں کو جمع کر دیا اس صورت میں غیرت آتی ہے کہ میں مالکیت کو ترجیح دوں کیونکہ اس میں طمع کی شکل ہے۔ رہی وکالت تو دوسروں کے ہدیہ میں میں کیوں واسطہ بنوں تم خود ہی دوسری جگہ کیوں نہ صرف کر دو۔ پھر انہوں نے لکھا کہ میں نے تو یوں ہی لکھ دیا تھا اصل مقصود مالک ہی بنانا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ اگر یونہی لکھ دیا تھا تو بھگتو اب میں نہیں لوں گا۔ ایسے برتاؤ سے میرے متعلق یہاں تک لوگوں کی زبان پر آگیا کہ یہ کبر ہے اور اعراض ہے نعمت حق سے میں کہتا ہوں کہ پھر متکبر کو ہدیہ ہی کیوں دیتے ہو متواضع کو دو جو قدر کرے۔ بس ملانوں کی ہر طرح مشکل ہے۔ اگر اس میں توسع کریں تو کہتے ہیں کہ لالچی ہیں اور جو احتیاط کریں تو کہتے ہیں کہ کبر ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو لالچی سمجھنے سے متکبر سمجھنا گوارا ہے۔ بس لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر معاملہ کیا کریں جو معاملہ کیا جائے پہلے یہ پوچھ لیں کہ حضور ہم کیا کریں بس جو وہ فتوے دیدیں اسی کے مطابق عمل کریں۔ جب ان کے نزدیک بھلے بنیں۔ اھ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی ان عملی تبیہات سے اصلاح بہت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نیت تو میری نہیں ہوتی اصلاح کی گو اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ اس وقت تو بس غیرت آتی ہے۔ خدا سے تو کوئی امر پوشیدہ نہیں۔ میں خوش نیتی کا اور اصلاح کا کیوں دعوی کروں واقعی تو نیت اصلاح کی نہیں ہوتی بلکہ غیرت آتی ہے۔ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ یہ کبر ہے۔ میں نے کہا کہ کبر کی بدنامی لذیذ ہے بہ نسبت تملق کی بدنامی کے۔ نواب صاحب ــــــ کی حکایت سنی ہے۔ ولایت میں عورتوں کے ساتھ تو بدکاری ہے ہی اب مردوں کے ساتھ بھی ہونے لگی ہے۔ چنانچہ نواب صاحب موٹر میں بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے اتنے میں ایک لڑکا جو ان لوگوں میں حسین تھا آیا اور نواب صاحب کے ساتھ موٹر میں بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ نواب صاحب نے یہ سمجھ کر کہ لڑکا ہے تفریح کے لئے جاتا ہوگا اپنے ساتھ بٹھا

لیا۔ اب وہ اپنے ناز و انداز عشوہ و کرشمہ دکھانے لگا لیکن نواب صاحب کو کوئی التفات نہیں ہوا خواہ عفیف ہونے کے سبب یا انہیں اس فعل سے طبعی نفرت ہو کیونکہ بعضوں کو اس فعل ہی سے نفرت ہوتی ہے اس میں مذاق مختلف ہیں۔ جب وہ اترنے لگا تو کیا کہتا ہے کہ کیا آپ نامرد ہیں جو میری باتوں سے مطلق متاثر نہ ہوئے۔ تو نامردی کی بدنامی اچھی ہے فسق و فجور کی بدنامی سے۔ اب کیا وہ جوش میں آکر اس سے بد فعلی کرنے لگتے کہ اچھالے میں تجھے دکھادوں کہ میں نامرد نہیں ہوں اور تجھے بھی خبر ہو جائے کہ میں مرد ہوں۔ پس جیسے نامردی کی بدنامی اچھی ہے فسق و فجور کی بدنامی سے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ کبر کی بدنامی اچھی ہے طمع کی بدنامی سے۔ کیا اس بدنامی سے ڈر کر میں طمع میں مبتلا ہو جاؤں۔ اور جڑ کی بات تو یہ ہے کہ نہ میں متکبر ہوں نہ متواضع۔ نہ میں اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتا ہوں کہ جو کمالات مجھ میں نہیں ہیں انہیں بھی اپنے اندر سمجھوں جیسے بزرگی اور استغناء اور نہ اتنا چھوٹا سمجھتا ہوں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو محض اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں ان کی بھی نفی کروں جیسے غیرت۔ میرے پاس مولوی حسین احمد صاحب آتے تھے مولوی عبدالماجد صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب کے لئے مجھ سے سفارش کی کہ آپ انہیں بیعت کر لیں انہیں بہت اشتیاق ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اس لائق نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ جنید اور شبلی نہ تو میں ہوں نہ آپ لیکن انہیں جنید و شبلی کی ضرورت نہیں۔ ان کی خدمت کے لائق میں بھی ہوں اور آپ بھی جیسے یہ طالب اسی درجہ کے ان کے شیخ کا ہونا بھی کافی ہے۔ اب جس طرح اساتذہ حدیث میں بخاری و مسلم نہیں ہیں۔ اسی طرح مشائخ تصوف میں جنید و شبلی نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی موجودہ اساتذہ و مشائخ ہی سے بقدر ضرورت کام چل رہا ہے۔ اگر تصوف میں جنید و شبلی ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو پھر حدیث میں بھی بخاری و مسلم ہی کی ضرورت سمجھی جائے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ آج کل کوئی علم ہی حاصل نہ کیا جائے۔ اس لئے اگر آپ اور میں یہ کہیں کہ ہم جنید و شبلی نہیں تو آپ بھی سچے میں بھی سچا اور اگر میں کہوں یا آپ کہیں کہ ہم لوگ ان کی بھی خدمت کے لائق نہیں تو میں بھی جھوٹ بولتا ہوں اور آپ بھی جھوٹ بولتے ہیں سچ یہ ہے کہ کامل نہ تو میں نہ آپ لیکن ان کی خدمت کے لئے میں بھی کافی ہوں اور آپ بھی۔ آپ تو تواضع فرما رہے ہیں لیکن

اللہ نے جیسے مجھے کبر سے محفوظ رکھا ہے عرفی تواضع سے بھی محفوظ رکھا ہے۔ ایسی تواضع میں طالبین کا ضرر ہے۔ اگر ہر مالدار یہی کہے کہ میں مفلس ہوں تو جو حاجت مند ہیں وہ کہاں جائیں اور کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں۔ یہ نہیں چاہئے بلکہ اگر کوئی اپنی ضرورت سے زائد مال رکھتا ہو اور اس کے پاس کوئی حاجتمند آئے تو بجائے اس کے کہ یوں کہے کہ میں مفلس ہوں یہ کہے کہ میں گو قارون کے برابر تو نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے تیری خدمت کے لائق میرے پاس مال موجود ہے خود حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار آدمی کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہیئت بنا رکھی ہے۔ اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھیں۔ جب خدا نے پہننے کھانے کو دیا ہے تو پہنو کھاؤ اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ حاجت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ موقعے ہی حاجت پیش کرنے کے نہیں تو بیچاروں کو کیا معلوم ہو کہ کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں غرض میں نے کہا کہ ان کی خدمت کے لائق تو میں بھی ہوں اور آپ بھی لیکن اس طریق میں شرط نفع مناسبت ہے اور مناسبت ان کو جیسی آپ سے ہے مجھ سے نہیں۔ کیونکہ آپ بھی خادم قوم ہیں یہ بھی خادم قوم اور میں ہوں نادم قوم غرض میں نے دونوں کو ٹال دیا۔ بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ پہلے تمہارے اکابر میں اتنا تشدد نہ تھا۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ پہلے اصاغر میں اتنی خود رائی بھی نہ تھی۔ اس پر مامون الرشید کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ سب جانتے ہیں کہ مامون الرشید کی سلطنت کوئی معمولی سلطنت نہ تھی بڑی آب و تاب اور شان و شوکت کی سلطنت تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ بڑا حلیم اور خوش اخلاق بادشاہ تھا یہاں تک کہ اس کی خوش اخلاقی اور حلم کیوجہ سے اس کے غلام تک اس کے ساتھ گستاخی کا برتاؤ کرتے تھے لیکن اس کو غصہ نہیں آتا تھا۔ اس لئے لوگ عموماً دلیر ہو گئے تھے کسی نے اس سے کہا کہ آپ نائب ہیں خلفائے راشدین کے کیونکہ وہی سلسلہ ہے سلطنت کا جو اب تک چلا آ رہا ہے۔ ان حضرات کے یہاں نہ یہ حشم خدم تھے نہ یہ ساز و سامان نہ کوئی چاؤش نہ نقیب غرض بالکل سادگی تھی۔ مامون الرشید نے اپنے افعال کی تاویل نہیں کی بلکہ ایک عجیب جواب دیا۔ کہا کہ تم نے حضرات خلفائے راشدین کے زمانہ کے خواص کو تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ اس زمانہ کے عوام بھی تو ایسے تھے جیسے ابو ہریرہ۔ مقداد انس اور فلاں اور فلاں۔ اگر تم لوگ اس زمانہ کے عوام

جیسے ہو جاؤ تو میں بھی حضرات خلفاء جیسا ہو جاؤں۔ اور اگر عوام تو ہوں متکبر جیسے فرعون اور ہامان اور میں بن جاؤں معمولی تو تم لوگ تو مجھے چار ہی دن میں پاگل سمجھ کر نکال باہر کرو اب تو برابر کا معاملہ ہے کہ جیسی رعیت ویسا بادشاہ۔ واقعی خوب جواب دیا۔ یہ مامون الرشید بہت حلیم تھے ایک مرتبہ یحییٰ ابن اکثم بخاری کے شیخ ان کے یہاں مہمان تھے دونوں کی آپس میں بہت بے تکلفی تھی یہاں تک کہ یحییٰ بن اکثم کو صرف نام لے کر پکارتے تھے حالانکہ وہ اتنے بڑے شخص تھے کہ بخاری کے استاد تھے مگر یحییٰ بن اکثم مامون الرشید کو امیر المومنین کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ ان کا تقویٰ تھا کہ باوجود اتنی بے تکلفی کے وہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے بہت ادب کرتے تھے اور نام لے کر نہ پکارتے تھے لیکن وہ بھی خلیفہ کے صرف یحییٰ کہنے سے جتنے خوش ہوتے تھے اتنے خوش ادب کے ساتھ نام لینے سے نہ ہوتے کیونکہ یہ خصوصیت کی دلیل ہے۔ غرض یحییٰ بن اکثم مامون الرشید کے یہاں ایک بار مہمان تھے خلیفہ نے ایک رات دیکھا کہ یحییٰ کروٹیں بدل رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے۔ فرمایا پیاس لگ رہی ہے معلوم نہیں پانی کہاں ہے خلیفہ چپکے سے خود اٹھے اور پانی لا کر پیش کیا کہ لیجئے پانی حاضر ہے وہ بہت شرمائے اور کہا کہ یہ آپ نے کیا غضب کیا کسی خادم یا غلام سے فرما دیتے۔ خلیفہ کی کوئی معمولی بادشاہت تھوڑا ہی تھی بڑی شان و شوکت کی بادشاہت تھی لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ اے یحییٰ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا مہمان کی خود خدمت کرنا سنت ہے میں نے تو سعادت حاصل کی ہے اتباع سنت کی۔ ایک دن رات کو کسی ضرورت سے خلیفہ نے آواز دی یا غلام یا غلام لیکن باوجود اس کے کہ غلام جاگ رہے تھے وہ بولے ہی نہیں چپ پڑے لیٹے رہے جب پکارتے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو ان میں سے ایک غلام جھلا کر اٹھا اور کہنے لگا کہ کیا غضب ہے رات کو بھی چین نہیں لینے دیتے یا غلام یا غلام زہر دیدو غلاموں کو۔ ایک دفعہ ہی سب کو قتل کیوں نہ کردو۔ دن بھر کام کرتے کرتے تھک کر رات کو آرام کرنے ذرا لیٹے تھے کہ بس پکار شروع ہو گئی یا غلام یا غلام یہ سن کر یحییٰ ابن اکثم کو بہت غصہ آیا۔ فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ نے اپنے غلاموں کو بہت گستاخ کر رکھا ہے۔ آپ ان کے اخلاق درست کیجئے۔ اس کا مامون الرشید نے کیا عجیب جواب دیا ایسا کہ کوئی شیخ بھی نہ دیتا۔ کہا کہ اگر میں ان کے اخلاق درست کرتا ہوں تو خود اپنے اخلاق بگاڑنے پڑتے ہیں تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں ان کے

اخلاق درست کرنے کے لئے خود بد اخلاق بنوں۔ اگر یہ بد اخلاق ہیں تو ہوں اپنی ایسی تیسی میں جائیں میں ان کے اخلاق کی درستی میں اپنے اخلاق کیوں بگاڑوں۔ تو جناب اس زمانہ میں یہ سلاطین تھے۔ ایک شخص نے مامون الرشید سے یہ سوال کیا کہ میں حج کو جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس سفر خرچ نہیں مجھ کو عطا فرما دیا جائے۔ مامون الرشید بہت ذہین اور ظریف تھا۔ ظرافت سے کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تمہارے پاس حج کے لئے سفر خرچ ہے یا نہیں اگر ہے تو پھر سوال کیوں کرتے ہو اور اگر نہیں ہے تو تمہارے اوپر حج فرض ہی نہیں پھر کیوں مانگتے ہو اس نے بے دھڑک کہا کہ سنئے جناب میں آپ کو بادشاہ سمجھ کے آیا ہوں مفتی سمجھ کے نہیں آیا اگر مجھے فتوی لینا ہوتا تو آپ سے زیادہ جاننے والے علماء اور مفتی شہر میں موجود ہیں ان کے پاس جاتا آپ کے فتوے کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر آپ کو سفر خرچ دینا ہے تو دید یجئے ورنہ صاف جواب دے دیجئے یہ آپ ایچ پیچ کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ یہ سن کر بجائے اس کے کہ برا مانتے مامون الرشید نے حکم دے دیا کہ اس شخص کو حج کا پورا سفر خرچ دے دیا جائے چنانچہ دے دیا گیا دیکھئے مامون الرشید میں باوجود ایک بہت بڑے اور جلیل القدر بادشاہ ہونے کے اس قدر تحمل تھا مگر ہم باوجود غریب اور مسکین ہونے کے اتنا تحمل نہیں کر سکتے جتنا وہ بادشاہ ہو کر کرتے تھے۔ اسی دوران تقریر میں ایک صاحب نے ہدیہ خلاف شرط اور خلاف قرار داد پیش کیا۔ اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اب یہاں کبھی مت آنا جب تک کہ خط سے معاملہ صاف نہ کر لو۔ یہ سن کر وہ صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر انتظار کر کے فرمایا کہ جواب میں ہاں نا کچھ نہیں اس پر انہوں نے کہا کہ بہت اچھا۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ بس ان لوگوں نے بدنام کیا ہے کہ مزاج میں تشدد بہت ہے۔ اب آپ صاحبوں نے دیکھ لیا کہ بس میرا یہ تشدد ہے کہ بات کو صاف کرانا چاہتا ہوں اور لوگ بات کو گول رکھنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ پھر غالباً ہدیہ کی شرائط کے تذکرہ میں یا کسی اور سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم غریب ہیں تو کیا مگر اس قسم کے غریب ہیں جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اور اس قسم کے غریب ہیں۔

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہان میں کردہ اند

اور اس قسم کے غریب ہیں۔

مبیں حقیر گدایاں عشق راکیں قوم
شہان بے کمرو خسروان بے کلہ اند

اور ایسے غریب ہیں

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

اور اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں بلکہ

ایں ہمہ مستی ومدہوشی نہ حد بادہ بود
باحریفاں انچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

پھر فرمایا کہ بھلا اپنی ذات کے لئے تو میں غیرت کیوں نہ اختیار کرتا مجھے تو اس چیز سے بھی غیرت آتی ہے جو میری ذات کے لئے نہ دی گئی ہو لیکن میرے تعلق کی وجہ سے دی گئی ہو۔ نواح پانی پت کے ایک شخص نے پندرہ روپیہ یہاں کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہے مجھے وہم ہوا میں نے اس سے پوچھا کہ پانی پت کے مدرسہ کو چھوڑ کر تھانہ بھون کے مدرسہ میں کیوں داخل کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ کوئی خاص وجہ نہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری تکذیب نہیں کرتا لیکن مجھے ایک شبہ ہے۔ تم ہی سے تحقیق کرتا ہوں کیونکہ میں گمانوں پر عمل نہیں کیا کرتا۔ اور وہ شبہ یہ ہے کہ میں یوں سمجھا کہ تم نے پانی پت کے مدرسہ کو چھوڑ کر جو تھانہ بھون کے مدرسہ میں روپیہ دینا چاہا تو اس میں تم نے دو فائدہ سمجھے کہ ثواب کا ثواب ملے گا اور ہمارے پیر بھی راضی ہو جائیں گے کہ ہمارے مدرسہ میں دیا۔ میں نے کہا تو تم نے خدا کے ساتھ پیر کو شریک کیا لہٰذا میں شرک کی رقم مدرسہ میں داخل نہیں کرونگا۔ اس نے کہا کہ سچی بات تو یہی ہے۔ غرض میں نے وہ رقم واپس کر دی۔ اگلے دن وہ پھر آیا اور کہا کہ میں نے اب اللہ سے رو رو کر اپنی اس نیت کی معافی مانگ لی ہے اب میں محض اللہ کے واسطے یہ روپیہ یہاں کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہتا ہوں اب قبول فرما لیا جائے۔ میرے یہاں الحمد للہ جہاں احتیاط ہے وہاں غلو بھی نہیں میرے دل کو لگ گیا کہ واقعی اس نے دل سے توبہ کر لی ہے بس پھر میں نے لے لیا

کیونکہ جو چیز مانع تھی وہ مرتفع ہو گئی۔ ایک مرتبہ نواب جمشید علی خان صاحب نے سو روپیہ زکوۃ کا مدرسہ میں بھیجا اور چونکہ بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں منی آرڈر کے کوپن میں سادگی سے یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے بے حد اشتیاق ہے آپ کو اپنا مہمان بنانے کا۔ میں نے منی آرڈر یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ آپ یہ رقم دے کر مجھ پر زور ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں ضرور باغ پت آؤں۔ خواہ مجھے کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے میری آزادی میں فرق آتا ہے اس لئے آپ اپنے روپے رکھئے اور اب آنے جانے کے متعلق گفتگو کیجئے۔ بس حقیقت روشن ہو گئی جمشید تو وہ تھے اور جام جمشید میرے پاس تھا جس میں سارے حالات نظر آجاتے تھے پھر ان کا معذرت کا خط آیا۔ ماشاء اللہ ان کی تہذیب اور سمجھ دیکھئے انہوں نے لکھا کہ حقیقت میں مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے منی آرڈر کے ساتھ ہی تشریف آوری کی درخواست بھی کر دی میں اب بلا نیکی تحریک سے رجوع کرتا ہوں اور اب اس سے بالکل قطع نظر کر کے مکرر منی آرڈر بھیجتا ہوں امید ہے کہ اب براہ کرم قبول فرما لیجئے گا۔ میں نے پھر منی آرڈر لے لیا اور لکھا کہ پہلے تو آپ کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور اب آپ کی اس تہذیب کو دیکھ کر میں خود آپ سے ملنے کا مشتاق ہو گیا ہوں۔ لہذا جب آپ چاہیں اس کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں میں نے کہا کہ جب ان کی دل شکنی کی ہے تو اب دلجوئی بھی کرنا چاہیے۔ ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھنا ضروری ہے حدیث شریف میں ہے نزلوا الناس منازلھم۔ سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا سنت کے خلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک معمولی سائل آیا اس کو آپ نے چھوہارے دیئے پھر ایک سائل گھوڑے پر سوار ہو کر اچھا لباس پہنے ہوئے آیا۔ آپ نے اس کو اکرام کے ساتھ بٹھلایا اور عزت کے ساتھ کھانا کھلایا۔ جب وہ سائل چلا گیا کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس تفاوت کے متعلق عرض کیا کہ یہ بھی سائل تھا وہ بھی سائل تھا ان میں فرق کرنے کی وجہ کیا تھی۔ فرمایا اس کا رتبہ اور ہے اس کا اور ہے دونوں کے ساتھ ان کے رتبہ کے موافق ہی معاملہ کرنا چاہیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے نزلوا الناس منازلھم غرض شریعت میں ہر شے کے اندر حکمت ہے عدل ہے اور اعتدال ہے۔ کسی کو شریعت کے جمال کی کیا خبر۔ ہر شے اپنے ٹھکانہ پر ہے اور حسین تو وہی ہے جس کے سب اعضا متناسب اور اپنے ٹھکانہ پر ہوں یہاں ایک شخص آئے تھے ان کی آنت کا اپریشن ہوا تھا ڈاکٹر

نے آنت کا منہ بجائے مقعد کے پسلی کی طرف کر دیا تھا لہٰذا پسلی ہی میں سوراخ کرنا پڑا اور وہ بجائے مقعد کے پسلی میں سے ہگتا تھا۔ اب اگر کوئی شخص بجائے مقعد کے پسلی میں سے ہگتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں لیکن نقص ہے اور عیب ہے اسی طرح اگر کسی بزرگ میں بزرگی بھی ہے تہجد بھی ہے اشراق بھی ہے مگر اس کے اقوال و افعال میں اعتدال نہیں تو گو گناہ نہ ہو لیکن اس حال کو عند الشرع پسندیدہ نہیں کہہ سکتے ہمارے بزرگوں میں الحمد للہ یہی بات ہے کہ ہر موقع پر اس موقع کے مناسبت عمل کرتے تھے اور کسی کام میں کوئی نفسانی دخل نہیں ہوتا تھا نہ تقوی بگھارتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو واقعے ایسے پیش آئے جن میں آپ کو یہ تردد ہوا کہ لوگ بدنام کریں گے۔ ایک تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا خیال۔ اس میں آپ کو لوگوں کی اس ملامت کا خوف تھا کہ دیکھئے اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا حالانکہ حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محض متبنی تھے بیٹے نہ تھے۔ ایک موقعہ تو یہ تھا اندیشہ ملامت کا۔ اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے ارشاد فرمادیا وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاہُ۔ یعنی لوگوں سے آپ ڈرتے ہیں۔ ڈرنا تو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہئے پھر ارشاد فرمایا کہ زَوَّجْنٰکَهَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ہ۔ یعنی ہم نے آپ کا نکاح زینبؓ کے ساتھ کر دیا۔ (اگر لوگ برا کہیں کچھ پروا نہیں ہمیں تو یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ متبنی کی بیبیوں کے ساتھ بھی بعد علیحدگی کے نکاح کر لینا جائز ہے) تاکہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں خواہ مخواہ تنگی واقع نہ ہو جب وہ اپنی حاجت پوری کر لیں۔ اس ارشاد کے بعد اب حضورؐ کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ سو ایک تو یہ موقع تھا کہ جس میں حضورؐ کو ملامت کا خوف تھا مگر اس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور ایک موقع تھا حطیم کے کعبہ میں داخل کرنے کا۔ حضورؐ کا دل تو چاہتا تھا کہ موجودہ عمارت کو شہید کر دیا جائے اور حطیم کو داخل کعبہ کر کے از سر نو بنایا جائے لیکن آپ کو ایسا کرنے سے یہ خیال مانع تھا کہ لوگ ملامت کریں گے کہ لیجئے یہ اچھے نبی پیدا ہوئے کہ کعبہ ہی کو ڈھاتے ہوئے آئے لہٰذا آپ نے اپنے اس ارادہ کو فسخ فرما دیا اور اس خوف ملامت پر اللہ تعالیٰ نے نکیر نہیں فرمایا لہٰذا معلوم ہوا کہ بدنامی کا خوف ہر جگہ معتبر نہیں کوئی تو عمل ایسا ہے کہ جس کو بدنامی کے خوف سے نہ

کرنے کی اجازت ہے اور کوئی ایسا ہے کہ جو باوجود بدنامی کے خوف کے بھی مامور بہ ہے۔ یہ تحقیق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ فرماتے تھے کہ ان دونوں عملوں میں خواہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کیا فرق ہے لیکن اجمالاً اتنا معلوم ہو گیا کہ فرق ضرور ہے پس ایسے موقعوں پر فرق سمجھنا یہ حکیم کا کام ہے پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ فرق اللہ کا شکر ہے میرے ذہن میں آگیا۔ وہ یہ کہ حطیم کا داخل کعبہ کرنا تو کوئی حکم شرعی مقصود بالذات نہیں۔ اگر سارے کعبہ کی عمارت بھی بے نشان ہو جاوے تب بھی کسی شرعی مقصود میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر حطیم داخل ہو جاوے تب بھی کسی شرعی مقصود میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر حطیم کعبہ نہیں ہوا تب بھی اس بقعہ کی فضیلت اور حکم تو وہی ہے جو داخل ہونے کی حالت میں ہے۔ پس اس کے داخل نہ ہونے سے کون سا مقصود شرعی فوت ہو گیا اور یہاں حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کرنا تبلیغ کا ایک فرد عظیم ہونے کے سبب ایک مقصود شرعی ہے جس کا حاصل ایک عملی فتوی بتانا ہے کہ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح جائز ہے اور اس عام خیال کا تغلیط ہے کہ متبنیٰ مثل حقیقی بیٹے ہی کے ہے لہٰذا جو عورت اس نکاح میں رہ چکی ہو اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ غرض اس حکم شرعی کی عملی تبلیغ تھی جو سخت ضروری ہے کیونکہ تبلیغ زبانی سے عملی تبلیغ زیادہ راسخ ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالی نے اس نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تبلیغ کرائی اور ارشاد فرمایا کہ تم خود نکاح کر کے دکھلا دو اور بکنے دو لوگوں کو یہاں ایک استطرادی نکتہ ہے وہ یہ کہ جہاں حضرت زینب کے نکاح کا ذکر ہے وہاں اس عنوان سے ذکر ہے وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ کہ آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ دیکھئے اگر حضورؐ صاحب وحی نہ ہوتے اور نعوذباللہ کلام اللہ حضورؐ ہی کا بنایا ہوا ہوتا تو قرآن میں تَخْشَى النَّاسَ یہ تو اچھا خاصا الزام ہے کہ تم لوگوں سے ڈرتے ہو جو دلیل ہے کمزوری کی اب یہ سوال رہا کہ جب یہ تبلیغ تھی جس میں انبیاء نہیں ڈرے پھر آپ کیوں ڈرے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اولاً اس کی تبلیغ ہونے کی طرف التفات نہ ہوا تھا جب معلوم ہوا پھر تو آپ بلا خوف ملامت اس پر عامل ہو گئے۔ اس لطیف ربط اور تفسیر پر کسی صاحب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ کلام مجید کو حضرت نے کیا خوب سمجھا ہے۔ فرمایا کہ میں نے کیا سمجھا ہے۔ اللہ جسے سمجھا دے۔ جس روز یہ

تفسیر میری سمجھ میں آئی سارا غبار دور ہو گیا۔ اور یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ مقاصد شرعیہ میں تو بد نامی کا کچھ خیال نہ کیا جائے اور غیر مقاصد میں بد نامی سے بچنا ہی مناسب اور سنت کے موافق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے اپنے محل پر ہونی چاہیے حکیم وہی ہے جو کرتہ کو کرتہ کی جگہ پہنے اور پاجامہ کو پاجامہ کی جگہ پہنے یوں تو بدن ڈھکنے کے لئے اگر کرتہ کی جگہ پاجامہ اور پاجامہ کی جگہ کرتہ بھی پہن لیں۔ اس طرح کہ بڑے بڑے پائنچے اور بڑی بڑی آستینیں بنالیں تب بھی جو اصل مقصود ہے یعنی بدن کا ڈھک جانا وہ تو اس صورت میں بھی حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اپنے ذوق سے دیکھ لیجئے کہ کوئی کتنا ہی حلیم اور کریم ہو اور سادہ مزاج ہو کیا اس وضع کو پسند کرتا ہے ہرگز نہیں۔ تو آخر اس میں اور تواضع کی سادہ وضع میں فرق کیا ہے۔ بس فرق یہی ہے کہ گو بدن تو اس طرح پہننے میں بھی ڈھک گیا لیکن یہ دونوں چیزیں بے محل ہوئیں۔ مشہور ہے نا کہ کوئی بزرگ تھے ان کی شادی ہوئی پہلی شب تھی کپڑے کیوں نہ اتارے جاتے علی الصباح جو اٹھ کر وہ باہر آنے لگے تو اندھیرے میں غلطی سے عمامہ سمجھ کر بیوی کا پاجامہ سر سے لپیٹ لیا۔ باہر نکلے تو بڑا مخول ہوا کہنے کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو غرض عمامہ کی ہے وہ پاجامہ سے بھی حاصل ہو گئی خصوص جب عمامہ اور پاجامہ دونوں کے اخیر میں مہ مہ ہے پھر اس میں مخول کی کیا بات تھی بس بات یہی ہے کہ گو پاجامہ بھی عمامہ کا کام دے سکتا ہے لیکن وہ سر پر باندھنے کے لئے موزوں نہیں ہے بلکہ ٹانگوں میں پہننے کے لئے موزوں ہے لہٰذا پاجامہ کو عمامہ کی جگہ استعمال کرنا ناموزوں ہوا اور ناموزونیت صرف اہل دنیا ہی کے نزدیک نہیں بلکہ اہل دین کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہے ہمارے ماموں صاحب حیدر آبادی نے موزونیت کے مطلوب ہونے پر ایک عجیب استدلال کیا تھا بس عمر بھر میں ان کا یہ استدلال تو مجھے بہت پسند آیا باقی اور باتیں سب مخدوش تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ ذہین بہت تھے نظر کم تھی طبیعت میں آزادی اور بے باکی تھی پھر اس پر مغلوب الحال اس لئے ان کی اکثر باتیں حدود سے نکلی ہوئی ہوتی تھیں۔ سو جو ان کا ایک استدلال مجھ کو پسند آیا وہ اسی کی تائید مطلوبیت میں ہے۔ فرماتے تھے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی زرہیں بناؤ پوری پوری اور اس طرح کہ کڑیوں میں اندازہ رہے کوئی بڑی کوئی چھوٹی نہ ہو۔ دیکھئے اگر کڑیاں

چھوٹی بڑی ہوں تب بھی جو زرہ سے اصلی غرض ہے وہ تو اس صورت میں بھی حاصل ہے پھر آخر اس قید کی کیا ضرورت تھی کہ کڑیاں چھوٹی بڑی نہ ہوں ایک اندازہ پر ہوں۔ اس میں اور کیا بات ہے سوائے تعلیم موزونیت کے کہ ہر شے اپنے محل پر ہو۔ ہماری تمام عمر قرآن شریف ہی میں گذری لیکن یہ استدلال ہمارے ذہن میں بھی کبھی نہیں آیا۔ پھر حضرت اقدس نے اپنے ماموں صاحب کے مغلوب الحال ہونے کے سلسلہ میں فرمایا کہ محققین اپنے اقوال میں ادب کی بہت رعایت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ادب تو بڑی چیز ہے مولانا تو اللہ والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ

بے ادب گفتن سخن باخاص حق
دل عیراند سیہ دارد ورق

اہل طریق نے ادب کی بے حد تاکید کی ہے۔ ان کا تو یہ قول ہے کہ

طرق العشق کلھا آداب ادبوا النفس ایھا الاصحاب

اور واقعی ادب کی سالکین کے لئے نہایت سخت ضرورت ہے۔ اس کا بڑا اہتمام چاہیے۔ اور ہر وقت نگہداشت رکھنی چاہیے کہ کوئی کلمہ بے ادبی کا زبان سے نہ نکل جائے ورنہ بعض اوقات اس کے بڑے برے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ عوارف میں ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے کسی گفتگو کی رو میں کوئی کلمہ ایسا نکل گیا جو وقائق ادب کے خلاف تھا۔ چونکہ بظاہر وہ ایک معمولی سی بات تھی اس لئے اس کی طرف ان کو کچھ التفات بھی نہ ہوا کہ میرے منہ سے کیا نکل گیا پھر ایک مدت گزر جانے کے بعد جو ایک دن حسب معمول ذکر کرنے بیٹھے تو لاکھ ہی کوشش کرتے ہیں لیکن زبان سے ذکر ہی نہیں نکلتا۔ اب تو وہ بہت پریشان کہ یا اللہ یہ کیا آفت ہوئی۔ پھر بہت عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ الہام ہوا کہ فلاں دن تمہاری زبان سے فلاں کلمہ خلاف ادب نکلا تھا۔ ہم نے اتنے دن تک تمہیں ڈھیل دی کہ شاید توبہ کرلو لیکن تم نے توبہ نہیں کی اس لئے آج اس کی سزا یہ ہے کہ تم ہمارا نام نہیں لے سکتے۔ بس یہ سننا تھا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ بہت روئے بہت گڑگڑائے۔ بہت توبہ کی۔ بہت دعائیں کیں۔ تب پھر زبان جاری ہوئی اور ذکر کی مثل سابق پھر توفیق ہونے لگی۔ بہت نازک معاملہ ہے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ تو خبر نہیں کہ اس وقت کیا شان ہے پھر کس

بھروسہ پر جرأت کی جائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مختلف سالکوں کے ساتھ مختلف معاملہ ہوتا ہے۔ بڑی باتوں پر بھی بعضوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور بعضوں سے گرفت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ناز میں آکر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک خاص کلمہ فرمادیا۔ (اور وہ مجھے معلوم ہے مگر میری زبان سے نکل نہیں سکتا) کسی نے وہ کلمہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نقل کر دیا۔ سن کر بحیرت پوچھا کہ کیا یہ فرمایا کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ انہیں کا درجہ ہے جو سن لیا گیا ہم ہوتے تو کان پکڑ کر نکال دیئے جاتے۔ بات یہ ہے کہ بعضوں کا درجہ ادلال اور ناز کا ہوتا ہے اس میں وہ معذور سمجھے جاتے ہیں مگر عام طور پر تو عارفین کی یہی تعلیم ہے کہ

پیش یوسف نازش وخوبی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
ناز را روئے بباید ہمچو ورد — چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا وناز — عیب باشد چشم نابینا وباز
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش — ہمچو اوبا گریہ و آشوب باش

یہ تو اہل کمال کے حالات ہیں باقی مدعیوں کی حالت عجیب ہے کہ مخلوق کا تو کچھ ادب بھی کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے جناب میں سراسر گستاخ ہیں اور اس کو ناز سمجھتے ہیں اور اہل حال کے نقال بنتے ہیں۔ دیکھئے تبرے کے مسئلہ میں کتنا شوروغل مچا ہوا ہے اور کتنی ناگواری اس پر ظاہر کی جاتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوال ہے کہ (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کی عظمت حضرات صحابہ کی عظمت سے بھی کم ہے اگر وہاں کوئی گستاخی کرے تب تو اتنا ناگوار ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی کلمہ کہہ دے تو دل پر چوٹ بھی نہ لگے۔ اگر آپ بھنگی سے کہیں کہ ارے بھائی جھاڑو دے دو اور کوئی آپ سے پوچھے کہ کیا آپ بھنگی کے بھائی ہیں تو آپ ہی کہئے کہ آپ کے دل پر کیا گذرے حالانکہ وہ آپ کا ایک رشتہ سے بھائی ہے بھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں آپ بھی ہیں وہ بھی۔ تو اپنا تو اتنا ادب اور حق تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں اجی حضرت اللہ تعالیٰ کا تو اتنا ادب ہے کہ اس کو بعض اوصاف کمال سے موصوف کرنا بھی بدون اذن شرعی جائز نہیں چنانچہ ان کو حکیم کہنا جائز ہے طبیب کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح رحیم کہنا جائز ہے شفیق کہنا جائز نہیں کیونکہ شاید یہ اوصاف باوجود اوصاف

کمال ہونے کے حق تعالی کی شان کے مناسب نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گو ویسرائے کو سب اختیارات حاصل ہیں کانسٹبل کے بھی تحصیلدار کے بھی لیکن اس کو کوئی کانسٹبل اور تحصیلدار کہہ کر تو دیکھے کیسی گردن ناپی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایہام ہے نقص کا۔ سبحان اللہ یہ حضرات محقق ہیں یہ حضرات عارف ہیں۔ خصوص خواص کی تو ایسی ایسی باتوں پر بھی گردن ناپی جاتی ہے جن پر عوام سے کوئی باز پرس ہی نہیں ہوتی۔ کسی نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالی نے کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ تم کیا عمل لائے ہو۔ میں نے اپنے جس عمل پر بھی غور کیا اس کو پیش کرنے کے قابل نہ پایا۔ بالاخر میں نے کہا کہ آپ کی توحید کا عقیدہ لایا ہوں۔ کیونکہ یہ تو ہر عامی مسلمان کو حاصل ہے۔ ارشاد ہوا۔ اماتذکر لیلتہ اللبن کیا دودھ والی رات یاد نہیں ہے۔ بات یہ تھی کہ ایک شب بایزید کے پیٹ میں درد ہوا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رات دودھ پی لیا تھا اس سے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالی نے دودھ والی رات یاد دلائی کہ تم کو اسی برتے پر توحید کا دعوی ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے دودھ کو موثر بتایا کیا یہی توحید ہے۔ اس گرفت پر حضرت بایزید کانپ اٹھے اور عرض کیا کہ حضور میں کچھ نہیں لایا سوائے امید رحمت کے اس پر ارشاد ہوا کہ ہاں اب کہی آدمیوں کی سی بات۔ گو تمہارا کوئی عمل اس قابل نہیں کہ تم اس کو آج ہمارے سامنے پیش کر سکو لیکن خیر تمہاری اس امید رحمت پر محض اپنی رحمت ہی سے جاؤ ہم نے تمہیں چھوڑ دیا۔ دیکھئے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا بڑا درجہ تھا لیکن ان کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا اور ایسی بات پر گرفت کی گئی جو ہم سوال تو رات دن کہتے رہتے ہیں کہ فلاں سبب سے یہ مرض پیدا ہوا فلاں بے احتیاطی کی اس سے یہ نقصان ہوا مقربان را بیش بود حیرانی ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ اب احقر جامع ناظرین کی توجہ اس طویل ملفوظ کی تمہید مذکور کے مضمون کی طرف منعطف کرتا ہے کہ دیکھئے باوجود غایت درجہ ضعف ونقاہت وعلالت کے حضرت اقدس محض بعض نوادر دین کی خاطر سے دیر تک اپنی تقریر پر تاثیر و سراپا تنویر سے طالبین کو مستفیض فرماتے رہے اور ایک معتدبہ حصہ تو اس ملفوظ کا حضرت اقدس نے نظر اصلاحی میں حذف فرما دیا کیونکہ وہ مضامین عوام کی مصلحت کے خلاف سمجھے گئے ورنہ اصل تقریر اس سے بھی زیادہ طویل تھی جو ہدیہ ناظرین کی گئی۔

متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائھم۔ آمین یارب العالمین

(۲۲۴) حضرت حکیم الامت کے غصہ کا منشاء بھی شفقت ہی تھا

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ یوم شنبہ۔ آج کئی دن سے حضرت اقدس مدظلہم العالی خانقاہ تشریف نہیں لا سکے کیونکہ طبیب معالج نے سخت ممانعت کر دی ہے۔ تاہم اکثر حضرت اقدس صرف ان خدام کو جن سے بے تکلفی ہے قبل عصر کچھ دیر کے لئے دولت خانہ پر بھی زیارت کا موقعہ بغایت شفقت عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ آج بھی ایسا ہی ہوا۔ فرمایا بہت ہی کمزوری ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ آج ڈاک بھی نہ لکھ سکا۔ پھر فرمایا کہ دیکھئے جو لوگ دور سے آنے کی اجازت چاہتے ہیں اسی لئے ان سے قبل آنے کے یہ پوچھ لیتا ہوں کہ اگر ایسا موقعہ ہو کہ ملنا بھی نہ ہو تو کیا ہو گا چنانچہ دیکھئے اب ایسا ہی موقعہ ہے میں جو وہمی ہوں تجربوں کی بناء پر ہوں خواہ مخواہ وہم نہیں کرتا کیونکہ بعد کو واقعات سے میرے وہم کی تصدیق بھی تو ہو جاتی ہے اگر میں یونہی آنے کی اجازت دے دوں تو گویا اپنے ذمہ لے لوں کہ یا تو میں وہیں خانقاہ میں جاؤں یا یہاں گھر بلاؤں تو میری کونسی ضرورت اٹکی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو گھر کے اندر بلا لینا مصلحت کے بھی خلاف ہے اسی لئے میں بجز ان کے جن کا حال اچھی طرح معلوم ہے ہر کس و ناکس کو گھر کے اندر نہیں بلاتا کیونکہ کیا خبر ہے کون کیسا ہے۔ پھر فرمایا کہ اب تو ملاقات کی نیت سے بھی یہاں نہ آنا چاہیے کیونکہ بیماری کی ایسی حالت میں ملاقات ہونا بھی مشکل ہے۔ اھ اتنے میں ملازم نے جو اس وقت حاضر مجلس تھے اطلاع دی کہ ایک سرحدی باہر سے زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں فرمایا کہ بس چپ بیٹھے رہو میں ہر شخص کو کیسے گھر میں بلا لوں یہ احتیاط کے خلاف ہے کسی کے بارہ میں کیا خبر کہ کوئی کون ہے۔ پھر حضرت اقدس خطوط کو پڑھ پڑھ کر ان کے مختصر مگر جامع مانع جوابات خود بولتے گئے اور احقر سے لکھواتے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں پوری ڈاک ختم کر دی۔ جوابات کا حوالہ دے کر یہ بھی احقر سے فرمایا کہ آپ بھی ایسے مختصر جواب لکھنا سیکھ لیں کہ الفاظ تو مختصر مگر جواب مکمل یہ نہیں کہ الفاظ تو بہت اور پھر بھی جواب ناتمام۔ خواہ وہ جواب یہی ہو کہ کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ لیکن مخاطب کو یکسوئی تو ہو جائے معاملہ تو نہ لٹکا رہے۔ پھر مزاحاً" احقر کے سابق عہدہ ڈپٹی کلکٹری کی بناء پر فرمایا کہ اور جگہ تو ڈپٹی کو محرر ملتا ہے۔ یہاں ڈپٹی محرر مل گئے۔ میرے پاس نہ کوئی مال نہ جمال

نہ کمال پھر بھی ہر قسم کے بڑے بڑے لوگوں کو مجھ سے محبت ہے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے اھ قصبہ کا ایک پڑھا لکھا ہندو بھی مزاج پرسی کو آیا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ نے خود کیوں تکلیف کی کسی سے حال دریافت کرا لیتے پھر فرمایا کہ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو محبت ہے۔ پھر جب سب رخصت ہونے لگے اور وہ ہندو بھی کچھ فاصلہ پر چلا گیا تو پاس والوں سے چپکے سے فرمایا کہ میں نے جو یہ کہا کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو محبت ہے اس سے میرا یہ مطلب تھا کہ کافروں تک کو بھی محبت ہے۔ لیکن کافر کا لفظ اس کے سامنے استعمال کرنا تہذیب کے خلاف تھا۔ اس لئے میں نے یہ عنوان اختیار کر لیا۔

خطوط کے جوابات لکھوانے کے دوران میں احقر سے یہ بھی فرمایا کہ جب تک ایک خط سے بالکل فراغت نہ ہو جائے اور جواب لکھنے کے بعد ڈبہ میں (جو اسی غرض کے لئے پاس رکھا ہوا تھا) نہ ڈال دیا جائے مجھ سے دوسرا خط نہ لیا جائے ورنہ خلط ہو جانے کا اندیشہ ہے خواہ لکھے ہوئے کے خشک ہو جانے کے انتظار میں کچھ دیر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح استفتاء کے خطوط کو ان پر بغرض یادداشت خاص نشان لگا کر بجائے احقر کے ایک دوسرے صاحب کے حوالہ کیا کہ ان مولوی صاحب کو دے دیئے جائیں جو فتویٰ نویسی کا کام کرتے ہیں اور فرمایا کہ گو یہ سہل تھا کہ میں ایسے خطوط بھی آپ ہی کو دیتا جاتا لیکن اس میں بھی چونکہ خلط ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ انتظامات سب تجربوں پر مبنی ہیں اور نہایت ضروری ہیں۔ اھ ایک خط گوند سے اس طرح چپکا ہوا تھا کہ اس کے کھولنے میں حضرت اقدس کو بہت احتیاط کرنی پڑی تاکہ اندر کا خط نہ پھٹ جائے اور وہ بہت دقت کے ساتھ اور بہت دیر میں کھل سکا اور پھر بھی اوپر کا لفافہ بالکل پھٹ گیا لیکن اندر کا خط حضرت اقدس نے نہ پھٹنے دیا۔ اس کا یہ جواب لکھوایا کہ جتنا وقت جواب میں صرف ہوتا اتنا لفافہ کھولنے میں صرف ہو گیا لہذا جواب نہیں دیا جاتا۔ پھر ایک خط ایسا نکلا کہ جس میں اندر کے جوابی لفافہ کے اس حصہ پر جس میں گوند لگا ہوا ہوتا ہے کاغذ کی ایک چٹ لگی ہوئی تھی تاکہ لفافہ بوجہ موسمی نمی کے خود بخود نہ چپک جائے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ اچھی ترکیب کی۔ فرمایا یہ سب میرے ہی سکھائے ہوئے ہیں میں نے اسی طرح تنبیہات کر کر کے ان لوگوں کو درست کیا ہے۔ دوران خطوط نویسی ہی میں حسب تجویز حکیم صاحب چائے نوش فرمائی تو وہ کسی قدر

ٹھنڈی ہو گئی تھی فرمایا کہ عورتوں میں سستی بہت ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ چائے بنانے کے مختلف مراتب میں کچھ فصل ہو گیا جس سے چائے ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ فصل ہو جانے سے بعض ضروری امور میں بہت خلل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک محدث کوئی حدیث بیان کر رہے تھے۔ ابھی سند ہی بیان کی تھی کہ اس کے بعد ایک نورانی صورت کے شخص سامنے سے نظر آئے۔ ان حضرات کو امتیاز ہو جاتا ہے۔ کہ یہ محض کھال کی نورانیت ہے یا طاعت کا نور ہے۔ ان بزرگ کو اس شخص میں طاعت کا نور نظر آیا۔ دیکھتے ہی فرمایا من کثرت صلوته باللیل حسن وجهه بالنہار چونکہ سند بیان کر چکنے کے بعد ہی فوراً یہ واقعہ پیش آگیا اور یہ قول ان کی زبان سے نکلا تو لوگوں نے ان کے اس قول کو حدیث سمجھ لیا حالانکہ یہ خود انہی کا قول تھا حدیث نہ تھی۔ تو دیکھئے سند اور حدیث کی نقل میں فصل ہو جانے کی وجہ سے کتنی بڑی خرابی واقع ہو گئی چنانچہ اس کو موضوع حدیث قرار دیا گیا۔ فصل کے مضر ہونے کی ایک اور مثال یاد آئی۔ ہمارے امام صاحب کا فتویٰ ہے کہ اگر قسم کے متصل ہی ان شاء اللہ کہہ لیا جائے قسم نہیں ہوتی اور اگر بیچ میں فصل ہو جائے تو قسم ہو جائے گی۔ یہ مسئلہ تو مسلم ہے کہ قسم کے ساتھ متصل ہی ان شاء اللہ کہہ لینے سے قسم نہیں ہوتی اس میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر بعد قسم کے فصل کے ساتھ بھی انشاء اللہ کہہ لیا جائے تب بھی قسم باقی نہ رہے گی۔ اس سے ہمارے امام صاحب متفق نہیں اس کے متعلق ایک واقعہ ہے۔ خاندان عباسیہ کے کسی خلیفہ سے امام صاحب کے کسی مخالف نے اس عنوان سے چغلی کھائی کہ دیکھئے آپ کے دادا صاحب کے خلاف امام صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ امام صاحب کو فوراً حاضر کیا جائے۔ چنانچہ امام صاحب طلب کئے گئے اور ان سے جواب طلب کیا گیا۔ امام صاحب نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے فوراً فرمایا کہ جس شخص نے آپ کو یہ مسئلہ سجھایا ہے وہ آپ کا بہت بڑا دشمن ہے وہ آپ کی رعایا کو بغاوت کی تعلیم دینا چاہتا ہے کیونکہ ادھر تو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت خلاف کر لیں گے اور ادھر بعد کو گھر پہنچ ان شاء اللہ کہہ لیں گے تو پھر اس فتوے کی رو سے وہ بیعت ہی فسخ ہو جائے گی اور ان کو بغاوت کرنے سے کوئی امر مانع نہ ہو گا تو اس مسئلہ کو چھیڑ کر اس شخص نے آپ کی سلطنت ہی کو تہ و بالا کرنا چاہا ہے۔ سب دم بخود

رہ گئے باہر نکل کر اس نے امام صاحب سے کہا کہ حضرت آج تو آپ نے میرے قتل ہی کا سامان کر دیا تھا فرمایا اور کیا تم نے نہیں کیا تھا۔ غرض وصل کی جگہ فصل اور فصل کی جگہ وصل دونوں مضر ہیں اھ

ایک خط میں ایک طالب نے اپنے حالات لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ میں صدیقی ہوں اور فلاں بزرگ کی اولاد میں سے ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بھلا اس استخواں فروشی کی کیا ضرورت تھی میں کہتا ہوں کہ تم تو بزرگ کی اولاد میں سے ہو اور میں خدا تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہوں اس ارشاد پر احقر نے حضرت اقدس کا ایک بہت پرانا لطیفہ نقل کیا کہ جب حضرت اقدس احقر کے وطن اصلی ایک تقریب نکاح میں تشریف لے گئے تو احقر نے اپنے اونچے مکان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا کہ ہمارا مکان وہ ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اور ہمارا مکان وہ ہے۔ اس ارشاد کے بعد کہ میں خدا کی مخلوقات میں سے ہوں فرمایا کہ کانپور میں ایک ڈپٹی کلکٹر فری میسن نے ایک دیندار صاحب سے کہا کہ تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ جتنے اس میں داخل ہیں وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں خواہ امیر ہوں یا غریب بڑے درجہ کے ہوں یا چھوٹے درجے کے۔ حتیٰ کہ ویسرائے بھی اس میں داخل ہیں تو دیکھو وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ بھلا تم بھی کسی ایسے بڑے شخص سے بھائی ہونے کا تعلق رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سلطان عبدالحمید خان سلطان ہیں وہ بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں اور میں بھی۔ تو ہم دونوں مومن ہیں اور سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو میں بھی سلطان کا بھائی ہوں اھ۔

انہیں خطوط میں ایک خط ایسا تھا جس میں کئی مضمون جواب طلب تھے۔ جواب لکھوایا کہ ایک خط میں ایک مضمون سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے ایسا کبھی نہ کیا کہ حاکم کے اجلاس میں ایک ہی درخواست میں کئی مختلف درخواستیں پیش کر دی ہوں۔ یہاں چاہتے ہیں کہ بس ۲ آنہ ہی میں سب کام ہو جائیں۔ اور وہاں ہر درخواست پر جدا اسٹامپ لگاتے ہیں۔ ان ہی خطوط میں ایک خط بہت طویل تھا اس پر یہ جواب لکھوایا کہ اتنے طویل خط

کو پڑھنے کی نہ فرصت نہ قوت ایک خط پانچ سطر سے زائد نہ ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ بس یہ چیزیں ہیں جن کے بارہ میں میری شکایتیں کی جاتی ہیں اب میں سارے کام چھوڑ کر انہیں کا کیسے ہو رہوں۔ اور جس چال یہ چلائیں اسی چال کیسے چلوں۔ اھ

یہ مختصر سی کیفیت اس بہت ہی مختصر نشست کی ہے جو بالکل عصر کے قریب حضرت اقدس نے محض مزاج پرسی کا موقع دینے کی غرض سے اپنے مشتاقین زیارت کی خاطر سے منعقد کی تھی ناظرین نے سطور بالا میں دیکھا ہو گا کہ اس تھوڑے سے وقت میں بھی باوجود انتہائی نقاہت اور سخت علالت کے بات بات پر کیسے حکیمانہ اور سبق آموز کلمات واصول ارشاد فرمائے اور بالقصد اپنے خادموں کی تسلی کے لئے ایسی ایسی باتیں بھی فرمائیں کہ سب کا دل خوش ہو گیا اور جو خدام حضرت اقدس کی سخت علالت کی وجہ سے پژمردہ دل گئے تھے ہشاش بشاش واپس آئے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء و متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقا ئہم آمین یارب العالمین۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ حضرت اقدس کس طرح ہر بہانے ادنی ادنی امور سے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے نصائح اور تعلیمات گوش گذار حاضرین مجلس کرتے رہتے ہیں اور حضرت اقدس کا ہر قول اور ہر فعل یک درس حکمت اور وجود باوجود سراپا رشد وہدایت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ساری عمر اسی انداز پر گذری ہے اور گذر رہی ہے بقول شخصے

ہر بات میں ہیں ہزار نکتے ہر نکتہ میں بے شمار نکتے

اور یہ تو محض ایک سرسری نشست کی کیفیت ہے' اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کو ہمیشہ جاری رکھے اور اس ہستی مبارک کو بعافیت تامہ تا مدت مدید سلامت باکرامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

(۲۳۵) فضول گوئی کی مذمت

ایک صاحب کا خط آیا جس میں انہوں نے اپنا نام محمود عبد اللہ لکھا۔ فرمایا کہ آج کل نام بھی بڑا رکھا جاتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ چھوٹا سا نام ہو گا تو لوگ سمجھیں گے کہ چھوٹے درجہ کے آدمی ہیں اس لئے نام بھی بڑا ہونا چاہیے۔ یہ پوری مخالفت ہے عادات عرب کی وہاں اکثر مفرد نام ہوتے تھے جیسے حسن' حسین' بشیر' سعید' یہ سب تکلف عجمیت ہے۔ اس کو چھوڑنا چاہیے اور اپنی معاشرت میں عرب کی سی سادگی اختیار کرنا چاہئے۔ اھ عجمیت پر یاد آیا کہ کل ہی ایک

صاحب نے خط لکھا کہ سنا ہے کہ آنجناب کے دشمنوں کی طبیعت کچھ علیل ہے الخ۔ فرمایا کہ یہ سب تکلف عجمیت کا ہے اور جواب یہ لکھوایا کہ دشمنوں کی تو نہیں میری ہی طبیعت علیل ہو گئی ہے۔ علاج سے امید جلدی صحت کی ہے اھ۔ پھر زبانی فرمایا کہ یہ آخر کا فقرہ اس لئے بڑھا دیا ہے کہ جواب بالکل خشک نہ جائے۔

ایک خط کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بیرنگ جواب منگوایا ہے اور میں بیرنگ جواب بھیجتا نہیں کیونکہ بعضوں نے ایسی بیوقوفی کی کہ وہاں سے چل دیئے اور اپنا پتہ کسی کو دیا نہیں لہذا وہ خط میرے نام واپس آیا اور الٹا مجھے محصول دینا پڑا۔ جب سے میں نے بیرنگ جواب دینا چھوڑ دیا ہے۔

(۲۴۶) حضرت حکیم الامت کی لطافت طبع

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں کوئی مخصوص اور مقرب نہیں۔ گو بعضے دل سے مقرب ہیں لیکن الحمد اللہ میں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ رکھتا ہوں کہ کسی کو یہ ناز نہ ہونے پائے کہ ہم مقرب ہیں کیونکہ اسی میں ان کے دین کی حفاظت ہے۔ دیکھئے حکیم مصطفیٰ صاحب کتنے محبوب کتنے معتمد کتنے مقرب اور کتنے مخصوص ہیں لیکن ایک بات پر میں نے انہیں بھی ڈانٹ دیا۔ جب میں لکھنؤ میں حکیم شفاء الملک صاحب لکھنوی مرحوم کے زیر علاج تھا تو حکیم مصطفیٰ صاحب نے ایک دوست کو معالج سے تشخیص مرض وغیرہ کے متعلق کچھ استفسارات کے جواب لے کر بھیجنے کو لکھا اس لئے کہ حکیم صاحب بہت دفعہ میرے معالج رہ چکے تھے اور مزاج شناس تھے اس میں ایک گونہ مصلحت بھی تھی لیکن مجھے ان کا اتنا دخل دینا بھی بہت ناگوار ہوا۔ میں نے ان کو لکھوایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حکیم صاحب کے علم میں یہ بات ہے کہ آپ سے میرے کیسے تعلقات ہیں۔ ایسے خصوصی تعلقات کے ہوتے ہوئے آپ کا ان سے سوال کرنا گویا خود میرا سوال کرنا ہے اور میرا ان سے سوال کرنا ظاہر ہے کہ کتنا نازیبا ہے کیونکہ مریض کو طبیب سے اس قسم کے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں اھ۔ بس ہوش درست ہو گئے کہ یہاں مقربین کی یہ گت بنتی ہے اور اس جواب میں مجھ کو یہ بھی بتلانا تھا کہ اگر تمہارا رتبہ معالج سے بڑا بھی ہو تب بھی معالج ہونے کے جو حقوق ہیں یعنی اس کا انقیاد اس سے مزاحمت نہ کرنا اور اس کی آزادی میں خلل نہ ڈالنا وہ حقوق اس حالت میں تمہارے ذمہ

باقی رہتے ہیں۔ تم ان سے مستثنیٰ نہیں ہو جاتے مگر آج کل مشکل یہ ہو گئی ہے کہ اپنے لئے تو اور قواعد ہیں اور دوسروں کے لئے اور۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام کو اپنے نفس نفیس پر بھی اسی طرح جاری فرماتے تھے جیسے اوروں پر چنانچہ حدیث میں کثرت سے ایسے مواقع مذکور ہیں۔ اب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اس لئے ہمارے حقوق بھی اوروں سے زیادہ ہونے چاہئیں یہ نہیں سمجھتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے بڑا بنایا تھا کہ اوروں پر تو مشقت ڈالیں اور آپ آزاد رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بڑا نہ بنایا ہوتا تو ایک کوڑی کو بھی کوئی نہ پوچھتا انہوں نے محض اپنے فضل سے بڑا بنا دیا تو اس کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ دوسروں پر جا بے جا دباؤ ڈالنے لگیں۔ مثلاً" جب ایک معالج پر اعتماد ہے اور وہ کامل بھی ہے اور تجربہ کار بھی تو پھر اس کا انقیاد کرنا چاہیے نہ یہ کہ اپنی وجاہت کا اس پر اثر اور دباؤ ڈالا جائے باقی تم جو بڑے بنائے گئے ہو تو اس لئے کہ اب تمہیں موقع ملا ہے دوسروں کی خدمت کرنے کا نہ اس لئے کہ دوسروں سے اپنی خدمتیں کراؤ ع خاص کند بندہ مصلحت عام را یعنی ایک بندہ کو خاص اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ عام لوگوں کو نفع پہنچائے۔ کیا اسلام اور تعظیم ہی کے لئے بڑا بنایا جاتا ہے کیونکہ ایسی بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کہ ان کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو چنانچہ ارشاد ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی بڑائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یہاں بڑائی کا حصر ہی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کیلئے ہے کیونکہ اس آیت میں لہ معمول مقدم ہے اور معمول کا مقدم کرنا حصر کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یہ دلیل ہے حصر کی۔ تو ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا ہی کے لئے بڑائی ہے اوروں کے لئے نہیں۔ اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا وہاں بھی اللہ کو حصر ہی کے لئے مقدم فرمایا گیا ہے اور یہاں ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے اس کو بھی رفع کئے دیتا ہوں کیونکہ ممکن ہے کسی طالب علم کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو وہ شبہ یہ ہے کہ جہاں ایک جگہ یہ فرمایا ہے فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا وہاں دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے تو عزت کا حصر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے کہاں رہا وہ تو رسول کے لئے بھی اور مومنین کے لئے بھی ثابت ہو گئی جواب یہ ہے کہ دوسروں کے لئے جو عزت ہے تو کیوں ہے وہ اس تعلق ہی کی وجہ سے ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

غرض عزت بالذات تو حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے لیکن چونکہ ان دوسروں کو تعلق ہے ایک عزت والے کے ساتھ اس لئے اس عزت کی نسبت ان کے ساتھ بھی ہو گئی تو اصل میں تو عزت حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے لیکن چونکہ رسول کو اور مومنین کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہے اس لئے وہ ان کو بھی حاصل ہو گئی ہے جیسے اصل میں نور تو آفتاب ہی کا ہے لیکن جن دوسری چیزوں سے اس کو محاذات کا تعلق ہے وہ بھی منور ہو گئیں اب خود پرستوں نے ان اصول کو تو غائب کر دیا اور بس یہ ناز ہے کہ ہم بڑے ہیں شیخ ہیں رئیس ہیں۔ خاک پتھر ہیں اگر اپنے آپ کو مٹایا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ دیکھئے لوہے کو بہت دیر تک آگ میں رکھئے تو وہ سرخ اور گرم ہو کر آگ کی شکل اور اس کی صفات اختیار کر لے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ آگ ہو گیا لوہا نہ رہا بلکہ دیر تک آگ میں رہنے سے لوہے کے اوصاف بدل گئے گو ماہیت نہیں بدلی اسی طرح فنا کے اندر ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں کیونکہ بہر حال حادث حادث ہی رہتا ہے اور ممکن ممکن ہی۔ اس کی ذات نہیں بدلتی اوصاف بدلتے ہیں۔ جیسے لوہا آگ میں رہنے سے آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی رنگ کو کہتے ہیں صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً اس ناز پر یاد آیا ایک نوجوان اینٹھتا ہوا چلا جا رہا تھا ایک بزرگ نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اینٹھ کر نہ چلو سنبھل کر چلو وہ کوئی بڑا آدمی تھا اس کو ان کا یہ کہنا ناگوار ہوا کڑک کر جواب دیا کہ تم جانتے نہیں میں کون ہوں ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ اولک نطفتہ مذرۃ۔ وآخرک جیفتہ قذرۃ۔ وانت بین ذلک تحمل العذرۃ یعنی تمہاری شروع کی حالت تو ایک ناپاک نطفہ کی ہے اور اخیر کی حالت ایک گندی لاش ہے اور ان دونوں کے درمیان کی حالت یہ ہے کہ پانچ سیر پاخانہ بھی شکم شریف میں ہر وقت موجود ہے۔ میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔

(۲۳۷) بڑے ہونے میں بڑی ذمہ داریاں

خدام خاص میں سے دو صاحب ڈیوڑھی میں آ بیٹھے اور حضرت اقدس مد ظلہم العالی زنان خانہ کے اس حصہ میں تشریف فرما تھے جو بوقت ضرورت مردانہ کر لیا جاتا ہے اور جو ڈیوڑھی کے متصل ہی واقع ہے بالخصوص آج کل کہ حضرت اقدس بوجہ علالت دولت خانہ ہی پر تشریف رکھتے ہیں خانقاہ تشریف نہیں لا سکتے۔ حضرت اقدس نے ان صاحبوں کی آہٹ سنی تو

فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ معلوم ہونے پر فرمایا کہ آتے ہی اطلاع کیوں نہ کی۔ بلا اطلاع کے چوروں کی طرح آبیٹھنا اور دوسرے کے اسرار پر مطلع ہونا جائز کہاں ہے فرضاً" اگر تم ہی لوگوں کے متعلق یا اور کوئی راز کی ایسی بات اس وقت ہو رہی ہوتی جس کو تم سے چھپانے کی ضرورت ہوتی تو اس پر مطلع ہونا کس قدر نازیبا ہوتا۔ بس ساری خرابی اس کی ہے کہ اپنے کو مقرب سمجھتے ہیں اور مخصوص چیز سمجھتے ہیں۔ (یہ مزاحاً" فرمایا اور یہ حضرت اقدس کی خاص ادا ہے کہ عین غصہ کی حالت میں بھی ایسے عنوانات اختیار فرماتے ہیں جن سے بس وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

اور غصہ میں بھی ایک لطف کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور مخاطب پر نیز حاضرین پر یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت اقدس کے غصہ کا منشاء محض شفقت اور بے ساختگی ہے اور کچھ بھی نہیں چنانچہ بعد کو اس کا اثر نہ حضرت اقدس پر کچھ رہتا ہے نہ اس پر جس پر غصہ فرمایا جاتا یہ کل ہی کی بات ہے فرما رہے تھے کہ میں جو غصہ ہوتا ہوں اس کا مقصود محض اپنی ایذاء کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ مخاطب کی تحقیر اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مخاطبین کو ناگوار نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے) پھر فرمایا کہ میرا کوئی مقرب نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ جہاں کسی سے نرمی سے بولے بس وہ سمجھا کہ میں کچھ ہوں۔ اب بتلایئے سب کے ساتھ کیسے اجنبیت برتوں آخر کو انسان ہوں کسی سے تو بے تکلف بنوں مگر اس سے دوسرے کا دماغ بگڑتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں کوئی مقرب نہیں اور خدا نہ کرے کوئی مردود بھی نہیں لیکن سب کا خادم ہوں مگر اصول صحیحہ کے مطابق خدمت کے لئے تو سب کی حاضر ہوں لیکن جب ہی جب کہ قاعدہ سے مجھ سے خدمت لی جائے۔ پھر ان صاحبوں سے کہلا بھیجا کہ آج آنے کی اجازت نہیں۔ بعد کو حاضرین سے فرمایا کہ کیا کیا جائے افسوس معاشرت ہی بگڑ گئی۔ دوسرے روز جب وہی دو صاحب حاضر ہوئے اور آتے ہی حاضری کی باقاعدہ اجازت طلب کی تو نہایت خوشی سے اندر بلوا لیا اور پھر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا تھا اور ناگواری کا مطلق اثر باقی نہ رہا تھا حتی کہ جب حسب معمول انہوں نے خدمت کی اجازت مانگی تو وہ بھی بخوشی عطا فرما دی گئی اس موقع پر یہ بھی عرض کر دینا خالی از حکمت نہیں کہ جن خدام خاص سے بوجہ بے تکلفی

حضرت اقدس مدظلہم العالی خود ان کی درخواست اور خواہش پر کوئی خدمت وقتاً فوقتاً لیتے رہتے ہیں ان کی درخواست کو بر سر مجمع گاہے گاہے یہ ارشاد فرما کر کہ اس وقت طبیعت نہیں چاہتی مسترد بھی فرماتے رہتے ہیں تاکہ نہ خود ان کو نہ دوسروں کو گمان تقرب و خصوصیت پیدا ہونے پائے اور وہ خود عجب سے اور دوسرے رشک و حسد سے محفوظ رہے۔ غرض حضرت اقدس اپنے متعلقین کے اخلاق کی ہر وقت ایسی نگہداشت کرتے رہتے ہیں کہ جیسی بلا قصد تشبیہ پنواڑی اپنے پانوں کی ہر لحظہ دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو ایک حکیم الامتہ کی یہی شان ہونی چاہیے خواہ کسی غیر دور اندیش کو یہ باپ کی سی شفقت کتنی ہی ناگوار ہو اور وہ ماں کی سی شفقت یا نادان دوست کی سی محبت کا چاہے جتنا متوقع ہو۔

(۲۳۸) آخرت میں غیر محقق کے مدارج

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آخرت میں بعضے غیر محققوں کو اتنے درجے مل جاویں گے کہ محقق دیکھتے ہی رہ جاویں گے۔

(۲۳۹) اختیاری اور اضطراری مجاہدہ

احقر سے اکثر فضول باتیں سرزد ہو جایا کرتی ہیں جن پر اکثر ڈانٹ پڑتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے طفیل سے ترک مالا یعنی کی توفیق نیک بخشے۔ ایک بار ایسی ہی کسی فضول بات پر ڈانٹ کر فرمایا کہ آپ کے دماغ سے فضول باتیں نہیں نکلتیں فضول باتوں سے دوسرے پر بہت بار ہوتا ہے۔ بعض بزرگ بعض فضول کلمہ پر تیس تیس برس تک روئے ہیں یہ فضول گوئی وہ چیز ہے۔

(۲۴۰) بد دینی اور بے عقلی میں فرق

ایک بڑی ریاست کے منیجر نے ایک صاحب مقیم خانقاہ کے نام رجسٹری شدہ اور مہر کیا ہوا ایک لفافہ بھیجا جس میں ایک نوٹ بھی دس روپیہ کا کسی حساب کے متعلق ملفوف تھا لیکن وہ لفافہ اتنا پرانا اور کمزور تھا کہ ڈاک میں آتے آتے کناروں کی طرف سے بالکل پھٹ گیا تھا اور باوجود مہر شدہ ہونے کے اس حالت میں مکتوب الیہ کو ملا تھا کہ جو چاہتا اندر سے خط کو بھی باآسانی نکال لیتا اور نوٹ کو بھی جو اس کے ساتھ ملفوف تھا مگر خیریت یہ ہوئی کہ کسی کو اس

طرف التفات ہی نہ ہوا گو یہ معاملہ دوسرے شخص کے ساتھ پیش آیا تھا اور حضرت اقدس کی ذات مبارک سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا لیکن پھر بھی اس واقعہ کی محض اطلاع ہی پر حضرت اقدس کی طبع لطیف کی بے حد الجھن ہوئی اور بے اختیار فرمایا کہ جو منتظم ہے اس کی مرن ہے۔ سب کی بد نظمی کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ اھ۔ ایک بار فرمایا کہ خاندانی بزرگوں سے سنا ہے کہ جب میں بچہ تھا تو کسی کے پیٹ کو نہیں دیکھ سکتا تھا فوراً" قے ہو جاتی تھی چونکہ لڑکوں کو یہ معلوم تھا اس لئے قصداً" پیٹ دکھا دکھا کر چھیڑا کرتے تھے اور میں قے کرتے کرتے پریشان ہو ہو جاتا تھا۔ اب بھی اتنا اثر باقی ہے کہ پیٹ کا نام لینے سے ذلت سی محسوس ہوتی ہے اور طبیعت میں میلا پن سا پیدا ہو جاتا ہے یہ اپنے بچپن کا حال اس وقت فرمایا جب ایک ایسی دوا بھی نہ پی جا سکی جو بر عایت غایت لطافت مزاج حضرت اقدس مقدار میں بھی کم تھی اور لطیف اجزاء سے بھی مرکب تھی مگر بشکل سفوف تھی اور بد مزہ تھی جب وہ لائی گئی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس دوا کے تو تصور سے بھی ہول چڑھتی ہے مگر پھر بھی باوجود سخت ناگواری کے اس کو پانی کے ساتھ پینے کی کوشش کی لیکن وہ فوراً" حلق ہی تک پہنچ کر لوٹ آئی اور پھندا لگ گیا جس سے سخت تکلیف ہوئی اور سانس جو رک گیا تھا بہ مشکل اپنی اصلی حالت پر آیا۔ فرمایا کہ اب میں دوا نہیں پیوں گا اور نہایت قوت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسباب کے پابند نہیں۔ بلا دوا کے بھی صحت عطا فرما سکتے ہیں ؏ باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند۔ اب میں تین چار دن کوئی دوا نہیں پیوں گا اللہ تعالیٰ بلا دوا کے بھی صحت عطا فرما سکتے ہیں۔ ان کو سب کچھ قدرت ہے اور اگر اسی میں یہ مقدر ہے تو چل دیں گے پھر کچھ دیر بعد فرمایا کہ دوا کا اب تک اثر ہے طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے میں کیا کروں پھر اپنے بچپن کی وہ حالت بیان فرمائی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی۔ پھر اس کا ذکر آیا کہ یہ ساری علالت جس کو ایک مہینہ کے قریب ہو گیا محض ایک مخلص حکیم صاحب کے بتانے پر صرف ڈیڑھ ماشہ دونوں وقت کھانے کے بعد ایک جوارش کھانے سے پیدا ہو گئی جیسا کہ میرے سب معالجین کا اس پر اتفاق ہے اور وہ بھی صرف ڈیڑھ دن کھائی تھی اب ڈیڑھ ماشہ جوارش کی بھی کوئی حقیقت ہے اتنی سی چیز کا مجھ پر اتنا بڑا اثر ہو گیا اب لوگ تو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ذرا ذرا سی بات پر اتنا خفا ہوتا ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ ذرا سی بات کس کے نزدیک ہے تمہارے یا میرے بس۔ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ ہمیں تو

ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناگواری نہیں ہوتی۔ بس اونٹ اور چوہے کا سا معاملہ ہے حکایت ہے کہ کسی چوہے کی اونٹ سے دوستی ہو گئی دونوں ساتھ چلے جا رہے تھے کہ بیچ میں ایک ندی پڑی۔ اب اونٹ تو ندی کے اندر گھس گیا اور اطمینان سے پانی میں چلتا رہا جب بیچ دریا میں پہنچا تو گردن موڑ کر اپنے ساتھی چوہے کو دیکھا کہ کنارے پر بیٹھا ہوا ہے کہا کہ آتے کیوں نہیں چوہے نے کہا کہ آؤں کیسے ڈوب نہ جاؤں گا یہ سن کر آپ فرماتے ہیں کہ نہیں ڈوبو گے نہیں زیادہ پانی صرف گھٹنوں گھٹنوں تک ہے چوہے نے کہا کہ اجی حضور آپ کے تو گھٹنوں تک ہے میرے تو سر سے گزوں اوپر ہو جائے گا بس اسی طرح لوگ میری طبیعت کو بھی اپنی طبیعت پر قیاس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے نزدیک ذرا سی ہے اور ہمیں ناگوار نہیں ہوتی وہ اسے کیوں اتنی ناگوار ہوتی ہے میں کیا کروں اللہ تعالی نے میری طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ذرا سی بے ڈھنگی بات کا مجھ پر بے حد اثر ہوتا ہے اور اتنی ناگواری ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ معذور ہیں تو بس چلو میں بھی معذور ہوں۔

(۲۴۱) وقت میں وسعت

حضرت اقدس مدظلہم العالی کے پاس اگر کوئی الجھن کا خط آجاتا ہے تو جہاں تک جلد ممکن ہوتا ہے خاص تعب برداشت کر کے اس کا فوراً جواب تحریر فرماتے ہیں اور فراغت کے بعد اس کو فوراً ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں اور بقیہ خطوط معمول کے مطابق وقت مقررہ پر ہی ڈلوائے جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے الجھن کے خطوط کے پاس رہنے سے بھی مجھے الجھن ہوتی ہے اور آج ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ کو بھی تین چار خطوط ایسے ہی الجھن کے آگئے تھے تو باوجود اس قدر ضعف کے کہ آج کل ڈاک بھی دوسرے سے لکھوائی جاتی ہے خود ہی نہایت تعب برداشت کر کے خطوط مذکورہ کے طویل طویل جواب لکھے اور ان کو بے نقل کرائے ہی فوراً ڈاک میں ڈلوا دیا ورنہ اکثر ایسے اہم جوابات کو نقل کرا لیا جاتا ہے۔ اس عجلت کا سبب بھی یہی فرمایا کہ ایسے الجھن کے خطوط کے پاس رہنے سے بھی مجھے الجھن ہوتی ہے اور جہاں تک جلد ممکن ہوتا ہے میں ان کو اپنے پاس سے جدا کر دیتا ہوں انہیں خطوط میں سے ایک خط ایک مجاز صحبت کا بھی تھا جن کو فہرست مجازین سے بعض وجوہ کی بناء پر الگ کر دیا گیا ہے انہوں نے ان وجوہ کے متعلق اپنے کچھ عذر لکھے تھے اس کے متعلق فرمایا کہ نہیں معلوم

ان کو اس کا اتنا افسوس کیوں ہے جیسے کسی نے جائداد چھین لی ہو حالانکہ بڑے ہونے میں بڑے خطرے ہیں۔ ارے خدا کا شکر ہے کہ خطرہ سے بچالیا لوگوں کو بڑے ہونے کا بڑا شوق ہے حالانکہ بڑا ہونے میں بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ معزول ہونے سے تو خوش ہونا چاہیے کہ اچھا ہوا' ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے۔ اس معذرت نامہ میں اس پر بھی زور دیا ہے کہ حاسدین اور مخالفین بدنام کریں گے میں نے لکھ دیا ہے کہ میں قطع اجازت کے جو عنوان اختیار کیا ہے اس میں کوئی گنجائش ہی نہیں بدنام کرنے کی۔ اور اگر یہ قطع اجازت نہ ہوتا تب دوسری طرح بدنام کرتے کہ ایسی حالت میں بھی اجازت دے رکھی ہے۔ انہوں نے یہ عذر بھی لکھا کہ سارا کام بھائی نے میرے ہی اوپر چھوڑ دیا ہے اس لئے دوسری خدمت کی فرصت نہیں ہے میں نے لکھا کہ میں نے کوئی جرم تو آپ پر قائم نہیں کیا جو اس کا یہ عذر ہو سکے بلکہ ہر حالت کا ایک خاصہ ہوتا ہے اس حالت کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے خدمت خاصہ اس کے سپرد نہ کی جاوے دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سعد ابن ابی وقاص کو معزول کیا تھا انہوں نے کون سا جرم کیا تھا مگر مصلحت امت کی یہی تھی کہ ان کو معزول کر دیا جائے اسی طرح میں نے جو معزول کیا تو مصلحت امت کی یہی تھی اور کسی کا کیا بگڑ گیا غرض میں نے خوب مسکت جواب دیئے مگر نرم۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت بعض کتابوں میں لکھی ہے کہ ان سے پوچھا گیا تھا کہ نبوت لو گے یا حکمت تو آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ نبوت کا بوجھ تو مجھ سے نہیں اٹھ سکتا مجھے تو آپ حکمت ہی عطا فرما دیجئے سو انہوں نے حکمت لی اور نبوت نہیں لی۔ اور آج کے لوگ تو خدائی لینے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔ اھ۔ پھر فرمایا کہ ایسی تجویزوں میں یہ مصلحت تو ہے کہ سب مجازین ترساں لرزاں تو رہیں کہ ارے نہیں معلوم کس وقت رائے بدل جائے اھ۔ پھر فرمایا بھلا یوں زبردستی بھی اور زور ڈال کر بھی کوئی شخص کچھ لیا کرتا ہے۔ پھر اور بزرگ بھی تو موجود ہیں ان سے جا کر حاصل کر لو۔ میں تو بعضوں کو محض اس توقع پر اجازت دے دیتا ہوں کہ جیسے بعضوں کو اس امید پر سند دی جاتی ہے کہ وہ سند کے شرم سے اپنی استعداد بڑھا لیں گے مگر یہاں اور بے فکری ہو گئی۔

(۲۴۲) بزرگوں کے کپڑے کم پھٹتے ہیں

ملفوظ سابق کو حضرت اقدس مدظلہم العالی نے لیٹے لیٹے نہایت ضعف کے عالم میں

آنکھیں بند کئے ہوئے پست آواز سے بے تکلف ارشاد فرمایا تھا اس کے بعد پیر دبانے والے خادم سے ارشاد ہوا کہ کمر مل دو انہوں نے کمر ملنا شروع کی تو دریافت فرمایا کہ میل بھی نکل رہا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں یونہی برائے نام سا معلوم ہوتا ہے۔ اس پر فرمایا کہ اب تو بڑھاپا ہے جب میں کانپور میں تھا تو عبدالرحمن خان مرحوم کا ایک خادم تھا اس کو حسن حسن کہتے تھے وہ خاں صاحب کو بھی غسل دیتا تھا اور مجھ کو بھی غسل دیتا تھا میرے کبھی میل نہ نکلتا تھا اسے بھی تعجب تھا کہ میں پسینہ کے دنوں میں بھی اتنا ملتا ہوں لیکن میل کیوں نہیں نکلتا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ سنا ہے بزرگوں کے کپڑے بہ نسبت دوسروں کے کم میلے ہوتے ہیں فرمایا یہ تو بزرگوں کی باتیں ہیں یہاں بزرگی کہاں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میل جو بدن سے نہیں نکلتا تو وہ سب دل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور بزرگ وہی ہیں جن کے بدن سے میل زیادہ نکلتا ہے کیونکہ ان کے دل کا میل خارج ہوتا رہتا ہے اور دل صاف ہوتا رہتا ہے پھر فرمایا کہ یہ تو میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ بزرگوں کے کپڑے کم میلے ہوتے ہیں البتہ یہ دیکھا ہے کہ ان کے کپڑے پھٹتے کم ہیں اوروں کی نسبت زیادہ چلتے ہیں۔

(۲۴۳) ملفوظات قلمبند کرنے کیلئے ایک نصیحت

جن معالج صاحب کا علاج ہو رہا ہے وہ ایک بہت بڑے پایہ کے طبیب حاذق ہیں ان کے نسخہ کو ایک دوسرے طبیب نے دیکھ کر کہا کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی گئی جس کی پوری رعایت نہ کی گئی ہو لیکن تعجب ہے کہ پھر بھی کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ وہ سب مدعیوں کے عجز کو دکھلا دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ع پس خدا بنمودشاں عجز بشر۔ پھر فرمایا کہ روز بروز حالت گرتی ہی جاتی ہے۔ اب دیکھئے آج مجھ سے خط بھی نہیں دیکھے گئے۔ آج سارے دن ایسا حال رہا جیسے غوطہ میں پڑا ہوا ہوں۔ آج دوا بھی نہیں کھائی نہ کوئی غذا۔ ایک مہینہ اس علالت کو ہو گیا اس دوران میں مشکل سے ایک چھٹانک غذا پیٹ میں پہنچی ہو گی پہلے بعض بزرگوں کے ایسے حالات سن کر تعجب ہوتا تھا کہ چالیس چالیس روز تک صرف ایک بادام روز کھا کر چلہ کشی کی اب اتنا تعجب نہیں رہا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ وہاں اختیاری مجاہدہ تھا یہاں اضطراری ہے اس پر عرض کیا گیا کہ باوجود ایسے حال کے پھر ڈاک وغیرہ کے سب کام بدستور بلاناغہ جاری ہیں۔ دوسرے اکثر حضرات کو دیکھا ہے

کہ ذرا علالت ہوئی اور سارے کام بند۔ اس پر فرمایا کہ وہ حضرات مخدوم ہیں اور میں خادم ہوں اس لئے یہ فرق ہے پھر خادم ہونے پر تفریع فرمائی کہ جن پر عتاب ہوتا ہے ان کی بھی خدمت ہی کرتا ہوں کیونکہ ان کی خدمت یہی ہے کہ ان کا دماغ درست کیا جائے تو اس طرح میں متکبروں کی بھی خدمت ہی کرتا ہوں ان کی خدمت یہی ہے کہ ان سے اعراض کیا جائے لیکن اعراض بھی حد کے اندر وہ حد یہ ہے کہ میں امراء سے عتاب میں بھی تہذیب کا برتاؤ کرتا ہوں مگر تملق نہیں کرتا۔ جو موقع اعراض کے ہیں ان میں بھی کوئی برتاؤ ایسا نہیں کرتا جس سے ان کی تحقیر ہو چنانچہ سرحد بھوپال گوالیار کے ایک نواب ہمیشہ اپنے مجسٹریٹ کے ذریعہ سے مجھ کو سلام لکھوایا کرتے تھے مگر اس کا میرے قلب پر بہت بار ہوتا تھا بالآخر میں نے ان کو اس سے روکنا چاہا تو یہ نہیں لکھا کہ سلام نہ لکھوایا کرو۔ کیونکہ اس عنوان پر اپنا بڑا ہونا اور ان کا حقیر ہونا ظاہر ہوتا۔ بلکہ یہ لکھا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور آپ نواب ہیں میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھ کو سلام لکھوایا کریں اس سے مجھ پر بہت بوجھ پڑتا ہے لہٰذا آئندہ مجھ کو اس شرف سے معاف رکھا جائے تو دیکھئے اس عنوان میں میں نے ان کو نہیں گھٹایا بلکہ خود اپنے آپ کو گھٹایا اور لکھا کہ چونکہ آپ بڑے آدمی ہیں اور میں چھوٹا آدمی ہوں اس لئے آپ کے سلام سے میرے دل پر بوجھ پڑتا ہے اور یہ امر واقعی بھی ہے کیونکہ کسی کی کمر پر کوئی موٹا آدمی سوار ہو جائے اور وہ کہے کہ اترو مجھ پر بوجھ پڑ رہا ہے تو اس کہنے سے اس نے اس کو حقیر نہیں سمجھا بلکہ عظیم سمجھا تو بوجھ پڑنا اور بات ہے اور حقیر سمجھنا اور بات ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آدمی تو آدمی اور پھر وہ بھی مسلمان، میں تو کسی جانور کو بھی حقیر نہیں سمجھتا، مگر ہاں مجھ سے کسی کی غلامی اور خوشامد نہیں ہوتی۔ پھر اللہ کا شکر ہے جن پر ڈانٹ پڑتی ہے انکو بھی اکثر ناگواری نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ الحمد للہ میں اپنے کو بڑا سمجھ کر نہیں ڈانٹتا بلکہ وہ محض اظہار ہوتا ہے اپنے ضعف کا کہ بھائی میں متحمل نہیں تمہارے بوجھ کا۔ ایک مرتبہ ہم کاندھلہ گئے تھے اور میاں احتشام الحق رامپوری بھی ساتھ تھے، کھانے کو بیٹھے تو ایک معزز رئیس کا پاؤں، جو منتظم تھے اور بھاری جسم کے تھے، اتفاق سے میاں احتشام کے ہاتھ پر پڑ گیا تو وہ بہت دن تک اس کا تذکرہ کرتے رہے کہ وزن زیادہ تھا بڑی تکلیف ہوئی۔ تو انہیں حقیر تھوڑا ہی سمجھا بلکہ اپنے عدم تحمل کا اظہار کیا۔

(۲۴۴) ارتفاع مکانی فضیلت کی دلیل نہیں

ایک صاحب نے ڈیوڑھی پر آکر کچھ مالی اعانت کا سوال کیا۔ فرمایا کہ جب میں خانقاہ جانے کے قابل ہو جاؤں تو وہیں آکر سوال کرنا۔ پھر فرمایا کہ ہر چیز کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے فقہاء سے زیادہ کون حکیم ہوگا انہوں نے مسجد میں سوال کرنے سے منع کیا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے صحابہ تھے وہ سب جان نثار تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اس سے منع فرمایا کہ جب حضورؐ اندر رہوں تو باہر سے نہ پکاریں اور ایک دیہاتی جماعت نے پکارا تھا اس پر تنبیہ فرمائی کہ بجائے باہر سے پکارنے کے صبر کرنا چاہیے تھا یہاں تک کہ حضورؐ خود باہر تشریف لاتے۔ گو ان کے اس فعل میں کوئی جرم قائم نہیں کیا لیکن یہ ارشاد فرمایا کہ اکثر ھم لا یعقلون ایسا کرنے والوں میں اکثر بے عقل ہیں۔ انہیں بد عقل کہا بد دین نہیں کہا کیونکہ اس وقت تک اس کی صریح ممانعت نہیں کی گئی تھی البتہ اگر اب اس ممانعت کے بعد ایسا کریں گے تو دین کے خلاف ہوگی۔ سبحان اللہ قرآن شریف میں اس قدر رعایتیں ہیں حدود کی۔ بد دینی اور بد عقلی کے فرق پر یاد آیا کہ کسی نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عبدالوہاب کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ دین میں کمی نہیں تھی مگر عقل میں کمی تھی۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ انہوں نے یہ حدیث دیکھ کر کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع میں اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا تھا انہوں نے بھی اسی طرح طواف کیا حضورؐ نے تو اس مصلحت سے اوس پر بیٹھ کر طواف کیا تھا کہ سب حجاج زیارت اور مشاہدہ افعال سے مشرف ہو جائیں اور اس مصلحت کے معارض کوئی مفسدہ نہ تھا مگر یہاں جو انہوں نے اونٹنی پر بیٹھ کر طواف کیا تو اس نے مطاف میں ہگا بھی موتا بھی۔ چونکہ اس کا اصل منشا اتباع سنت تھا اس لئے یہ فعل خلاف دین تو نہ تھا لیکن خلاف عقل ضرور تھا کیونکہ یہ تو دیکھ لیا کہ حضورؐ نے اونٹنی پر طواف کیا لیکن اس پر نظر نہ گئی کہ حضورؐ تو صاحب معجزہ تھے حضورؐ کی اونٹنی نے دوران طواف میں نہ ہگا نہ موتا اور یہ تو ایسے نہ تھے اس لئے ان کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا حضورؐ کی تو بڑی شان ہے ایسے معجزہ ہیں کیا استبعاد تھا اسی خانقاہ کی مسجد میں ایک موذن رہتے تھے جن کا نام پیر محمد تھا انہیں کے نام سے یہ مسجد پیر محمد والی مشہور ہے۔ وہ بہت نیک اور بزرگ تھے بکریاں پالتے تھے لیکن چونکہ ان کے رات کے رہنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ مسجد ہی میں بکریوں کو رکھتے تھے لیکن یہ ان کی کرامت تھی کہ جب کسی بکری کو پیشاب یا مینگنی کرنا ہوتا تو وہ فوراً

مسجد سے باہر چلی جاتی اور فراغت کے بعد واپس آجاتی۔ غرض جب تک مسجد میں بیٹھتی تھیں مینگنی پیشاب کبھی نہیں کرتی تھیں ضرورت ہوئی تو باہر چلی گئیں۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ زمین پر ننگے پیر پھرا کرتے تھے جوتے اس لئے نہیں پہنتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اس پر جوتے پہن کر چلنا بے ادبی ہے جب سے انہوں نے ننگے پیر پھرنا شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی خاطر سب چرندوں اور پرندوں کو حکم دے دیا کہ شہر بغداد کے اندر اندر کوئی بیٹ نہ کرے کسی بزرگ نے ایک دن بیٹ پڑی دیکھی تو فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج بشر حافی کا انتقال ہو گیا چنانچہ بعد کو تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ اسی وقت انتقال ہوا تھا بس ادھر انتقال ہوا ادھر پرندہ سے بیٹ کی قید اٹھ گئی۔ غرض عقل اور چیز ہے اور فن دانی اور چیز اس پر یاد آیا کہ ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بڑے بڑے استادوں سے فن نجوم سکھلایا جب وہ فارغ التحصیل ہو گیا تو بادشاہ نے اس کا امتحان لینا چاہا چنانچہ امتحان کا جلسہ منعقد کیا گیا اور مٹھی میں شہزادہ سے چھپا کر ایک نگین رکھ لیا اور پوچھا گیا کہ بتاؤ مٹھی میں کیا ہے چونکہ وہ واقعی فن نجوم میں ماہر ہو گیا تھا اس نے حساب لگا کر فوراً بتا دیا کہ کوئی گول گول پتھر کی چیز ہے یہ تو اس نے ٹھیک کہا لیکن جب یہ پوچھا گیا کہ وہ چیز کیا ہے تو آپ کیا کہتے کہ چکی کا پاٹ سو جہاں تک فن دانی کا تعلق ہے اس نے بالکل صحیح بتایا اب آگے عقل کی ضرورت ہے اس میں اس نے غلطی کی۔

(۲۴۵) ترک سنت سے ظلمت پیدا ہوتی ہے

کسی خاص سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بمقام مکہ معظمہ مقیم تھا تو حسب الحکم تنویر کا ترجمہ کر کے روز کے روز حضرت کو سناتا رہتا تھا۔ حضرت پوچھتے کہ کیا یہ سب ایک ہی دن کا ترجمہ کیا ہوا ہے میں عرض کر دیتا کہ جی ہاں ایک دن فرمایا کہ جب عالم ارواح سے تعلق ہو جاتا ہے تو وقت میں وسعت ہو جاتی ہے کیونکہ روح میں وسعت ہے یہ حضرت حاجی صاحب کے الفاظ ہیں بزرگوں کی جو تصانیف ہیں اگر ان کی تعداد کو اور حجم کو دیکھا جائے تو یہ کسی طرح عادۃً ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی شخص اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کر سکتا ہے چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جلالین نصف اول صرف چالیس دن میں لکھی تھی ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف سترہ برس کی عمر میں تفسیر احمدی لکھی ہے ان حضرات کے وقت میں بہت برکت ہوتی تھی۔

(۲۴۶) ملفوظات قلمبند کرنے کے لئے بڑے سلیقے کی ضرورت ہے

حضرت اقدس مد ظلہم العالی کے خاص معالجین حکیم فلاں صاحب ہیں جو حضرت اقدس کے خلیفہ خاص بھی ہیں اور بغایت عقیدت و خلوص تقریباً" ہر جمعرات کو حاضر خدمت ہوتے رہتے ہیں مگر سوء اتفاق سے حضرت اقدس کی اس مرتبہ کی علالت کے دوران میں وہ بھی ایسے بیمار ہو گئے کہ نقل و حرکت سے بھی معذور تھے جب حضرت اقدس کی علالت کا سلسلہ ممتد ہونے لگا اور مقامی اطباء کا علاج سود مند نہ ہوا تو حضرت اقدس کے ایک جاں نثار خادم خاص اور بہت بڑے طبیب نے حاضر ہو کر اور یہیں تھانہ بھون میں اسی غرض کے لئے مقیم رہ کر علاج شروع کیا لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ باوجود انتہائی توجہ اور مہارت تامہ کے اور بڑی قیمتی قیمتی دوائیں اپنے پاس سے دینے کے ان کے علاج سے معتدبہ نفع محسوس نہ ہوا اس وقت انہوں نے بڑے مصارف برداشت فرما کر اپنے صاحبزادے کو جو نہایت ذہین ذکی اور فن طب میں کامل ہیں بذریعہ تار ایک بہت دور مقام سے مع قیمتی ادویہ خاصہ کے فوراً" بلوایا اور پھر علاج ان کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے جس انتہائی توجہ خلوص اور رات دن کی دوڑ دھوپ سے علاج کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ حضرت اقدس کی ادنیٰ تکلیف سے ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی لیکن چونکہ حضرت اقدس کی لطافت مزاج اور دنیا سے نرالی رفتار طبیعت ان حضرات کے احاطہ ذہنی سے بالاتر تھی اس لئے اصول طبیہ کی سخت پابندی کے ساتھ معالجہ کیا جو ان کا بصورت موجودہ فرض منصبی تھا لہٰذا باوجود مطابق اصول ہونے کے معالجہ کماحقہ موثر نہ ہوا اور چونکہ معالجہ کو بلا کسی نمایاں نفع کے ایک معتدبہ مدت گزر چکی تھی اور روز بروز کمزوری بڑھتی چلی جا رہی تھی نیز حضرت اقدس کے اصل معالج مستقل بھی اپنی علالت سے افاقہ پذیر ہوتے ہی حاضر خدمت ہو گئے اس لئے مجبوراً" تبدیل علاج کی رائے قائم ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معالج موجود کی دل شکنی کا مشکل سوال بھی درپیش تھا جس کی وجہ سے تیمار دار سخت کشمکش میں مبتلا تھے کہ خود حضرت اقدس ہی نے اس مشکل کو بھی نہایت سہولت اور صفائی سے حل فرما دیا وہ اس طرح کہ اسی شب کو جس روز کہ معالج قدیم آ گئے تھے ان معالج کو حسب ذیل رقعہ تحریر فرمایا وھو ھذا۔

نقل والا نامہ حضرت اقدس بنام معالج جن کے زیر علاج تھے

از اشرف علی عفی عنہ السلام وعلیکم۔

ماحال دل را با یار گفتیم نتواں نہفتن درد از حبیباں

اپنا مافی الضمیر احباء خصوص اخص الاحباء سے بے تکلیف عرض کرتا ہوں کہ تکلف علامت ہے اجنبیت کی وہ مافی الضمیر اپنی موجودہ حالت کے متعلق جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ حالت میرے تحمل سے خارج ہے میرا یہ منصب نہیں کہ اس کے با اصول ہونے میں شبہ کروں۔ مگر میرا یہ ضعف اس کی برداشت نہیں کر سکتا اور عدم برداشت کے سبب روز بروز میری قوت میں ایسا اضمحلال و انحطاط ہو رہا ہے کہ مجھ کو اپنے بالکلیہ ساقط القوت ہونے کا اندیشہ ہے کہ شاید پھر طبیعت مقاومت مرض کی نہ کر سکے۔ اور میرے پاس اس احتمال کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ میں اس فن ہی سے نابلد ہوں۔ لیکن میرے قلب میں بے ساختہ بلا دلیل یہی آتا ہے اس لئے توکلا علی اللہ قلب میں یہ راسخ ہو گیا ہے کہ چند روز کے لئے قوی تدبیر کو ملتوی کر کے ضعیف تدبیر کو اختیار کروں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں بغلط بر ہدف زند تیرے

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مناسبت سے نفع ہو جاتا ہے خواہ ضعیف ہی سے ہو جائے اس لئے مناسبت تجربہ نمودہ کی شق کو صبح سے اختیار کرتا ہوں۔ اگر یہ بھی نافع نہ ہوا تو پھر سفر کا قصد ہے خواہ لکھنؤ یا دھلی نتیجہ خدا کے سپرد دعا کا طالب ہوں والسلام اس کے بعد معالج قدیم کا علاج شروع ہوا۔ وہ چونکہ حضرت اقدس کی پوری مزاج شناس ہیں انہوں نے اس مصلحت سے کہ حضرت اقدس کچھ تو غذا نوش فرمائیں تاکہ روز افزوں ضعف میں کمی واقعہ ہو اور آنتوں کا تعطل دور ہو حضرت کو اپنی مرغوب غذائیں کھانے کی باوقات مختلفہ اجازت دے دی جس سے فوری قوت اور بین نفع محسوس ہونے لگا اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ میری طبیعت میں فطری طور پر اختصار آزادی ہے اور سہولت ہے لیکن اگر کوئی تقلید ضروری ہو اور اس میں توسع کی گنجائش ہی نہ ہو تو اس کا تحمل دشوار نہیں ہوتا لیکن جس میں گنجائش توسع کی ہو پھر اس میں بھی مجھ کو ضرورت سے زیادہ مقید کر دیا جائے تو اس کا مجھ پر بہت بار پڑتا ہے اور طبیعت بالکل جکڑ جاتی ہے پھر وہ اپنا فعل بھی نہیں کرتی جو دفع مرض کے لئے ضروری ہے غیر ضروری قیدوں اور بکھیڑوں سے جی گھبراتا ہے مثلاً" حکیم صاحب نے گوشت کے آبجوش میں یہ قید لگائی

کہ گوشت کو قیمہ کیا جائے اور پھر قیمہ کو پیسا جائے اور پھر اس کا آبجوش نکالا جائے تو چونکہ اس قید میں بکھیڑے بہت ہیں اگر اس ترکیب سے آبجوش میں قوت بڑھ بھی گئی تو اس کے تصور سے طبیعت گھبراتی ہے اور بجائے انشراح کے اس میں انقباض کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہ ہے مذاق میرا غرض اختصار آزادی اور سہولت میری فطرت ہے مگر یہ جب ہی ہے جب کہ ضرورت نہ ہو ان کے اضداد کی اب موت سے زیادہ کیا مضر چیز ہوگی لیکن چونکہ وہ ضروری چیز ہے اس کے لئے ہر مومن کو آمادہ رہنا چاہیے البتہ جو واقعی مضر چیزیں ہوں اور ان میں توسع کی کوئی گنجائش نہ ہو تو میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں عمر بھر کے لئے بھی ایسی چیزوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اگر ضرورت سے زیادہ مقید کر دیا جائے اور جس میں گنجائش ہو اس کی بھی اجازت نہ دی جائے تو پھر البتہ میری طبیعت پر اتنا بار پڑتا ہے کہ پھر وہ بالکل ہی معطل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ معالجہ سابقہ میں تقییدات کا میری طبیعت پر اتنا دباؤ پڑا کہ اس زمانہ میں سوچنے سے بھی اپنی مرغوبات کا مرغوب ہونا محسوس نہ ہوتا تھا اب ان قیود کے اٹھ جانے کے بعد پھر یہ محسوس ہونے لگا کہ فلاں فلاں چیز مرغوب ہے اور اب طبیعت کھل گئی اور اپنی مرغوبات یاد آنے لگیں۔ پھر فرمایا کہ میں ضروری قیود سے گھبراتا نہیں لیکن غیر ضروری تعب بھی برداشت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون عالی ہمت ہے یا ہو سکتا ہے۔ آپ کی عالی ہمتی کے سامنے تو پہاڑ بھی ریت ہے مگر حضور کا معمول شریف حدیث میں موجود ہے کہ جب آپ کو دو شقوں میں اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے جو سہل شق ہوتی اس کو اختیار فرماتے۔ اس کا ایک تو منشاء ہے اور ایک ناشی۔ منشاء تو یہ ہے آسان شق کو اختیار کرنا فطرت سلامت سے پیدا ہوتا ہے چونکہ حضورؐ کی فطرت کے کامل سلیم ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اس لئے حضورؐ کو جب دو شقوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو آسان شق ہی کو اختیار فرماتے تھے۔ یہ تو منشاء ہوا۔ اور ایک اس سے ناشی ہے وہ یہ کہ اس میں امت کی رعایت ہے اگر حضورؐ دشوار شق کو اختیار فرماتے تو ضعفاء امت اتباع سنت سے محروم رہتے۔ اب تو سہل شق اختیار کرنے میں بھی امت متبع سنت ہے۔ اب ہم سہولت کے باوجود اپنی راحت کے لئے اختیار کرتے ہیں مگر پھر بھی متبع سنت ہیں یہ تو امور اختیاریہ میں ہے کہ آپ نے قصداً سہولت کو اختیار فرمایا تاکہ امت سہولت کے اختیار کرنے میں بھی متبع سنت رہے اب امور

اضطرار یہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مشاہدہ فرمائیے کہ کس طرح امت کو یہ فضیلت اتباع کی عطا فرمائی میں اس کی بعض مثالیں عرض کرتا ہوں۔

مثلاً" امت سے نماز میں سہو صادر ہوتا ہے جو غیر اختیاری چیز ہے۔ اس میں یہ فضیلت اس طرح حاصل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سہو صادر کرایا گیا حتی کہ بعض روایتوں میں آیا ہے انی لانسی (من المجرد) وانسّی (من المزید) لاسن (کذافی مجمع الفوائد عن مالک) یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے نسیان نماز میں جو ہوتا ہے تو وہ میری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نسیان طاری کرایا جاتا ہے تاکہ مجھ سے یہ سنت جاری ہو اور جس نماز میں سہو اور نسیان ہو اس کو میرے امتی ناقص نہ سمجھیں۔ دوسری مثال۔ عمر بھر میں ایک مرتبہ حضورؐ کی نماز بھی قضا کرادی گئی تاکہ اگر کبھی کسی کی بلا قصد نماز قضا ہو جائے تب بھی امت دل شکستہ نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طبعی قلق بھی نہ ہو بلکہ یہ سوچ کر عقلاً" دل کی تسلی کرلے کہ اس میں بھی مجھے غلامی کا شرف حاصل ہے کیونکہ ایک مرتبہ ہمارے آقا کی بھی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک دفعہ میرے سامنے یہی مسئلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان اور سہو کا پیش کیا گیا سوال یہ کیا گیا کہ جس چیز کی طرف برابر توجہ رکھی جائے اس میں بھول ہو نہیں سکتی۔ تو حضورؐ کو جو سہو ہوا تو کیا حضورؐ کو بھی نماز کے سوا اور کسی طرف توجہ تھی۔ میں نے جواب دیا کہ اس میں استبعاد کیا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ہمیں جب سہو ہوتا ہے۔ تو ایسی چیز کی توجہ ہوتی ہے جو نماز سے کم درجہ کی چیز ہوتی ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو امر باعث سہو ہوتا تھا وہ نماز سے زیادہ ارفع اور اعلیٰ چیز ہے یعنی ذات حق یہ فرق ہے دونوں سہو میں اھ۔ اس پر احقر نے یہ اشکال پیش کی کہ حضورؐ کے نسیان کے مواقع تو بہت کم ہوتے تھے تو گویا افضل چیز کی طرف توجہ صرف گاہ گاہ ہوتی تھی حالانکہ حضورؐ کی شایانِ شان یہ تھا کہ اکمل حالت بھی دائمہ رہتی۔ اس پر فرمایا کہ حضورؐ کی توجہ الی الحق دونوں صورتوں میں اکمل ہی ہوتی تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ ایک صورت میں بواسطہ نماز کے ہوتی تھی اور ایک میں بلاواسطہ۔ جو توجہ بواسطہ تھی وہ بھی توجہ الی الحق ہی تھی جیسے ایک دفعہ تو جمال محبوب کا مشاہدہ بواسطہ مرات کے ہوتا ہے اور ایک دفعہ بلاواسطہ ہوتا ہے تو ان دونوں میں توجہ الی المحبوب یکساں درجہ ہوتی ہے بلکہ محققین کے نزدیک تو مشاہدہ بواسطہ من وجہ زیادہ کامل

سمجھا جاتا ہے کہ "باوجود حجاب کے بھی حجاب نے اپنا کام نہیں کیا۔ اور مشاہدہ میں کوئی فرق نہیں آیا غرض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حالت کو غیر اکمل نہیں کہا جا سکتا۔ یہی حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو فی الصلوۃ کی علامہ طحطاوی نے ابو سعود سے اواخر سجود السہو میں بیان کی ہے اور اس کو دو شعر میں نظم بھی کیا ہے یہ سب مع میری ایک بسیط تقریر کے ہفت اختر وعظ دوم کے اخیر میں منقول ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قضا ہونے کی حکمت بھی ایسی ہی لطیف عارف رومی نے بیان فرمائی ہے ان شعار میں

مصطفیٰ بے خویش شد زاں خوب صوت
شد نمازش درشب تعریس فوت الخ

ان اشعار کا حل مع۔ دفع شبہات میرے رسالہ کلید مثنوی کی جلد سوم جزو دوم تحت سرخی حل اشعار قابل ملاحظہ ہے۔ سبحان اللہ عارفین نے ہر تحقیق میں ادب کو کیسا محفوظ رکھا ہے۔ ان میں محبت پر ادب غالب ہوتا ہے گو محبت بھی ان میں کامل ہوتی ہے مگر ان کی محبت پر چونکہ ان کی معرفت غالب ہوتی ہے اس لئے ادب غالب ہوتا ہے یہ تو کاملین کی شان ہے اور جن میں معرفت کا محبت پر غلبہ نہیں ہوتا ان میں ظاہرا" ادب کم ہوتا ہے اور یہی فیصلہ ہے اس اختلاف کا کہ محبت میں ادب بڑھتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ حاصل فیصلہ کا یہ ہے کہ اگر معرفت محبت پر غالب ہو تو ادب بڑھتا ہے اور اگر معرفت پر محبت غالب ہو تو ادب کم ہو جاتا ہے اور حالت اولیٰ افضل ہے ثانیہ سے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے عارفین کاملین وہاں تو کامل ادب کیوں نہ کرتے عارفین نے تو ان اللہ والوں کا بھی جو حضورؐ کے غلام تھے بڑا ادب کیا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ہم ان حضرات کا نام بھی لیں نہ کہ فضیلت کا فیصلہ کریں ہم تو ان کے نام لینے کے قابل بھی نہیں کسی شاعر نے تو ویسے ہی ادعا" کہہ دیا تھا لیکن امام صاحب کا تو ان حضرات کے متعلق واقعی عقیدہ یہی تھا کہ

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

اھ لطیفہ متعلقہ واقعہ معالجہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب ان معالج نے جن کا ذکر اس ملفوظ میں ہے

اپنے صاحبزادہ کو بذریعہ تار بلا کر حضرت اقدس مدظلہم العالی کا علاج ان کے سپرد کیا تو غایت تردد کی حالت میں احقر نے اس وقت جب کہ اتفاقاً ایک دوست نے اپنا نہایت خوش نما اور مطلی بیلدار دیوان حافظ مجھ کو دکھایا تو میں نے اس نیت سے کہ آیا ان صاحبزادہ کا علاج حضرت اقدس مدظلہم العالی کے مزاج مبارک کے موافق آئے گا یا نہیں اس کو بطریق تفاول کھولا تو سر صفحہ پر ایک غزل نکلی جو آئندہ نتیجہ علاج پر قریب قریب بالکل منطبق تھی اور وہ غزل گویا اس والا نامہ کا منظوم ترجمہ تھی جو حضرت اقدس نے صاحبزادہ ممدوح کو بوقت تبدیل معالجہ تحریر فرمایا تھا جس کی نقل ملفوظ ہذا کے شروع میں ہدیہ ناظرین کی جا چکی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی اور تفریح کے لئے نہ کہ اعتقاد تاثیر یا اعتقاد حکایت یقینی کی بناء پر اس غزل کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے لئے یہ امر واقعہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ صاحبزادہ ممدوح علاوہ نہایت ذہین ذکی مخلص اور خوش اخلاق ہونے کے ظاہر میں بھی ماشاء اللہ نہایت وجیہ و شکیل ہیں اور حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے ان اشعار کے پورے پورے مصداق ہیں جو بصیغہ خطاب غزل ذیل کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہیں۔ وہ غزل یہ ہے۔

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج
چرا کہ برسر خوبان عالمی چوں تاج

دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطاؤ ختن
بچین زلف تو ماچین وہندہ دادہ خراج

بیاض روئے تو روشن چو عارض خورشید
سواد زلف تو تاریک ترز ظلمت داج

لب تو خضر ودہان تو آب حیوان ست
قد تو سرو ومیان تو موی وگردن عاج

ازیں مرض بحقیقت کجا شفاء یابم
کہ ازتو درد دل من نمی رسد علاج

دہان تنگ تو دادہ باب خضر بقاء
لب چو قند تو برد ازنبات مصر رواج

چراہمی شکنی جان من زسنگدلی
ال ضعیف کہ ہست اوبناز کی چوز جاج
نهاد در سر حافظ ہوائے چوں توشے
کمینہ بندہ در تو بودے کاج

شروع کے سات شعران خدام کے نزدیک جو ان صاحبزادے کے حسن صورت و سیرت اور حضرت اقدس کی لطافت مزاج اور واقعات متعلقہ علاج سے واقف ہیں حیرت انگریز طور پر ہو بہو منطبق ہیں۔

چونکہ کئی دن سے احقر حضرت اقدس مدظلہم العالی کی علالت ہی کے متعلق ملفوظات بغرض نظر اصلاحی خدمت اقدس میں پیش کر رہا تھا جس کے ضمن میں حضرت اقدس کی لطافت مزاج اور حسن انتظام نیز اسی سلسلہ میں باوجود انتہائی نقاہت و ضعف کے بھی برابر ڈاک اور تصنیف اور ملفوظات وغیرہ افاضات سے طالبین کو مستفیض فرماتے رہنے کے حالات معرض تحریر میں آتے رہے جو بجائے خود افادات کے مستقل اسباق بھی ہیں مگر باوجود اس کے پرسوں احقر کو متنبہ فرمایا کہ ان حالات میں معتدبہ نفع نہیں جو کام کے ملفوظ ہوں وہی لکھے جائیں ان حالات کو حذف کر دیا جائے۔ احقر نے بہ ادب عرض کیا کہ جو حالات لکھے جا چکے ہیں ان کو تو باقی رکھا جائے آئندہ صرف ملفوظات پیش کئے جایا کریں گے۔ اور اس قسم کے حالات اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ شذرات السوانح میں شامل کئے جائیں۔ اس پر فرمایا کہ خیر چونکہ محنت کی جا چکی ہے اس لئے بادل ناخواستہ اس کی تو اجازت دیتا ہوں کہ حالات لکھے جا چکے ہیں۔ ان کو باقی رکھا جائے۔ لیکن آئندہ ایسے حالات و واقعات نہ لکھے جائیں اھ۔ پھر اس کے متعلق دیر تک تقریر فرماتے رہے جس کا خلاصہ ذیل کے ملفوظ میں ملاحظہ سے گزرے گا۔ اب آئندہ صرف ملفوظات لکھے جایا کریں گے۔ محض واقعات و حالات کو حسب ہدایت حضرت اقدس نہ لکھا جائے گا۔

الا حیث مست الضرورت الشدیدۃ الوقتیہ ۔

(۲۴۷) حضرت حکیم الامت کی طبیعت کا ایک خاصہ

بعض ضروری اور نافع مسائل تصوف پر ایک نہایت موثر تقریر فرمانے کے بعد احقر سے فرمایا کہ

بس ایسے ملفوظات قلم بند کئے جایا کریں جیسی یہ تقریر ہے نہ کہ ایسے جیسے اس زمانہ میں میرے سامنے نظر اصلاحی کے لئے پیش کئے ہیں جن میں مرض کے متعلق حالات و واقعات کے سلسلہ میں لطافت مزاج اور حسن انتظام وغیرہ کا ذکر ہے ایسے ملفوظات سے دوسروں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ ایسے فرسودہ مضامین کا داخل ملفوظات کرنا درحقیقت دوسرے ملفوظات کی بھی قدر گھٹادینا ہے کیونکہ ان کا حاصل سوائے استخواں فروشی اور ہوابندی اور فضول مدح کے کچھ بھی نہیں علوم اور کام کی باتیں منضبط ہونا چاہئیں اس مدح پر ایک خواب یاد آگیا۔ یہاں کے رہنے والے ایک بہت معمر حافظ صاحب تھے جو بعد میں قصبہ بہوت جارہے تھے جن کو ہمارے اول طبقہ کے اکابر حضرات جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا گو اس وقت کسی سے بیعت نہیں تھے۔ ان کو مولد شریف اور اشعار نعتیہ کا بہت شوق اور بہت اہتمام تھا۔ انہوں نے مجھ کو اپنا ایک خواب لکھا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ ہم اس سے خوش نہیں ہوتے جو ہماری بہت تعریف کرے بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارا اتباع کرے اس سے معلوم ہوا کہ تعریف میں بھی اعتدال چاہیے زیادہ تعریف کو حضورؐ بھی پسند نہیں فرماتے۔ جب مدح بحق میں یہ ارشاد ہے تو مدح فضول میں کیا کہا جاوے گا دیکھئے حضورؐ کے سامنے کسی نے سیدنا کہا تو فرمایا ذاک ابراہیم اور ایک حدیث میں ارشاد ہے قولوا قولکم او بعض قولکم علاوہ اس کے میرے اس میں بدنامی بھی تو ہے کہ یہ چیزیں سب اس کی دیکھی ہوئی ہیں اور ان سب کو اس نے داخل رکھا سوناحق کی بدنامی مجھ کو پسند نہیں کیونکہ مجھ میں جہاں الحمد للہ تکبر نہیں ہے وہاں عرفی تواضع بھی نہیں ہے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں ان کو خود بیان کرتا رہتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا رہتا ہوں ولا فخر میں اس میں بھی سنت پر عمل کرتا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے موقع پر یہی فرمایا اسی لئے میں برابر کہتا رہتا ہوں کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں لیکن ایک چیز کا انکار نہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریق ایسا سمجھا دیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا شبہ یا ابہام نہیں رہتا بس یہ چیز الحمد للہ عطا ہوگئی ہے اور کچھ نہیں۔ اب اسے چاہے کمال سمجھ لیجئے یا فن سمجھ لیجئے۔ اس کا انکار ناشکری ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو یہ چیز حاصل ہوئی ہے اس میں بھی تکلف نہیں۔ چنانچہ اپنی ہمت ہی کو دیکھتا ہوں کہ

بہت ہی کم ہمت ہوں حتی کہ اس بیماری میں کبھی کبھی صرف فرض پڑھتا ہوں۔ بہت شرم آتی ہے کہ ڈاک وغیرہ کے معمول سب جاری ہیں لیکن سنتیں نہیں ہوتیں اور میں جو سادگی سے اپنی ہر حالت کو ظاہر کر دیتا ہوں اس میں نہ کمال بیان کرنے سے تکبر پر استدلال ہو سکتا ہے نہ نقص بیان کرنے سے تواضع پر۔ بلکہ واقعہ میں نہ مجھ میں تکبر ہے نہ عرفی تواضع۔ میری نیت صرف یہ ہے کہ میرا کچا چٹھا کسی سے مخفی نہ رہے۔ جو کمال ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے جو نقص ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے سو اگر میں نے کسی کی کوئی خدمت نہیں کی تو الحمد اللہ کسی کو دھوکہ بھی نہیں دیا۔ مثلاً" اپنی لطافت مزاج ہی کے متعلق میں نے بارہا کہا ہے کہ یہ ذکاء حس ہے جو ایک مرض ہے خواہ اعتقاد سے کوئی اس کو لطافت سے تعبیر کر دے ایک لکھنؤ کے حکیم کانپور میں فضل اللہ تھے۔ انہوں نے بھی یہی مرض ذکاء حسن تشخیص کیا تھا اور کہا تھا کہ سری پائے کثرت سے کھائے جائیں تو یہ کم ہو جائے گا مگر میں نے سری پائے بھی کھائے لیکن وہ پھر بھی باقی ہے۔ غرض یہ مرض ہے کمال نہیں اور اگر ہے تو کمال بدنی و نفسانی ہے کمال روحانی نہیں۔ اب تاناشاہ کتنا لطیف المزاج تھا لیکن کٹر رافضی تھا وہ گولکنڈہ کا نواب تھا مگر باوجود اس لطافت کے وہ گمراہی کے گولکنڈہ سے نہ نکل سکا تو لطافت مزاج کس کام آئی خیر یہ تو ایک مثال تھی اپنی حالت کے مخفی نہ رکھنے کی مقصود یہ ہے کہ میرا یہ اصل مذاق ہے کہ اپنا کچا چٹھا سب پر ظاہر کر دوں تاکہ کوئی دھوکہ میں نہ رہے اور جو رائے قائم کرے اچھی یا بری سوچ سمجھ کر قائم کرے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اس مذاق کی برکت سے مجھ کو یہ فکر نہیں کہ کہیں کسی کا اعتقاد تو نہیں جاتا رہا اگر جاتا رہے بلا سے جب کہ مجھ کو اس کی کوشش بھی نہیں کیونکہ اس زوال اعتقاد کا حاصل نقص جاہ و مال ہی تو ہو گا سو جاہ و مال کے متعلق مولوی حبیب کی تحقیق مجھے بہت پسند آئی۔ کہتے تھے کہ بس جاہ اتنی ہی کافی ہے کہ کوئی خواہ مخواہ مار کٹائی نہ کرنے لگے اور مال کے بارے میں کہا کہ بس اتنا ہو کہ بھوکا ننگا نہ رہے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب نے بھی اسی کے قریب قریب فرمایا تھا واقعہ یہ تھا کہ وہ ریاست بھوپال میں تحصیلدار تھے ان کی بزرگی کی تعریفیں سن کر مولوی عبدالجبار صاحب مدار المہام نے ان کی معتقدانہ کوئی خدمت کرنی چاہی اور پوچھا کہ اس وقت میں بااختیار ہوں آپ جس عہدہ کو پسند فرمائیں اس پر آپ کا تقرر کر دوں وہ نہایت آزاد تھے انہوں نے

فرمایا کہ سنئے صاحب میری تنخواہ پچاس روپے ہے وہ دراصل تو میری ضروریات کے لئے کافی سے زیادہ ہے مگر میری بیوی ذرا بے وقوف سی ہے اس میں انتظام کا سلیقہ کم ہے اس لئے پچاس صرف ہو جاتے ہیں اور اس سے کم میں گزر مشکل ہے لہٰذا تنخواہ تو میری پچاس سے کم نہ ہو باقی عہدہ چاہے مجھے بھنگیوں کا جمعدار کر دیجئے۔ بڑے آزاد تھے۔ بس مجھ کو بھی یہی مذاق پسند ہے آزاد ہے نہ کسی کی مداح کی پرواہ اور نہ مذمت کی اسی طرح مدح وذم سے بچنے کی بھی کوشش نہ کرے مثلاً اگر کوئی مدح بھی کرنے لگے تو کرنے دے رواج کے اثر سے اس سے بھی نہ روکے اس پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔ مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کوئی معتقد ان کی تعریف کر رہا تھا اور وہ خوش ہو رہے تھے میرے دل میں اعتراض پیدا ہوا کہ اپنی مدح سے اتنے خوش ہو رہے ہیں بس اس خیال کا آنا تھا کہ میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں اپنی مدح سے خوش نہیں ہو رہا ہوں بلکہ اپنے صانع کی مدح سے خوش ہو رہا ہوں کیونکہ انہیں نے تو مجھے ایسا بنایا ہے اگر کسی اچھے لکھے ہوئے حرف کی تعریف کی جائے تو یہ اس حرف کی تعریف نہیں بلکہ کاتب کی تعریف ہے اسی طرح جو میرے اندر خوبی ہے وہ میری خوبی نہیں بلکہ صانع کی خوبی ہے کیونکہ یہ سب اسی طرف سے ہے مولانا فخر الحسن صاحب فرماتے تھے کہ اس زمانے پر میرے دل میں خیال آیا کہ جب سب اسی طرف سے ہے تو میرا اعتراض بھی اسی طرف سے تھا اس کے جواب کی فکر کیوں ہوئی۔ فوراً فرمایا کہ بری چیزوں کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بڑی بے ادبی کی بات ہے مولانا فرماتے تھے کہ جب میں نے دیکھا کہ ہر وسوسہ کا ان بزرگ کو کشف ہو جاتا ہے تو میں وہاں سے اٹھ کر بھاگا کہ بھائی یہاں تو بیٹھنا مشکل ہے۔ وسوسے تو دل میں نہ جانے کیا کیا آتے رہتے ہیں ان کو کہاں تک روکا جائے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ وساوس مانع صحبت ہیں البتہ اپنے اختیار سے وساوس کو نہ لانا چاہیے اسی کو فرمایا ہے۔

پیش اہل دل نگہدارید دل — تانباشید از گمان بد خجل

کھانے کے وقت حضرت اقدس کے سامنے پکی ہوئی مچھلی آئی تو حضرت اقدس کے ایک خاص الخاص عزیز نے حضرت اقدس کی سہولت کے لئے اس کے کانٹے نکالنے چاہے تو منع فرمایا اور اس کی مصلحت حاضرین کی طرف خطاب کر کے یہ بیان فرمائی کہ اگر ان سے کانٹے

نکلواتا تو اس میں یہ خرابی تھی کہ اگر کوئی کانٹا آجاتا تو ان پر غصہ آتا کہ کیسا۔ ناتمام کام کیا اور اب اگر کوئی کانٹا آگیا تو خود اپنے اوپر غصہ آئے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ نہ کسی پر خواہ مخواہ میرا بار پڑے نہ کسی کو مجھ پر بار پڑے۔

(۲۴۸) حضرت حکیم الامت کی طبیعت میں قرینہ نظم کوٹ کوٹ کر بھرا تھا

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ کے بعض عجیب و غریب واقعات اور حضرت مولانا گنگوہی اور مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ غایت حسن عقیدت کی روایات سن کر فرمایا کہ یہ سب اثر اسی نسبت باطنی کا ہے جو کسی کو نظر بھی نہیں آتی۔ میں تو اس کی مثال بال کمانی سے دیا کرتا ہوں وہ بھی اس قدر باریک ہوتی ہے کہ اس کا نظر آنا بھی مشکل ہوتا ہے لیکن جتنے بڑے بڑے پرزے ہیں سب اسی پر چلتے ہیں اھ۔ پھر اپنے دیگر اکابر کے تذکرے فرما کر فرمایا کہ وہ حضرات تو منعم علیہ تھے ہی مگر ان کی زیارت کرنے والا اس لئے منعم علیہ ہے کہ خود ان کی زیارت ایک بڑی اور مستقل نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو نصیب فرمادی گو ہم اس زیارت سے آدمی تو نہیں بنے لیکن الحمد للہ آدمیوں کو دیکھ تو لیا اگر کبھی آدمی بننا چاہیں تو زیادہ سوچنا نہ پڑے گا۔ آدمیت کا نمونہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سامنے ہوگا۔

(۲۴۹) قبر فی البناء و بناء علی القبر میں فرق

مدرسہ دیوبند کے چند طلباء نے حاضری کی اجازت طلب کی چونکہ حضرت اقدس بوجہ علالت دولت خانہ ہی پر مختصر سی مجلس منعقد کئے ہوئے تھے اور جگہ محدود تھی بالخصوص اس وجہ سے اور بھی تنگ تھی کہ حضرت اقدس کو کسی کا بہت پاس مل کر بیٹھنا نیز لوگوں کا سب اطراف کو گھیر بیٹھنا سخت موجب گرانی ہوتا ہے (چنانچہ فرمایا کہ جب تک میں اپنے سامنے کچھ جگہ بالکل خالی نہ کرا لیتا تھا وعظ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ مجمع کے قریب مل کر بیٹھنے سے مجھ کو وحشت ہوتی تھی اور طبیعت منقبض ہو کر مضامین کی آمد بند ہو جاتی تھی اس لئے میں وعظ میں تھوڑی دور تک اپنے سامنے کسی کو نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور اس مجلس میں ان طلبہ کے بعض اساتذہ بھی حاضر تھے اور انہیں کے ذریعہ سے انہوں نے شرکت مجلس کی اجازت بھی طلب کی تھی اس لئے حضرت اقدس نے انہیں کے ذریعہ سے یہ کہلا بھیجا کہ فرش پر تو جگہ ہے نہیں اگر تخت پر بیٹھنا گوارا ہو تو اجازت ہے حضرت اقدس مد ظلہم العالی تو حسب معمول اپنی چارپائی

پر تشریف فرما تھے اور خدام چارپائی سے ہٹ کر نیچے فرش پر ہلالی شکل میں حلقہ کئے بیٹھے تھے جن میں ان طلبہ کے وہ اساتذہ بھی تھے چونکہ حضرت اقدس کی زیارت کا اشتیاق غالب تھا اور دیوبند سے مشقت کی مسافت پیدل طے کر کے اسی غرض سے حاضر ہوئے تھے اسی لئے عرفی ادب کا خیال نہ کر کے مجبوراً "بادل ناخواستہ تخت پر آ کر بیٹھ گئے ان کی طبیعت کا ہلکا کرنے کی غرض سے حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ سب اس اونچے تخت پر بیٹھنے کو یہ سمجھ لیں کہ ترازوں کا ہلکا پلڑا اونچا ہوتا ہے اور جس پلڑے میں وزن دار چیز ہوتی ہے وہ نیچا رہتا ہے

ع حباب بر سر آب و گہرتہ دریا

پھر محض ارتفاع مکانی کی دلیل فضل نہ ہونے کی تائید مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بیان فرمائی جو انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک لا تفضلونی علی یونس بن متی کے تحت میں بطور روایت بالمعنی کے ذکر فرمایا ہے جس میں بعض اشعار یہ ہیں۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا

یعنی مجھ کو حضرت یونس علیہ السلام پر محض اس بناء پر فضیلت مت دو کہ وہ دریا کے نیچے مچھلی کے پیٹ میں گئے تھے اور میں شب معراج میں آسمانوں پر گیا تھا یہ دونوں صعود و ہبوط معراج تھے جہت تحت میں جانا بھی معنی معراج تھی اور معراج ہونے میں دونوں حرکتیں برابر ہیں کیونکہ حقیقت معنوی معراج کی قرب حق ہے اور یہ قرب کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں اسی کو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آن من بالاو آن او نشیب زانکہ قرب حق برون است از حسیب

قرب نز پستی بہ بالار رفتن ست قرب حق ازقید ہستی رستن ست

پس اس وقت یہ تخت پر بیٹھنا گویا حضورؐ کے قول کی تصدیق ہے کہ محض اوپر نیچے ہونا تفاضل کی دلیل نہیں اور مولانا کا اس سے صرف مطلب یہ ہے کہ محض یہ امر فضیلت کی دلیل نہیں باقی سب انبیاء پر حضورؐ کی فضیلت کی جو مستقل دلیلیں ہیں ان میں کلام نہیں فرماتے البتہ ان فضائل میں بعضے قطعی اور متفق علیہ ہیں اور بعضے اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اس وقت ایک ایسی ہی فضیلت ذہن میں آگئی وہ یہ کہ بہت علماء نے لکھا ہے کہ جس حصہ زمین میں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے افضل ہے سو

یہ ایسی فضیلت ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھے تو کوئی ملامت نہیں لیکن اس کی نفی میں بھی بے ادبی کا عنوان اختیار نہ کرے جیسے ایک مولوی صاحب نے جو ذرا خشک مزاج ہیں اس میں کلام کیا خیر اس کا تو مضائقہ نہیں لیکن چونکہ ان کی طبیعت میں خشکی ہے اور خشکی کی وجہ سے بے باکی ہے اس لئے اس کی نفی کی دلیل یہ بیان کی کہ اگر محض مس اور تلبس کی وجہ سے اس حصہ زمین کو فضیلت حاصل ہو گئی ہے تو کیا وہ پاجامہ بھی جس میں حضور قضائے حاجت فرماتے تھے آپ کے بیٹھنے کے وقت عرش سے افضل ہو جاتا تھا مجھ کو یہ عنوان سخت ناگوار ہوا میں نے کہا کہ ہاں فی نفسہ تو تلبس اور مس کا اثر اور مقتضا یہی ہے لیکن عارض نجاست کی وجہ سے وہ اثر مرتب اور ظاہر نہیں ہوا۔ اھ پھر فرمایا کہ حضورؐ کے گنبد شریف کے متعلق بھی ایک سوال اٹھا تھا۔ جب ابن سعود نے مزارات کو ڈھانا شروع کیا تو لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اس نے حضورؐ کے گنبد شریف کے شہید کر دینے کا بھی عزم کیا ہے اس کی کہیں ابن سعود کو خبر لگی تو اس نے بہت اہتمام کے ساتھ اس خبر کے بالکل غلط ہونے کا اعلان کیا مگر پھر بھی اس وقت اس کا بہت چرچا ہوا چنانچہ ہمارے معظم دوست نواب جمشید علی خان نے بھی یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ حدیث میں قبر پر عمارت بنانے کی ممانعت تو معلوم ہے تو کیا اس حدیث کی رو سے حضورؐ کے گنبد شریف کا شہید کر دینا بھی واجب ہے چونکہ واقعی بناء علی القبر کی حدیث میں ممانعت ہے اس لئے اول تو میں متحیر ہوا کہ یا اللہ کیا جواب دوں کیونکہ اس کے تو سوچنے سے بھی ذہن اباء کرتا تھا کہ نعوذ باللہ حضورؐ کے گنبد شریف کو شہید کر دینے کے متعلق فتوی دیا جائے یہ تو کسی صورت میں ذوقاً گوارا ہی نہیں تھا لیکن اس حدیث کے ہوتے ہوئے تحیر ضرور تھا کہ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالی نے دست گیری فرمائی۔ فوراً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں صرف بناء علی القبر کی ممانعت ہے قبر فی البناء کی تو ممانعت نہیں اور حضورؐ کی قبر شریف ابتداء ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر ہے جو قبر شریف سے پہلے ہی کا بنا ہوا ہے قبر کے بعد تو اس پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی لہذا اس حدیث کا حضورؐ کے گنبد شریف سے کوئی تعلق نہیں نہ وہ اس ممانعت میں داخل ہے۔ چنانچہ میں نے نواب صاحب کو لکھا کہ میں آپ کے سوال کا جواب تو دیتا ہوں لیکن میرا قلم کانپتا ہے آئندہ اس کا تذکرہ ہی نہیں کرنا چاہیے۔ اھ۔ پھر فرمایا کہ بہت سی باتیں ایسی ہوئی

ہیں جو ہوتی تو ہیں واقعی لیکن ان کا تذکرہ بدنما اور بے ادبی و بد تہذیبی ہوتا ہے مثلاً" اگر کسی سے کوئی کہے کہ تم جو پیدا ہوئے ہو تو تمہارے باپ نے تمہاری ماں کے ساتھ ایسی ایسی حرکت کی ہوگی کیا تمہیں اس کی کچھ تحقیق ہے اب دیکھئے گو اس کو اس کی تحقیق تو ہے مگر کیا ایسا سوال کرنا یا ایسے سوال کا جواب دینا کوئی تہذیب کی بات ہے۔ قلب ہی تو ہے یہ سوال باوجود امر واقع ہونے کے مخاطب کو سخت ناگوار ہوگا۔ طبقات شعرانی میں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ یہ دونوں حضرات تابعی تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان حضرات کا نام بھی لیں فیصلہ فضیلت کا تو بڑی چیز ہے یہ حالت تھی اکابر کے ادب کی ادب بھی بڑی چیز ہے۔ مولانا" فرماتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

اسی مقام پر ایک شعر یہ بھی فرماتے ہیں۔

بدز گستاخی کسوف آفتاب　　شد عزازیلے ز جرائت رد باب

اس کی شرح میں شراح نے عجیب و غریب توجیہات کی ہیں اپنی طرف سے یہ مقدمہ گھڑا کہ گستاخی کا مضاف الیہ آفتاب کو بنایا اور پھر یہ روایت گھڑی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کرتہ اتارے ہوئے بیٹھے تھے آفتاب تیز ہو گیا جس سے آپ کو اذیت ہوئی اس سزا میں اس کو کسوف ہو گیا خدا جانے کہاں کی حکایت گھڑی میں نے کلید مثنوی میں اس کی شرح لکھی ہے کہ بدز گستاخی بندگاں کسوف آفتاب کیونکہ آفتاب کی طرف تو گستاخی کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی اسی سلسلہ میں کلید مثنوی کے مفید ہونے کا ذکر ہوا فرمایا کہ کلید مثنوی اول مولوی انعام اللہ صاحب نے چھاپی تھی ان میں تحقیق کی ایک خاص شان تھی بلکہ وہمی تھے چونکہ کتب فروش تھے قبل چھاپنے کے اس کو خوب نظر تنقیح سے دیکھا اور دوسری شرحوں کو بھی دیکھ کر ان سے مقابلہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے اچھی شرح موجود ہو اور اس کی بکری نہ ہو کہتے تھے کہ میں نے مقابلہ کر کے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کوئی شرح اس سے افضل نہیں۔ اور اس کی اطلاع طبع کے بعد کی۔

(۲۵۰) اسلام میں عجمی تکلفات نہیں

حضرت اقدس مدظلہم العالی دوا نوش فرمانے کے بعد چارپائی پر حسب معمول بیٹھے ہوئے

اگالدان میں جو نیچے رکھا ہوا تھا انگلیاں دھونے لگے۔ اس پر ایک خادم نے اگالدان کو اٹھا کر اونچا کر دیا تاکہ حضرت کو جھکنا نہ پڑے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے نیچے رکھ دو اگر اپنے آپ کو کوئی تم لوگوں کے سپرد کر دے تو بالکل اپاہج ہی ہو جائے۔ یہ امراء کے یہاں کے آداب ہیں مجھے ان سے معاف رکھو۔ اھ۔ پھر حضرت اقدس نے بہت بے تکلفی کے ساتھ پہلے ذرا جھک کر اس اگالدان میں اپنی انگلیاں دھوئیں اس کے بعد اس کو اٹھا کر اس میں کلی کی اور جب تک اطمینان سے کلی وغیرہ سے فارغ نہیں ہو گئے اسکو اپنے بائیں ہاتھ میں لئے رہے پھر نیچے رکھ کر اطمینان سے بایاں ہاتھ بھی دھو لیا۔ جب بالکل فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ دیکھو جی جیسی آزادی اور اطمینان کے ساتھ اب کلی وغیرہ کر لی اس حالت میں کیسے ممکن تھا۔ مگر آج کل تکلف ہی کو ادب سمجھتے ہیں لیکن اگر ایسا ہی تکلف ہے اور آرام پہنچانا ہے تو کل کو کھانا بھی منہ میں دینا تاکہ لقمہ بنا کر منہ تک لے جانا نہ پڑے اور پھر اس کی بھی کوئی تدبیر کرنا کہ لقمہ چبانا بھی نہ پڑے۔ اپنے منہ میں چبا کر میرے منہ میں تھوک دینا کہ نگل لو۔ اس کی تو پھر کوئی انتہا ہی نہیں۔ ارے بھائی ہم ایک پیغمبر کے غلام ہیں ہمیں جو سکھایا گیا ہے قولاً" فعلاً" حالاً" بس اسی کے مطابق ہم کو عمل کرنا چاہیے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تکلفات ہمیں نہیں سکھائے جس کو آج کل ادب اور تعظیم سمجھا جاتا ہے یہ سب عجمیت ہے جس کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک قصبہ یہاں سے قریب ہے وہاں کے رئیسوں میں اب بھی یہ رسم ہے کہ موئے زیر ناف نائی سے صاف کراتے ہیں۔ اور یہ ساری خرابی اسی کی ہے کہ لوگ حدود سے نکل گئے ہیں۔ جب حدود ہی سے نکل گئے تو بس پھر کوئی حد نہیں معلوم نہیں کہاں تک پہنچیں۔ اب جو شخص شامت زدہ اس کا انتظام کرے وہ بدنام۔ بد خلق بد مزاج۔ پھر ایک لمبا سانس لیا اور بے اختیار منہ سے نکلا اللہ اللہ سنت کے ترک کرنے سے بڑی ظلمت پیدا ہوئی ہے کہ وظیفے اور ذکر شغل بھی اس کا تدارک نہیں کر سکتے اس میں اتنی سخت ظلمت ہے پھر فرمایا کہنے کی بات نہیں ہے کیونکہ لوگ غلط سمجھیں گے مجدد صاحب نے یہاں تک لکھا ہے الخ (نوٹ از جامع) مجدد صاحب کے قول کو اس جگہ نقل فرما کر احقر نے فرمایا کہ یہ لکھئے گا نہیں یہ لکھنے کی چیز نہیں اھ وہ قول اس پر تفریع تھی جو فعل سنت میں منقول ہے وہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو اس متہم بالشان فعل سے بھی ہزار درجہ افضل ہے جو حضورؐ کے

زمانہ مبارک کے بعد خواہ کسی دینی ضرورت ہی سے تجویز کیا گیا ہو اور یہ افضلیت بعینہ ہے گو کسی عارض سے کسی خاص حالت میں لغیرہ زیادہ اہتمام کے قابل سمجھا جاوے) پھر حضرت نے فرمایا کہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ جن کا انتقال ہو چکا ہے کہتے تھے کہ ہمارے اکابر کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے اور اس میں نہ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات لیکن پھر بھی بہت جلد وصول الی اللہ نصیب ہو جاتا ہے وہ سب اتباع سنت کی برکت ہے بخلاف دوسرے سلسلوں کے کہ ان میں بہت زیادہ مجاہدات اور ریاضات و اذکار و اشغال کے بعض اوقات عمر بھر بھی مقصود تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ وجہ یہ کہ اتباع سنت کی برکت سے کشش ہوتی ہے اور یہ حضرات مقصود حقیقی تک کشش سے پہنچتے ہیں یعنی جذب سے اور دوسرے سلسلہ والے سلوک سے پہنچتے ہیں اور مسلم ہے کہ طریق جذب طریق سلوک سے اسرع ہے اور ان بزرگ نے خود کہا۔ اول مجھ سے سوال کیا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہ نسبت اور سلسلوں کے بہت جلد وصول الی اللہ ہوتا ہے میرے ذہن میں جواب نہیں آیا پھر انہوں نے یہ تقریر فرمائی اور اس کا یہ راز بیان کیا واقعی کیا سچی بات کہی۔ دیکھئے اگر کوئی کسی کا محبوب مجازی ہے اور دو اجنبی شخص اور ہیں ایک تو وہ ہے جس میں آپ کے محبوب کی سی ادائیں ہیں گو وہ بہت آراستہ پیراستہ نہیں اور ایک وہ ہے جس میں ادائیں تو وہ نہیں ہیں لیکن اس کا لباس بہت اعلیٰ درجہ کا ہے مانگ پٹی سے بھی درست ہے زیورات سے بھی آراستہ و پیراستہ ہے اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ کو کدھر کشش زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جس میں آپ کے محبوب کی سی ادائیں ہونگی اسی کی طرف بار بار نظر اٹھے گی کہ اس کو دیکھوں اور اس کی ادائیں دیکھوں۔ بس ایسی ہی برکت ہے اتباع سنت کی کہ تشبہ بالمحبوب سے محبوب ہو جاتا ہے اور اسی تشبہ کا اساطین امت نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے اور اسی کی تحقیق میں کاوش جاری رکھی ہے اور یہی اہتمام اور کوشش سبب ہو گیا ہے بعض مسائل میں اختلاف کیا کہ ہر بزرگ نے یہ چاہا کہ ادنیٰ درجہ بھی تشبہ کا فوت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ دلائل کے تنوع کے ہوتے ہوئے اتنی کاوش کے لئے اختلاف لازم ہو گا پس اس حالت میں بعضے لوگوں کو اعتراض ہے کہ علماء امت ذرا ذرا سی بات پر جھگڑتے ہیں یہ غفلت ہے اس اختلاف کی بناء سے جس سے معترضین کو ان کا کمال نقص نظر آتا ہے غرض اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر شخص کی یہ کوشش رہی کہ

جو اصل سنت ہے اس پر عمل نصیب ہو ان کی یہ نیتیں تھیں گو بعض متاخرین کی یہ نیت نہ رہی ہو اکابر کی یہ حالت تھی کہ ایک بزرگ نے خربوزہ عمر بھر نہیں کھایا تھا کہ معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تراشا تھا اور پیغمبروں کے بھیجنے کا راز اسی حب کی تعلیم ہے کہ ایسے بنو جیسے یہ پیغمبر ہیں ورنہ بہت آسان بات تھی کہ آسمان سے چھپے ہوئے اشتہار برس جایا کرتے جن میں نماز کی اور جنازے وغیرہ کی تعلیمیں اور تصویریں ہوتیں سب احکام اسی طرح اشتہاروں کے ذریعہ سے نازل کردیئے جاتے کیونکہ رسول نے اور کیا کیا سوائے اس کے کہ احکام خداوندی لوگوں کو پہنچائے۔ لیکن رسولوں کو جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تو اسی لئے کہ امت کے سامنے نمونہ بھی آجاوے کہ ایسے بنو سو یہ بات اشتہاروں سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ایک حسی مثال ہے کہ آپ اچکن ترشوائیں تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کاغذ پر یادداشت لکھ کر دیدیں کہ گریبان اتنا ہو دامن اتنا ہو کلی اتنی ہو چولی اتنی ہو۔ اس میں مشقت تو زیادہ ہے اور پھر بھی امید نہیں کہ بالکل اس ناپ اور اس قاعدہ کی بن سکے اور ایک یہ صورت ہے کہ آپ نے نمونہ دیدیا کہ بس اس نمونہ کی اچکن بنالاؤ اس میں مشقت بھی کم ہوئی اور کام بھی زیادہ ہوا یعنی بالکل نمونہ کے مطابق اچکن تیار ہو گئی۔ تو رسول کی یہ شان ہے جیسے نمونہ کا کرتہ یا اچکن۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ اسوہ یہی ہے اس پر ایک قصہ عجیب یاد آیا ہمارے حضرت کے ایک خلیفہ کا۔ ایک صاحب مولوی محب الدین ولایتی حضرت کے مجاز تھے وہ صاحب کشف بہت بڑے تھے۔ ایک دفعہ ان کو خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے جس کے لئے وضو کامل کیا جائے پھر دو رکعت ایسی پڑھی جاویں کہ ان میں حدیث النفس نہ ہو وہ عالم بھی تھے۔ انہوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔ لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ خطرات اکثر آتے ہی ہیں ان کو روکنے کے لئے انہوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ نظر اگر منتشر ہوتی ہے تو عادۃً یکسوئی نہیں ہوتی اور ادھر ادھر کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ آنکھیں بند کرنے سے ان کو یکسوئی ہو گئی اور کوئی خطرہ نہیں آیا۔ پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی کیا شکل ہو گی۔ متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی۔ نہایت حسین جمیل سر

سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ۔ آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو ان میں روشنی نہیں ان کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کون سی کسر رہ گئی رفع تردد کے لئے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں واقعہ عرض کیا گو انہوں نے کوئی تفصیل اس کی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی پڑھی تھی حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے دفع خطرات کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اس لئے یہ صورت نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ زیادہ مقبول ہوتی۔ چونکہ یہ فعل سنت کے خلاف تھا اس لئے نماز میں مقبولیت کم ہوئی۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا اجی وہاں تو غلامی کو دیکھا جاتا ہے کہ کون کتنا متبع ہے۔ وہاں خطرات کو پوچھتا کون ہے۔ تو حضرت ایسی چیز ہے سنت۔ اور سنئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سفر کی نماز کو اگر بجائے قصر کے پورا پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں ہمارے امام صاحب تو ناجائز فرماتے ہیں اور دوسرے بعض ائمہ جائز فرماتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضل قصر ہی ہے حالانکہ بظاہر یہ عجیب سی بات ہے کہ دو رکعتیں تو افضل ہیں اور چار رکعتیں افضل نہیں۔ گو فی نفسہ تو دو رکعتوں سے چار رکعتیں ہی افضل ہیں لیکن قصر میں بجائے چار کے دو ہی افضل ہیں کیونکہ حضورؐ نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر کوئی چار پڑھ لے تو گو وہ بھی بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن چونکہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا لہٰذا سب کے نزدیک دو افضل ہیں چار سے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دیکھئے اگر کسی کے محبوب کے چھ انگلیاں ہوں تو وہ چھ انگلیاں پسند نہیں کرے گا بلکہ اس کے لئے پانچ ہی پسند کرے گا تو بعضی زیادت بھی پسند نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے محبوب کی سی شکل کس کی ہے۔ اور دیکھئے موٹی بات ہے کہ حکیم صاحب نے کوئی دوا پانچ ماشہ لکھی اور تم دس ماشہ ڈال دو کہ جلدی فائدہ ہو تو وہ پانچ ماشہ بھی گئے گذرے ہوئے حالانکہ دس ماشہ زیادہ ہے اور پانچ ماشہ کم ہے لیکن پانچ ماشہ قاعدہ کے موافق ہے گو کم ہے اور دس ماشہ گو زیادہ ہے لیکن قاعدہ کے موافق نہیں اس لئے اس کا اثر ہوگا اس کا نہ ہوگا۔ اور ان کے ایسے نظائر موجود ہیں لیکن

غور کون کرے شیخ شیرازی کہتے ہیں۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

یعنی زہد و ورع و صدق و صفا بھی بس اتنا ہی اختیار کرو جتنا حضورؐ نے اختیار فرمایا ہے آپ پر بیشی نہ کرو۔ یہی زیادت تو بدعت ہے جو دوسرے معاصی سے اس لئے سخت تر ہے کہ دوسرے معاصی میں تو معصیت کرنے والا معصیت کو معصیت سمجھتا ہے اور بدعت کا مرتکب بدعت کو عبادت سمجھتا ہے اس کو معصیت ہی نہیں سمجھتا اور ظاہر ہے کہ یہ کتنی سخت بات ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جاڑوں میں کوئی شخص آپ کو پنکھا جھلے تو آپ کو کتنا ناگوار ہو گا یہ آخر کیوں۔ اسی لئے کہ اس نے قاعدہ پر زیادتی کیوں کی۔ حالانکہ پنکھا جھل کر اس نے اپنے نزدیک راحت پہنچائی مگر آپ کو ناگوار ہوا۔۔ اسی طرح دین میں بھی گو کوئی چیز ظاہر میں نافع فی الدین نظر آوے مگر قانون کے خلاف ہونے سے وہ مذموم اور مذموم ہو گی دیکھئے عید کی نماز کتنی بڑی شان کی عبادت ہے اور شعائر اسلام ہے لیکن چونکہ اس میں اذان اور تکبیر حضورؐ سے منقول نہیں اس لئے اگر اس میں کوئی اذان اور تکبیر کہہ دے تو اس نے اپنے نزدیک تو نماز کی زیادہ تکمیل کر دی کیونکہ عید کی نماز کی مصلحت علاوہ عبادت کے یہ بھی تو تھی کہ اس سے اسلام کی شوکت ظاہر ہو اور بظاہر اذان اور تکبیر سے بوجہ زیادت اعلان کے یہ شوکت زیادہ ہو گئی لیکن یہ فعل پھر بھی بدعت ہو گا کیونکہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا۔ آگے یہ ایک مستقل سوال ہے کہ حضورؐ نے اذان اور تکبیر کیوں نہیں مشروع فرمائی سو اس کی واقع میں تو وجہ ضرور ہے لیکن ہم کو اس کا منصب نہیں کہ اس کی وجہ دریافت کریں۔ گو اللہ کے بعضے بندوں کو اس کی وجہ بھی معلوم ہے لیکن وہ محض ظنی ہے اس لئے اسلم یہی ہے کہ جب ہمیں اس کی وجہ شارع کی طرف سے نہیں بتلائی گئی تو ہمیں ضرورت ہی کیا ہے اس کے معلوم کرنے کی۔ ہمارا تو یہ مشرب ہونا چاہئے۔

زباں تازہ کردن بہ اقرار تو نینگیختن علت از کار تو

اس لئے ہمیں اس کاوش سے غرض ہی کیا۔ بس ہمارے آقا نے ایک حکم دیا ہے۔ ہم کو اس کی تعمیل کرنا چاہئے۔ اس کاوش ہی کے متعلق مجدد صاحب نے یہاں تک لکھا ہے کہ احکام شرعیہ کی حکمتیں تلاش کرنا انکار نبوت کا مرادف ہے کیونکہ اگر یہ شخص نبی کو نبی سمجھتا تو علت

پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت نہ سمجھتا تو اس کو نہ کرتا تو گویا اپنی رائے اور سمجھ ہی پر احکام کا دار و مدار ہوا تو اس صورت میں پھر نبوت ہی کی کیا ضرورت رہی اور مجتہدین کا قیاس تعدیہ حکم شرعی کے لئے اس میں داخل نہیں کیونکہ اس سے مقصود احکام کا علم ہے جو مقاصد سے ہے نہ کہ حکمتوں کا علم جو مقاصد سے نہیں میں اسی پر نکیر کر رہا ہوں جس کو آج کل لوگ علم عظیم سمجھتے ہیں کہ نماز کی یہ فلاسفی ہے روزہ کی یہ فلاسفی ہے جماعت کی یہ فلاسفی ہے ارے ایسی تیسی میں گئی فلاسفی۔ ہم تو غلام ہیں۔ غلام کا بس فرض یہ ہے کہ حکم بجالاوے کیرانہ میں ایک وکیل صاحب تھے جو بڑی عمر کے تھے اور میرا بچپن تھا۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں فرض ہوئی میں نے کہا کہ آپ کی ناک یہاں چہرہ پر کیوں لگی پشت پر گدی میں کیوں نہ لگی۔ کہنے لگے کہ پشت پر بری معلوم ہوتی۔ میں نے کہا بالکل غلط جب سب کی ناک پشت پر ہوتی بالکل بری نہ معلوم ہوتی۔ پھر میں نے کہا کہ جب آپ کو اپنا ہی فلسفہ نہیں معلوم تو نماز کا فلسفہ کیا پوچھتے ہو۔ اور واقعی جس دعوے پر کوئی دلیل شرعی ہی نہ ہو اس میں تو اسلم علم کی نفی ہی ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے حسین بن منصور حلاج کے متعلق پوچھا گیا کہ کیسے شخص تھے۔ تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک ولی تھے ساتھ ہی یہ بھی سوال تھا کہ ان کا ولایت میں کیا مقام تھا اس کا جواب دیا کہ مجھے مقامات کی خبر نہیں اور بعضوں نے جو کشف سے کسی ولی کا مقام بتا بھی دیا تو اس سے نتیجہ کیا۔ بجلی کمپنی کے حصہ داروں کی فہرست دیکھ کر اگر ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ فلاں کے دس ہزار جمع ہیں تو ہمیں اس اطلاع سے کیا ملا کچھ بھی نہیں اسی اتباع منقول کی فرع ہے کہ اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ بعد سلام مسنون عرض ہے تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں بلکہ السلام علیکم ہے اس لئے اس صیغہ سلام کا جواب دینا واجب نہ ہو گا۔ سلام کا جواب جب ہی واجب ہو گا جب اصل صیغہ سے سلام ہو جو حضورؐ سے منقول ہے مگر افسوس اس وقت لوگوں کو ان چیزوں کی فکر ہی نہیں اور جب فکر نہیں تو عقل بھی کام نہیں دیتی عادۃ اللہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو جو دو دولتیں دی ہیں عقل اور فکر عقل جب ہی کام دیتی ہے جب فکر سے کام لیا جائے۔ وجہ یہ کہ فکر سے داعیہ پیدا ہوتا ہے پھر داعیہ سے عقل کام دیتی ہے اسی فکر سے کام نہ لینے کا یہ اثر ہے کہ رسمیات و شرعیات میں کوئی فرق محسوس

نہیں ہوتا اور زیادہ غلطیاں اسی بے فکری سے ہوتی ہیں اور بے عقلی سے کم اور ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں گویا عقلیں مسخ ہو گئی ہیں حتی کہ رسموں کے مقابلہ میں احکام کی تحقیر کی جانے لگی ہے میں بڑے گھر میں کے علاج کے لئے عرصہ ہوا ایک مقام پر گیا تھا چونکہ وہاں زیادہ قیام ہوا ایک شخص جو عالم تھے مراد آباد سے ملنے آئے چونکہ انکا ارادہ زیادہ ٹھہرنے کا تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی کتاب ہی پڑھا دو۔ چنانچہ فرائض کی کتاب سراجی انہوں نے شروع کر دی۔ جب میں حکیم صاحب سے اپنے گھر میں کے حالات کہنے جاتا تو وہ بھی ساتھ جاتے تھے۔ حکیم صاحب کی گود میں ان کا ایک بچہ تھا۔ وہ اب ماشاء اللہ جوان ہیں اور ابھی مجھ سے بیعت ہو کر گئے ہیں ان کے باپ اچھے طبیب تھے۔ جب ہم وہاں جاتے تو اس بچہ کو سکھلاتے کہ سلام کرو۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے ہم کو آتا دیکھ کر کہا کہ السلام علیکم تو حکیم صاحب بولے کہ بیٹا سلام یوں نہیں کیا کرتے یہ کہا کرو کہ آداب عرض ہے۔ میری ہمت تو نہ ہوئی کہ ان کو اس تعلیم پر ٹوکوں لیکن وہ جو میرے دوست تھے بہت جھلائے کہ بیٹے کو تو توفیق سنت کی ہو۔ اور آپ اس کو تعلیم بدعت کی دیتے ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے تو سنت کے موافق سلام کرنے کو گویا بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ مرض جہلاء سے متجاوز ہو کر بعض اہل علم میں پہنچ گیا۔ ایک مقام پر مدرس تھے جو بڑے عالم تھے۔ وہ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ حلقہ درس میں سب علماء ہی علماء موجود تھے۔ دوران درس میں ایک عالم شریک درس ہونے کے لئے پہنچے انہوں نے کہا السلام علیکم۔ اس پر مدرس صاحب نے ان کو اپنے پاس بلایا اور کان میں کہا کہ جوتہ مار دینا بہتر ہے اس سے کہ السلام علیکم کہا جائے۔ یہ رسم وہ چیز ہے کہ حدیث کا درس ہو رہا ہے اور اس میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان ہی مدرس صاحب کا اور قصہ سنئے یہ بزرگ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حدیث کا درس دے رہے تھے ایک دوسرے عالم درس میں پہنچے جن کو عادت تھی ایسی باتوں پر ٹوکنے کی۔ انہوں نے پاس جا کے چپکے سے کہا کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کو پہننا حرام ہے۔ اس کہنے پر انہیں بڑا غصہ آیا۔ مولانا نے تو چپکے سے کہا تھا انہوں نے پکار کر کہا کہ تم وہابی ہو۔ دیکھیے رسموں نے اس قدر چھا لیا ہے لوگوں کو بس اس فریاد کا وقت ہے۔

اے بہ سراپردہ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اب ایک خرابی اس کے مقابلہ میں پیدا ہوئی کہ بعض احکام کو بدولت اسی جہل کے رسوم سمجھنے لگے چنانچہ تصوف کے منکرین اسی بلاء میں مبتلا ہو گئے جس کی تحقیق بحمد اللہ کافی درجہ میں احقر کے رسائل سے ہو گئی وہ رسائل گو سرسری نظر سے لکھے گئے ہیں لیکن پھر بھی بحمد اللہ تقریباً" دو ہزار مسئلے تصوف کے قرآن وحدیث سے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے گئے ہیں۔ اگر میں غور کرتا تو غالباً" اتنے ہی اور ثابت کر دیتا لیکن مجھے وقت کہاں غور کا۔ اس کے متعلق ایک عالم نے روایت بیان کی کہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے میرے بارے میں ایک بات ایسی کہی جو بظاہر ان سے متوقع نہ تھی کیونکہ وہ پورے پورے ہم لوگوں کے ہم مشرب نہ تھے۔ ان کے سامنے کسی نے کہا کہ اب تو تصوف کی خدمت کہیں نہیں ہوتی گو میری ملاقات ان سے کبھی نہیں ہوئی لیکن انہوں نے کہا کہ تمہیں خبر نہیں تھانہ بھون میں تصوف کی کتنی خدمت ہو رہی ہے یہ روایت سن کر میرا دل خوش ہوا کہ ایک عالم شخص اس خدمت کی قدر کرتے ہیں اور الحمد للہ ان رسائل میں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ہر شے اپنی حد پر ہے جس سے تصوف اور سنت میں پورا تطابق ظاہر ہو گیا اور اسی کی سخت ضرورت ہے کہ سب چیزیں اپنی اپنی حد پر رہیں الماری کی زینت اسی وقت ہے جب کہ ہر چیز اپنے موقع پر ہو ورنہ پھر وہ الماری نہیں ہوتی اللہ ماری ہو جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے یہ سب بزرگوں کا طفیل اور صدقہ ہے خصوص ہمارے بڑے میاں کا جن کی شان یہ تھی کہ لوگ کہتے ہیں عالم نہ تھے اور میں کہتا ہوں یہی تو کمال تھا کہ عالم نہ تھے اور پھر بھی عالموں کے امام تھے۔

نگار من کہ بہ مکتب نرفت ودرس نکرد
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہی علوم وہبی کہلاتے ہیں ایسے ہی علوم کو مولانا فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب وبے معید واوستا
علم چوں برتن زند مارے بود علم چوں بردل زند یارے بود

نوٹ از جامع۔ اس طویل تقریر کے بعد جو بحالت علالت ونقاہت فرمائی گئی تھی فرمایا کہ فلاں صاحب نے صرف پانچ منٹ تنہائی میں گفتگو کرنے کے لئے مانگے تھے وہ میں نے نہیں دیئے اور عذر کر دیا کہ اس کی مجھ میں قوت نہیں اور اب میں نے گھنٹہ بھر تقریر کی اس کی وجہ

یہ ہے کہ وہاں تو مجھ کو مقید ہونا پڑتا اور ضرور گفتگو کرنی پڑتی اور یہاں مجھے بالکل آزادی تھی جی چاہتا تقریر کرتا جی چاہتا خاموش رہتا اور تقریر میں بھی آزادی تھی کہ جب جی چاہتا منقطع کر دیتا۔ اس آزادی میں طبیعت کھلی رہی کہ اتنی طویل تقریر کا بھی کوئی تعب نہیں ہوا مجھے مقید ہونے سے تعب ہوتا ہے اور طبیعت کند ہو جاتی ہے اور اگر آزادی ہو تو پھر طبیعت کھلتی ہے۔

(۲۵۱) ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوتی

ملفوظ سابق میں سے متعدد حکایات کو جو زبانی بیان میں محض بدرجہ تائید نقل فرمائی تھیں اور احقر جامع نے ان کو تحریر میں ضبط کر لیا تھا چونکہ ان میں بعض واقعات ایسے بھی تھے جن سے عوام کو غلط فہمی ہونے کا احتمال تھا ان کو نظر اصلاحی میں حذف فرما دیا گیا۔ بعد کو احقر سے فرمایا کہ ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوا کرتی اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ ملفوظات لکھنے کے لئے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے کیونکہ بعضی باتیں محض مزاح میں کہہ دی جاتی ہیں بعضے غامض حقائق اپنے فہیم خدام کے سامنے ایسے بھی بیان کر دیئے جاتے ہیں جن کا عوام تک پہنچانا بوجہ اس کے کہ ان کے فہم سے بالاتر ہیں خلاف مصلحت ہوتا ہے چنانچہ سینکڑوں باتیں مجھ کو ایسی معلوم ہیں جن کو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا۔ بعض تذکروں کو جو میں نے دیکھا تو ان میں میں نے بہت سے ایسے ملفوظات پائے جو ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان کو ضبط کر کے شائع کیا جاتا۔ بعضی بہت ہی پوچ اور لچر حکایات بھی ان میں درج کر دی گئی ہیں حالانکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کر دی گئی ہوں گی۔ بس صرف ایسے ہی ملفوظات منضبط کرنے چاہئیں جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو۔

(۲۵۲) حضرت تھانوی کا طبعی خلاصہ تھا کہ ہر کام ہمہ وجوہ پورا فرماتے

حضرت ابن منصور رحمتہ اللہ علیہ کے بعض اشعار کی شرح حضرت اقدس مدظلہم العالی اس رسالہ میں منظم فرمانا چاہتے تھے جو ابن منصور کے حالات کے متعلق حضرت اقدس نے مولانا ظفر احمد صاحب سے لکھوایا ہے۔ حضرت اقدس کا ہمیشہ سے یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو کام کرنا ہوتا ہے اس کو ہمہ وجوہ پورا کرنے کا سخت تقاضا قلب میں پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہیں ہو جاتی طبیعت بے چین رہتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا اشعار کے ایک بڑے حصہ کی شرح لکھنے کا بھی اتنا شدید تقاضا ہوا کہ باوجود سخت نقاہت اور طبیب کی ممانعت کے بھی

اس کو لگ لپٹ کر ایک ہی دن میں تکمیل کو پہنچادیا۔ معالج نے کام چھوڑ کر سو جانے کی تاکید کی تو غائبانہ اپنے خدام خاص سے فرمایا کہ جس مصلحت سے کام چھوڑ دینے کے لئے کہا گیا تھا یعنی آرام۔ وہ مصلحت تو بہر صورت حاصل نہ ہوتی۔ کیونکہ میری طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو جس وقت تک وہ پورا نہ ہو جائے میں لاکھ سونا چاہتا ہوں نیند ہی نہیں آتی۔ اگر میں کام چھوڑ بھی دوں تو نیند کسے آوے گی۔

(۲۵۴) حضرت حکیم الامت کی طبیعت میں قرینہ نظم کوٹ کوٹ کر بھرا تھا

حضرت اقدس مدظلہم العالی کے یہاں کسی چیز میں بے ڈھنگاپن نہیں ہر کام نہایت قرینہ اور انتظام کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ رات دن کا مشاہدہ ہے اور پھر انتظام بھی نہایت سہل اور سادہ اور بے تکلف مثلاً" جو متفرق ضرورت کی چیزیں ہیں ان کے لئے ایک ہاتھ میں لٹکانے والی زنبیل اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہوئی اس میں سے نکال لی اور بعد فراغت فوراً" پھر اس میں رکھ دی۔ اسی علالت کے دوران میں بھی کسی ضرورت کے لئے اسی زنبیل سے کچھ چیزیں نکالیں نیز کچھ اور متفرق چیزیں بھی پلنگ پر رکھی ہوئی تھیں فراغت کے بعد زنبیل کی چیزیں زنبیل میں رکھ کر زنبیل کو اس کے ٹھکانے اور دوسری چیزوں کو ان کے ٹھکانے رکھوا دیا اور فرمایا کہ جب ضرورت نہیں رہی تو پھر یہ چیزیں یہاں کیوں رکھی رہیں اپنے اپنے ٹھکانہ پہنچ جانا چاہئیں۔ پھر فرمایا کہ طبیعت ہی ایسی ہے کہ بے ڈھنگاپن ذرا گوارا نہیں۔ کسی کام میں اگر منتظم سے کوئی ضروری چیز چھوٹ جاتی ہے تو اس کی بھی شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل عام طور سے طبائع میں نظم نہیں رہا اور نظر میں وسعت نہیں رہی کہ سب پہلوؤں کو محیط ہو نہ حسیات میں نہ غیر حسیات میں نہ عقلیات میں نہ دینیات میں اور کیا عالم کیا جاہل کیا پیر کیا مرید کیا عوام کیا خواص سب ہی میں یہ مرض ہے۔